پیراہن آتشین

خالدہ ادیب سابق وزیر تعلیم انگورہ گورنمنٹ کا بہترین ناول

جسمین اناطولیہ کی تحریک آزادی و استقلال کی داستان نہایت پر لطف طریقہ
پر بیان کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ جس تحریک نے دنیا کو حیرت مین ڈالدیا تھا
وہ ابتدا مین بچون کا کھیل تھا قدرت کے فضل نے اس تحریک کو بار آور
کیا اور اناطولیہ نے سارے یورپ پر فتح پائی

مترجمہ

مولانا آغا رفیق صاحب بلند شہری

حسب فرمائش قاضی محمد رفیق
مالک و اڈیٹر اخبار نجات و پرنٹر نجات مشین پریس بجنور

نجات مشین پریس بجنور مین چھپی

قیمت [illegible]

پیراہنِ آتشیں

مشہور

ترکی اہلِ قلم خاتون خالدہ ادیب خانم سابق وزیر تعلیم انگورہ گورنمنٹ

کے

تازہ ترین ناول کا ترجمہ

از

مولانا آغا رفیق صاحب بلند شہری
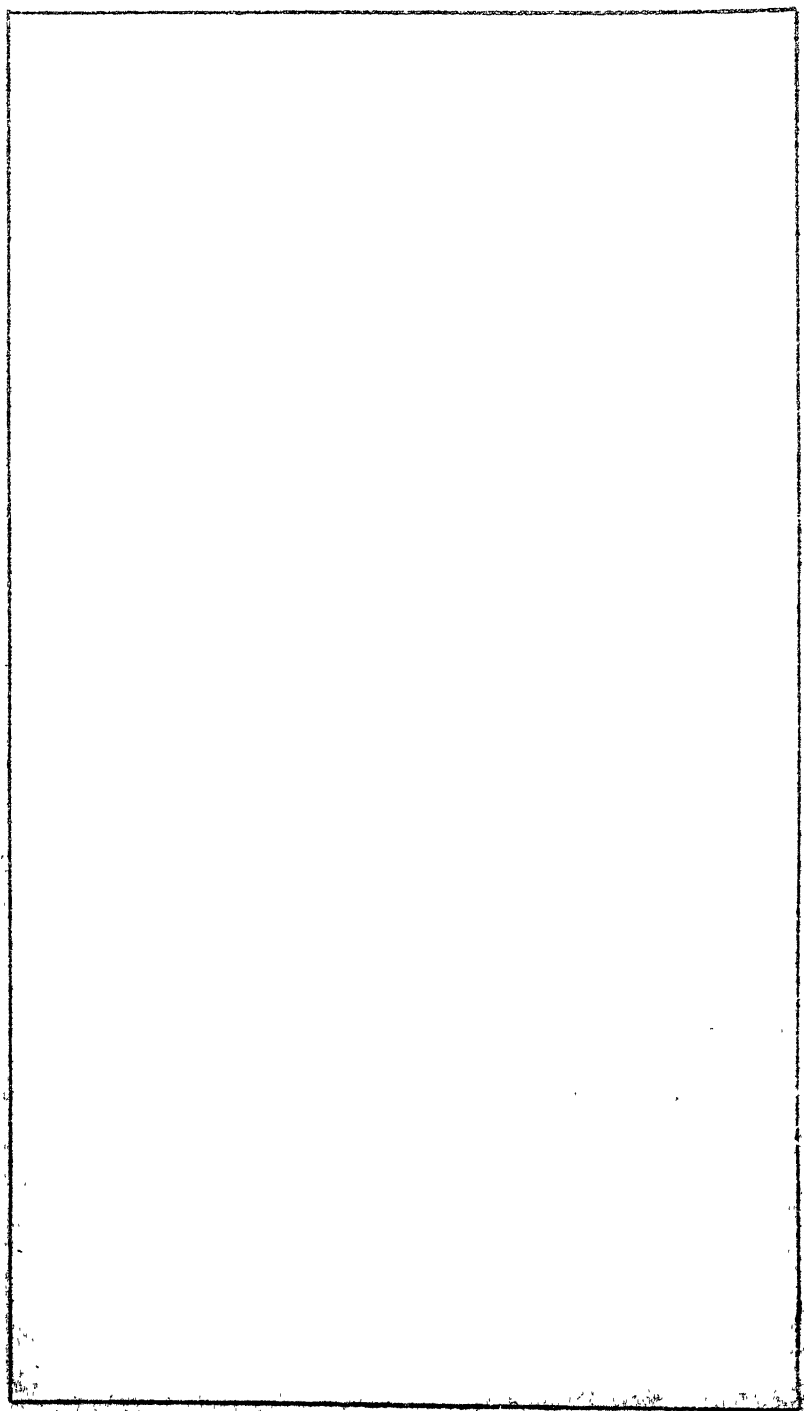
ایک مجروح ترک فوجی افسر کی یادداشتین

نہر سقاریہ کے زبردست فوجی معرکے بعد ایک ترک فوجی افسر "پیامی" نام انگورہ کے فوجی شفاخانہ مین اس حالت مین داخل ہوا کہ اُس کی دونون ٹانگین کٹی ہوئی تھین اور سر مین بندوق کی گولی کا زخم تھا۔ گولی سر کے اندر رہ گئی تھی اور "پیامی" نے زخم کو خطرناک پاکر یہ رائے قائم کرلی تھی کہ اُس کا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ موت کو قریب پاکر "پیامی" نے ارادہ کیا کہ جنگ یورپ کی ابتدا سے اسوقت تک جو واقعات اُس کے اور اُس کے دوستون کی زندگی سے متعلق پیش آئے ہین وہ اُن کو یادداشتون کے طور پر مرتب کردے۔

یہ کتاب "پیامی" کی یادداشتون کا مجموعہ ہے جسمین اُسنے اپنی ذات کو مخاطب کرکے تمام اُن دردناک واقعات کو بیان کیا ہے جو تحریک اناطولیہ کے سلسلہ مین پیش آئے ہین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)
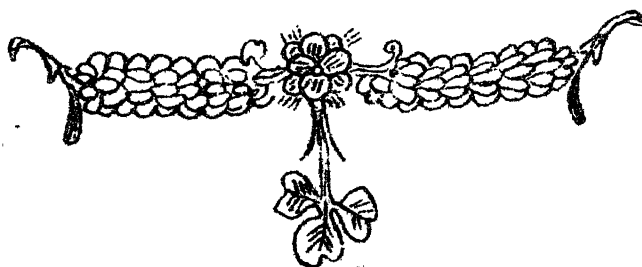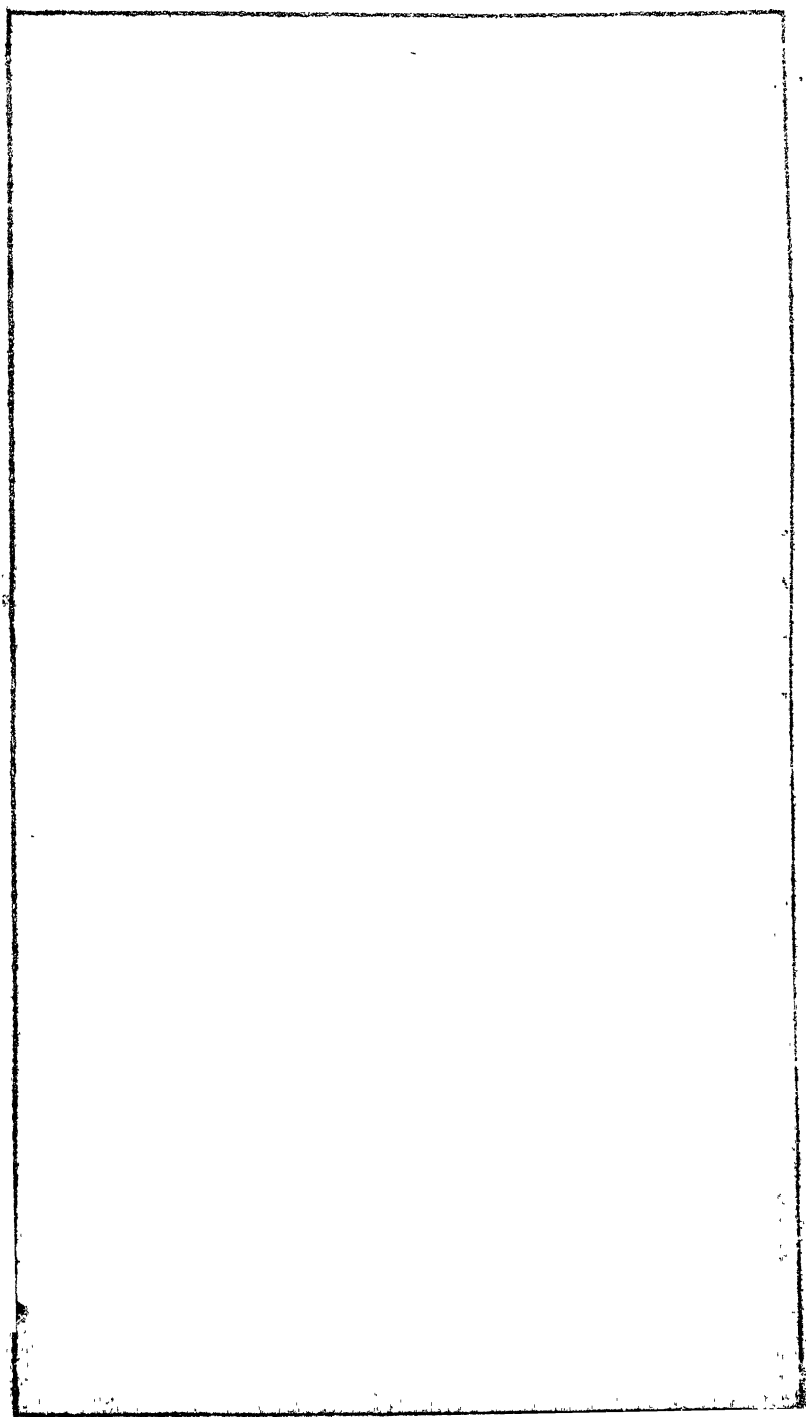
جمال اور احسان

۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء

جس زمانہ سے اس قصہ کی ابتدا ہوتی ہے اس زمانہ میں - میں "دولت عثمانیہ" کی "وزارت خارجہ" کا ایک معمولی عہدہ دار تھا۔ ان یادداشتوں میں جو واقعات میں لکھ رہا ہوں وہ میری شخصیت سے اتنا تعلق نہیں رکھتے جتنا کہ ان لوگوں کی شخصیتوں سے ان کا تعلق ہے جن کو میں اپنی ذات سے زیادہ عزیز و محبوب رکھتا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے درمیان جن کا قصہ میں لکھ رہا ہوں اور جن کی معیت میں میں نے اپنی حقیقی زندگی کا دور شروع کیا ہے اپنی زندگی کو جس حال میں وہ گذری عیش و مسرت کے ساتھ بسر کیا اور خوش رہا۔

ان اوراق میں - میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حالات لکھنا شروع کرتا ہوں لیکن ہر لمحہ مجھے اس کا خطرہ لگا ہوا ہے کہ کہیں اس قصہ کے ہاں "خون اور آگ" کی اس کہانی کے ختم ہونے سے پہلے میری روح جسم عنصری کو خالی نہ کر دے کیونکہ سانس کی آمد و شد پہ ہر وقت نفس واپسین کا دھوکہ ہوتا ہے اور زندگی کی بقا کا اعتماد قطعاً جاتا رہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ میرے زخم کے سرخ و گرم خون نے چونکہ زمانہ گذشتہ کی کثافتوں کو دھو کر مجھے پاک صاف کر دیا ہے اس لئے اب میرے جسم سے دفتر کے ناپاک کاموں اور پریشان کن کاغذات کے جھگڑوں کی بو نہ آئے گی، کیونکہ میرا ارادہ اب اپنی سابقہ زندگی کے مشاغل اختیار کرنے کا نہیں ہے۔ یا اللہ کیا میری یہ آرزو پوری ہوگی کاش ایسا ہو۔

مین اس امر کا اعتراف کرتا ہون کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ مین اُن حوادث و آلام کو بھی حوالہ قلم کرون جو مجھ پر گذرے ہین اور جن سے مجھکو خاص روحانی تکلیف پہنچی ہے لیکن مین اس قصہ مین اپنے آلام کا ذکر نہین کرونگا کیونکہ مین اس قصہ مین صرف اُن ہی لوگون کے حالات لکھ رہا ہون جن سے اس عالم مین مجھے خاص تعلق رہا ہے اور اب مین صرف اس امر کا خواہشمند ہون کہ خداوند تعالیٰ مجھے کوئی ایسا انیس و ہمدرد عنایت فرمائے جو میرے بعد دُنیا مین رہے کیونکہ مین محسوس کر رہا ہون کہ اس عالم فانی مین میری سیاحت کی مدت بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ مین اس امر کا بھی بہت متمنی ہون کہ مجھے ایک ایسی روح عطا ہو جو میرے قائم مقام ہو اور میری باتین دوسرون کو سُنائے۔ میرا یہ خیال اس امر پر مبنی ہو کہ مین ایک معمولی انسان ہونے کی حیثیت سے اس امر کا اعتقاد رکھتا ہون کہ عالم آخرت کا وجود عالم موجود کی طرح ہے اور عالم آخرت مین ارواح بھی پائی جاتی ہین ممکن ہو قبر کے دروازہ سے گذر کر مجھے کوئی ایسا رفیق مل جائے جو مجھ ہی جیسا سادہ لوح ہو اور وہ مجھے اپنے آلام و ہموم سے آگاہ کر کے میرے لئے اس کا موقع بہم پہونچائے کہ مین بھی اپنا راز دار بنا کر اوسکو اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کرون اور ایک لطف تازہ اُٹھاؤن۔

مین اسوقت انگورہ کے شفاخانہ "جبہ جہ" کے ایک چھوٹے سے کمرہ مین پڑا ہون اور کھڑکی سے اُن مناظر کو دیکھ رہا ہون جو میرے سامنے ہین کہین بلندی ہو اور کہین پستی۔ اس منظر کے آخری کنارہ پر آسمان کے افق مین سُرخی چھائی ہوئی ہے ہان وہ شوخ سرخی جو اُن حوادث کو بتلاتی ہے جو افق کے نیچے زمین پر وقوع مین آئے ہین اس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ افق کے نیچے کی زمین پر جو چیز موجود ہے وہ سُرخ اور نہایت سُرخ ہے اور بہت ممکن ہو کہ وہ خون ہو ہان وہ خون ....

نہین۔ نہین اس خیال کو مجھے اپنے دل مین جگہ نہ دینی چاہئے ڈاکٹر نے مجھے بتلایا ہے کہ جو گولی میرے سر مین پیوست ہے وہ دل و دماغ مین اوہام و خیالات پیدا کرتی ہے۔ مین نے ڈاکٹر سے جب یہ کہا کہ وہ گولی کو میرے سر سے نکال دے تو وہ غور سے اپنی قمیص کی آستینون کو دیکھنے لگا اور دیر تک اُن کو دیکھتا رہا، کئی مہینے ہوئے ڈاکٹر نے میری دونون ٹانگون کو آلات جراحی سے کاٹ ڈالا ہے اور اب میری حالت یہ ہے کہ جب مین پلنگ پر پڑا پڑا زیرین حصہ جسم کو دیکھتا ہون تو چادر کے نیچے اُس حصہ جسم سے پلنگ کو خالی پاتا ہون، واللہ یہ منظر بھی کس قدر مضحکہ خیز ہے میرے سر مین جو گولی پیوست ہے ڈاکٹر اس اندیشہ سے اُسکو نکالنے کی جرأت نہین کرتا کہ کہین میرا خاتمہ نہ ہو جائے ممکن ہو وہ گولی کو ہاتھ لگانے سے اس لئے بھی محترز ہو کہ جو یادداشتین میرے دماغ مین محفوظ ہین وہ کہین

گولی کے ساتھ باہر نکل آئین اور میرا دماغ خالی ہو جائے میرے سر مین جب زیادہ تکلیف ہوتی ہو تو ڈاکٹر تسکین دینے کے لیے مجھ سے کہدیتا ہے کہ ایک ماہ بعد انشاءاللہ مین اپریشن (عمل جراحی) کر دونگا اور گولی کو سر سے نکال دونگا۔ ڈاکٹر بار بار مجھ سے اصرار کرتا ہے کہ آستانہ مین۔ مین اپنے عزیزون کو خط لکھ دون۔ مین اُن کو کیا لکھون۔ مین تو اُن سب کو بھلا چکا ہون۔ آستانہ مین ایک تو میری ماں ہو جسکا گھٹتا ہوا گندمی رنگ ہے موٹے اور سخت بال ہین اور جو ہرگز اس امر کو پسند نہین کرتی کہ بڑھاپا اُسپر طاری ہو مین نے جب اپنی نئی زندگی کو شروع کیا ہو تو میری ماں نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ مین اپنی قدیم روش کو نہ بدلون۔ بہر نوع اب مین قصہ شروع کرتا ہون۔ مین اس قصہ کو شروع کرنے کے لیے بیچین ہون لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قصہ کو کہان سے شروع کرون، میری مثال ایک بچہ کی سی ہے جس کی خواہش یہ ہوتی ہو کہ کھانا کھانے سے قبل چاولون کو کھائے اس لئے مین بھی اس اندیشہ سے کہ کہین قصہ ختم ہونے سے قبل میری روح پرواز نہ کر جائے یہ چاہتا ہون کہ قصہ کے آخری حصہ سے کہانی کی ابتدا کرون تاکہ تکمیل داستان کا ارمان دل مین نہ رہ جائے۔

میری کہانی اُس روز سے شروع ہوتی ہو جس روز کہ "جمال" ہمارے گھر مین آیا ہے میری ماں نے اُس روز مجھ سے کہا کہ۔ "بلغاریہ نے دول حلفا سے التوائے جنگ کر لیا ہو"

ان الفاظ نے اُس روز مجھ پر اضطراب طاری کر دیا تھا، مین پریشان کیون ہوا؟ اور بلغاریون کے التوائے جنگ نے مجھے مضطرب کیون بنایا؟ اس کا سبب مین نہین جانتا البتہ اتنا جانتا ہون کہ اس خبر کو سنکر مین کمرہ کے اندر جو یورپ کے طریقہ پر اعلیٰ قسم کے سامان اور فرش فروش سے آراستہ تھا بے ترتیب مضطرب حالت مین ٹہلنے لگا جس سے تمام فرش اور کمرہ کی چیزین اُلٹ پلٹ ہو گئین۔ میری ماں مجھ کو دیکھ رہی تھی اور مجھ سے کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن مین نے اُس کی طرف توجہ بھی نہ کی اور برابر ادہر سے اُدہر پریشان حال ٹہلتا رہا۔

میرے لئے التوائے جنگ اور صلح دونون مساوی درجہ مین تھین اور ان سے تاثر کی کوئی وجہ نہ تھی، بلکہ اب سے پہلے تو مین یہ بھی نہ جانتا تھا کہ دنیا کی قومین ایک دوسرے سے کیون لڑتین اور دست و گریبان ہو کر انسانی خون کو بے دریغ کیون بہاتی ہین۔ جب ہماری حکومت (دولت عثمانیہ) جنگ مین شریک ہوئی ہو تو ایک خاص سبب سے مین نے اسکو منحوس خیال کیا تھا لیکن جنگ یورپ کے طویل زمانہ نے میرے جذبات مین کوئی نئی تحریک پیدا نہین کی تھی تربہ حکومت نے سرکاری کامون کی انجام دہی کے لئے مجھے برلن (جرمنی) بھیجا اور مین اپنی خدمات پوری کرکے پھر آستانہ واپس آگیا۔ میرے خیال مین جنگ یورپ نے کوئی نئی بات پیدا نہین کی تھی بجز اس کے

کہ سیاسی سکاغذات کی مقدار و تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی ، ہاں یہ صحیح ہو کہ جنگ لوگون کے لئے ایک مصیبت و بال تھی اور اس کی وجہ سے ہزارون بھوکون مرتے تھے اور لاکھون مفلس نان شبینہ کو محتاج تھے لیکن ہم اپنے گھر مین آسایش سے رہتے تھے اور جنگ کے مصائب کا اثر ہم پر نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میری ماں آستانہ کے ایک دولتمند خاندان کی بیٹی تھی اور آستانہ مین اُسنے ابتدا سے آسایش و راحت کی زندگی بسر کی تھی دیہات سے کافی پیداوار آتا تھا اور بے دریغ خرچ ہوتا تھا اس لئے جنگ یورپ نے ہماری آسایش و راحت مین کوئی کمی نہ کی تھی اور ہم اطمینان کے ساتھ راحت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

اس ذکر نے اسوقت ماں کو یاد دلایا میری ماں ایک سن رسیدہ خاتون ہین ذکی و ہوشمند اور یورپین فیشن کی دلدادہ محلہ "شیشلی" مین جہان ہم رہتے ہین تمام عورتین یوروپین معاشرت کو پسند کرتی ہین ، اور یوروپین طرز کی زندگی بسر کرتی ہین محلہ شیشلی اور جزیرہ امرا کے درمیان بہت سے تھیٹر اور تماشون کے میدان ہین اور اگرچہ میری ماں کا مکان بعض اوقات تفریح اور کھیل تماشون سے خالی رہتا تھا لیکن پھر بھی ہر وقت یوروپین فیشن خواتین ۔ اور کنواری لڑکیون سے گھر بھرا رہتا تھا اور چہل پہل سے کوئی لمحہ خالی نہ گذرتا تھا ۔ میری ماں نے جب دیکھا کہ بلغاریہ کے التوائے جنگ کی خبر نے مجھ پر غیر معمولی اثر کیا ہے ، تو اُنھون نے اپنے سگرٹ کو سلگایا اور ایک کوچ پر مغموم و مضطرب دراز ہو گئین چند منٹ بعد مین نے گھنٹی بجائی اور "کیتھرائن" ، خادمہ کو قہوہ لانے کا حکم دیا اور پھر جیب سے سنہری سگرٹ کو نکالا اور سلگا کر پینے لگا۔

سگرٹ کے شغل نے میرے تاثر کو دور کر دیا اور مین اُس شخص کی مانند جس کے مصائب آلام کا یکایک خاتمہ ہو گیا ہو چاق و چوبند اور تازہ دم ہو گیا۔ ٹھیک اُسی وقت "کیتھرائن" قہوہ کی پیالی لائی اور مجھ سے کہا کہ "جمال" تشریف لائے ہین " بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ماں بلغاریہ کے التوائے جنگ کی خبر سننے کے بعد مجھ کو جمال کے آنے کی اطلاع دینا چاہتی تھین۔ لیکن مین التوائے جنگ کی خبر سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ مین نے ماں کی طرف دیکھا بھی نہین ۔

"کیتھرائن" نے جمال کے آنے کی خبر دی لیکن اس خبر نے میرے سکون پر کوئی اثر نہین ڈالا اگر اسوقت شاہ جرمنی بھی میرے کمرہ مین آتا تو میرے اُس سکون و طمانیت پر کوئی اثر نہ پڑتا جو سگرٹ نے پیدا کیا تھا۔

"جمال" میری ماں کے پھوپی زاد بھائی کا بیٹا تھا جنگ یورپ کے سارے زمانہ مین وہ ایک فوجی افسر کی حیثیت سے مختلف مواقع پر خدمات انجام دیتا رہا۔ کئی مرتبہ وہ جنگ مین زخمی بھی ہوا ، لیکن عجیب اتفاق تھا

کہ جب کبھی وہ زخمی ہو کر میدان جنگ سے آستانہ آتا تھا تو مین جرمنی مین ہوتا تھا لیکن اگر مین آستانہ مین بھی موجود ہوتا تو بھی مجھے جمال کی پروانہ ہوتی تھی کیونکہ جمال سے اب سے پہلے میرا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ مین جب کبھی جمال کا ذکر کرتا تھا تو اُس کی بہن کے ذکر کے سلسلہ مین یا جب کبھی مجھے جمال کا خیال آتا تھا تو اُس کی بہن کے خیال کے سلسلہ مین اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اب سے بارہ سال قبل میری مان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ میری شادی جمال کی بہن کے ساتھ کردین چنانچہ میری مان نے جمال کی بہن کو اس ارادہ سے آستانہ بُلالیا۔ جمال کی بہن سمرنا کی ایک نوجوان لڑکی تھی جس کا نام عائشہ تھا، مجھے جب عائشہ کی آمد اور شادی کے ارادہ کا علم ہوا، تو فوراً بکس مین اپنے کپڑون کو بند کرکے یورپ کو روانہ ہوگیا تاکہ اس شادی سے مجھے نجات مل جائے، یہ واقعہ چونکہ ٹرکی مین اعلان دستور سے پہلے کا ہے اس لئے اُس زمانہ مین بغیر پاسپورٹ کے مین بآسانی یورپ چلا گیا۔ چھ ماہ بعد مجھکو معلوم ہوا کہ عائشہ نے مقبل بک نام ایک شخص سے شادی کرلی ہے یہ معلوم کرکے مین یورپ سے آستانہ واپس چلا آیا میری مان کا خیال تھا کہ مین انتہا درجہ کا بیوقوف ہون کیونکہ مین نے ایک دولتمند خاندان کی لڑکی سے شادی نہ کرکے بڑی دولت کو ہاتھ سے گنوا دیا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد میری مان اس واقعہ کو بھول گئین اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میری طرح وہ بھی دیہاتی لڑکیون سے نفرت رکھتی تھین اور اُن لوگون سے دور دور رہتی تھین جو ترکی شہری معاشرت سے بیگانہ ہون۔ پھر میری مان نے ارادہ کیا کہ میری شادی تسلی کی ایک یورپین فیشن لڑکی سے کردین اُسوقت میری عمر چوبیس سال کی تھی لیکن یہ شادی بھی نہو سکی اور وقت نکل گیا۔ اس وقت میری عمر چھتیس سال کی ہے اور مین ادھیڑ ہوچکا ہون لیکن کنوارا ہون۔

جمال اُس روز ہمارے ہان آیا جس روز کہ بلغاریہ نے اتحادیون کے لئے جنگ کیا تھا چونکہ اُس کی بہن عائشہ کی شادی کو عرصہ گذر چکا تھا اس لئے میرے ذہن مین یہ خیال آیا کہ عائشہ کی جوانی ڈھل چکی ہوگی اور اسکا وہ رنگ و روپ باقی نہ رہا ہوگا جو شباب مین تھا۔ عائشہ کا شوہر مقبل بک جو میرے والد کے عزیزون مین تھا وزارت خارجہ کے دفتر مین ملازم تھا، شادی کے بعد اُس نے ملازمت چھوڑ دی اور سمرنا چلا گیا اور عائشہ کی جائداد کا انتظام کرنے لگا، گذشتہ آخری سالون مین اُس نے انگور و انجیر کی تجارت بھی شروع کردی تھی جن کو وہ ریلوے کے ذریعہ باہر بھیجا کرتا تھا۔

"جمال" نے کمرہ مین داخل ہوکر میری مان کے ہاتھون کو چُوما اور مین ارادہ ہی کر رہا تھا کہ جدید فیشن کے مطابق مین بھی تکلف کے ساتھ جمال کو سلام کرون لیکن جمال نے مجھے اس کا موقع نہین دیا اور اپنا قوی ہاتھ

بڑھاکر میرے نرم و نازک ہاتھ کو جسمین میں ایک قیمتی انگشتری پہنے تھا اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسقدر زور سے دبایا کہ میں آنکھیں کھول کر جمال کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوگیا۔ اور اس دیہاتی کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔
آہ........ میرے سر میں اب درد شروع ہوگیا ہے اور اب میں مجبور ہوں کہ اس ذکر کو یہیں چھوڑ دوں، کیونکہ سر کا درد لکھنے نہیں دیتا۔

---

۳ نومبر ۱۹۲۱ء

میری زندگی کا نیا دور اُسوقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ جمال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر مجھے دیکھا جمال کی پیشانی کے نیچے دو سیاہ نیلگوں آنکھیں تھیں جن سے وثوق و اعتماد چمکتا تھا اُس کا چہرہ آفتاب کی تپش نے نحاسی (تانبہ کی مانند) کردیا تھا اُسکا دہانہ چھوٹا اور گول تھا ہونٹوں پر مسکراہٹ نمایاں تھی جسم تر و تازہ تھا جس سے اس امر کا اندازہ ہوتا تھا کہ اُس میں مصائب و مشکلات کی برداشت کی کافی قوت ہے اور خوف و خطرہ کا اُسپر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مجھ سے ہاتھ ملاکر جمال نے اپنی ٹوپی کو پشت کی جانب ہٹایا اور جیب سے رومال نکال کر پیشانی کو اس طرح پونچھا جس طرح کوئی پسینہ کو پونچھتا ہو۔ میں نے کہا،

جمال تمھاری پیشانی پر تو پسینہ نہیں ہے کیا چیز پونچھتے ہو؟ جمال مسکرایا اور کوچ پر بیٹھکر سگرٹ کو سلگایا اور پھر مجھ سے کہا۔

میں یہاں ٹریم پر آرہا تھا کہ راستہ میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی اور دیر تک اُس سے بلغاریہ کے التوائے جنگ پر بحث جاری رہی اس گفتگو نے ہیجان پیدا کردیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا میری پیشانی پسینہ سے تر ہے۔

پھر جمال نے متانت کا پہلو اختیار کیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بچوں کی مانند سادہ لوحی سے دریافت کیا۔

بلغاریوں کے التوائے جنگ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اپنی شکست کا اعتراف کرلیا ہے اب ہماری حالت کیا ہوگی، تم چونکہ وزارت خارجیہ کے عہدہ دار ہو اس لئے بہت ممکن ہے کہ تم اسکا شافی جواب دے سکو۔

مجھے یاد نہیں کہ اُسوقت میں نے کیا جواب دینے کی کوشش کی تھی لیکن اتنا مجھے یاد ہے کہ اُسوقت جمال

کی محبت کو مین نے اپنے قلب مین محسوس کیا - جمال پہلا شخص ہے جس نے مجھکو اس امر پر آمادہ کیا تھا کہ مین اپنی زندگی کو تبدیل کر دون - روش کی تبدیلی کا یہ ارادہ اُس وقت میرے عقیدہ مین خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا - پھر جمال نے میری طرف دیکھکر کہا -

میری خالہ - اور عائشہ اور مقبل تک آستانہ آنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اُن کا بچہ حسن خسرہ مین مبتلا ہے اس لئے وہ آستانہ کا سفر نہین کر سکتے -

اس کے بعد جمال نے عائشہ کے بچہ حسن کی خوبیان بیان کرنی شروع کین اور اُس کے حسن و جمال اور صحت کو تشریح کے ساتھ بیان کیا -

میری قدرت سے یہ امر باہر ہے کہ مین جمال کی دوستی کی تاریخ اس موقع پر لکھون اگرچہ مین جمال کی دوستی کے لطف سے اچھی طرح واقف ہون - مین نے اپنی زندگی مین پہلی مرتبہ اس امر کو محسوس کیا کہ جمال میرا مخلص دوست بلکہ حقیقی بھائی کی مانند ہے اور مین ایک ساعت اُس کی جدائی کو برداشت نہین کر سکتا - ہم دونون روزانہ ایک دوسرے سے ملتے اور دیر تک گفتگو مین مشغول رہتے تھے جہان دن کے چار بجے اور جمال وزارت خارجہ کے دروازہ پر پہونچا اور مجھکو ساتھ لے کر " فندق مسرۃ " نامی قہوہ خانہ مین داخل ہوا قہوہ خانہ مین جمال کے فوجی دوست بھی جمع ہو جاتے تھے ان فوجی دوستون مین اکثر خوش اخلاق نوجوان تھے اور اُن سب مین جمال کو مین ترجیح دیتا ہون وہ بھی اگرچہ عام فوجیون کی طرح سادہ فوجی لباس مین رہتا تھا لیکن مجھ پر اُسکو ایک خاص قدرت حاصل تھی -

اُس زمانہ مین آستانہ کی حالت یہ تھی کہ گویا وہ میدان جنگ ہے کوئی رات اور کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا جسمین انگریزی ہوائی جہاز آستانہ کی آبادی مین ہمارے سرون پر پرواز نہ کرتے ہون اور گولے نہ برساتے ہون ، انگریزی ہوائی جہازون کی گولہ باری نے آبادی کے اعصاب مین ہیجان پیدا کر دیا تھا اور ہر شخص غضبناک نظر آتا تھا -

" فندق مسرت " مین جو فوجی افسر جمع ہوتے تھے وہ عموماً جنگ اور صلح کے مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے اور جنگ مین ترکی حکومت کی شرکت کے اسباب پر بحث ہوتی تھی ، بعض فوجی افسر جنگ مین شرکت کی ساری ذمہ داری انور پاشا پر ڈالتے تھے اور انور پاشا سے سخت نفرت رکھتے تھے بعض علی الاعلان جرمنی کو گالیان دیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ ہم مین کسی ذمہ داری کے کام کی کوئی صلاحیت ہی نہین ہے ان

لوگون مین ایک اور نوجوان فوجی افسر بھی تھا جو سب سے جداگانہ رائے رکھتا تھا، اس کا نام "سیفی" تھا اس کا
اب تک یہ اعتقاد تھا کہ ہم فتح حاصل کرین گے اور عنقریب کامیاب ہونگے یہ نوجوان اپنے دوستون کو قدیم
دانیال اور صحرائے سینا کی جنگون کے وہ فوق العادت کارنامے سناتا جو ترکون نے وہان دکھائے تھے اور
ظاہر کرتا کہ ترک کبھی اپنی شکست سے ہمت ہار کر نہ بیٹھین گے اور کامیابی حاصل کرنے کی دوبارہ کوشش کرینگے
ان تمام لوگون مین صرف مین ایک ایسا شخص تھا جو اس قسم کی بحث و گفتگو سے نقصان کو محسوس کرتا
تھا اور قلب مین ایک الجھن سی ہوتی تھی اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مین ترکی شکست کے اسباب سے ناواقف
تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ ابتدا مین تمام مواقع پر ترکون نے فتوحات حاصل کر کے آخر مین شکست کیون پائی

جن دنون مین میری زندگی کا نیا دور شروع ہوا ان ایام مین ایک عجیب دردناک واقعہ پیش آیا
جو مجھکو ہمیشہ یاد رہے گا، جمال روزانہ مدرسہ ارکان حرب مین جایا کرتا تھا اور وہان سے واپسی مین دفتر
وزارت خارجہ سے مجھ کو ساتھ لے لیا کرتا تھا، ایک روز حسب معمول جمال آیا اور مجھ سے کہا:

آؤ آج میدان بایزید کی طرف چلین مطلع صاف ہے اور منظر دلفریب ہے۔

اس روز جمال کچھ پریشان سا تھا چہرہ پر تکدر کے آثار اور پیشانی پر بل نمایان تھے گویا وہ ان امور پر غور
کر رہا تھا کہ جو مصائب ہم پر نازل ہوئے ہین ان کا سبب کیا ہے۔ کچھ تامل کے بعد اس نے کہا:

اگر ہماری حکومت جمہوری ہوتی تو کبھی ہم اس مصیبت مین مبتلا نہ ہوتے۔

جمال کی زبان سے اچانک یہ الفاظ سنکر مین حیران رہ گیا اور ظرافت کے طور پر کہا۔

اگر تم شاہی خاندان کے طلبا سے جو تمھارے ہم سبق ہین اس معاملہ پر مشورہ لو تو وہ تم کو کیا رائے دین۔

میرے الفاظ کا جمال نے کوئی جواب نہین دیا اور برابر آگے بڑھتا رہا یہان تک کہ جب ہم وزارت حربیہ کے
سامنے سے گذرے تو جمال رک گیا گویا وہ آگے جانا اب پسند نہین کرتا اور کہا۔

پیارے سامی مین چاہتا ہون کہ مرجان کے نشیب سے ہم چلین۔

تھوڑی دیر جمال نے توقف کیا کیونکہ وزارت حربیہ کے اندر سے ایک فوجی افسر آ رہا تھا اور جمال نے اس کو
دیکھ لیا تھا یہ فوجی افسر ایک استنبولی جوان تھا جس کے پاؤن مین چکدار و چست، بوٹ جوتہ اور سر پر ترچھی ترکی
ٹوپی تھی، جمال کے قریب پہنچکر یہ فوجی افسر قدرے تعظیماً جھکا اور دستانہ اتار کر جمال سے ہاتھ ملایا جمال نے دریافت کیا

احسان کہان سے آ رہے ہو۔

احسان نے جواب دیا جمال اس وقت میں تیسرے فلیٹ (زمینی رستہ یا ڈگ ڈن) سے آرہا ہوں۔

جمال نے احسان سے مجھکو ملایا اور تھوڑی دیر تک ہم کھڑے باتیں کرتے رہے گفتگو کا موضوع وہی بلقانیہ کا التوائے جنگ اور صلح تھا چند منٹ کے بعد ہم نے ارادہ ہی کیا تھا کہ احسان سے رخصت ہو کر آگے بڑھیں کہ جمال و احسان ایک طرف کان لگا کر کچھ سننے لگے اور بے اطمینانی کے لہجہ میں دونوں نے ہم زبان ہو کر کہا۔

انگریزی ہوائی جہاز آرہے ہیں آؤ وزارت جنگ کے منطقہ سے ہم دور نکل جائیں تاکہ خطرہ سے محفوظ رہیں۔

مرجان کے راستہ پر ہم لوگ تیزی سے آگے بڑھے اس وقت میری عجیب حالت تھی تمام جسم کانپ رہا تھا دل دھڑک رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا میری پشت کی ہڈیاں پگھل رہی ہیں لیکن پھر بھی میں نے اپنی حالت کو چھپایا اور تیزی سے اپنے ساتھیوں کے پیچھے ہولیا۔ تھوڑی دیر میں ہم نشیب سے گذر گئے میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم میں سے کون سب کے آگے تھا اور کس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے، لوگ تیزی سے راستوں پر دوڑ رہے تھے۔ پھیری والے سراسیمہ اپنی اپنی گٹھریوں کو لئے نشیب میں جا رہے تھے اور کچھ عورتیں اپنے بچوں کو گھسیٹتی ہوئی تیزی سے چلی جا رہی تھیں، مختصر یہ کہ ایک ہنگامہ محشر بپا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ لوگوں میں اضطراب و پریشانی بہت بڑھ گئی اور بھاگ بھاگ کر وہ محفوظ جگہ میں جمع ہونے لگے یکایک ہم نے دیکھا کہ پانچ ہوائی جہاز آئے اور زمین سے قریب ہونے لگے اور پھر انھوں نے گولہ باری شروع کی ان جہازوں سے گولیاں اس طرح برس رہی تھیں جس طرح برف گرتی ہے یا بارش کے ساتھ اولہ گرتا ہے۔

تھوڑی دیر میں سارا میدان دھوئیں سے سیاہ ہو گیا اور بہت سے آدمی آپس میں گھبرا کے آپس میں ٹکرا گئے اور دیر تک ٹھوکریں کھاتے رہے۔ مجھ پر بدحواسی طاری تھی اور جسم کی قوت جواب دے چکی تھی آخر میں ایک دوکان کے دروازہ سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا اور محسوس کیا کہ میری دونوں ٹانگیں اور پشت کی ہڈیاں پتھر ہو کر رہ گئی ہیں اور ان میں بالکل حس و حرکت نہیں ہے۔

چند منٹ کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ وزارت حربیہ پر ہوائی جہازوں سے گولہ باری کی جا رہی ہے۔ پھر دیکھا کہ زمین پر شکستہ عمارات کے ڈھیر پڑے ہیں اور بہت سے وہ آدمی جو بھاگ نہ سکے تھے زخمی پڑے ہیں کہیں کسی کے بازو پڑے ہیں کہیں سر اور ٹانگیں ہیں جن سے خون بہ رہا ہے۔ یکایک میری نظر سڑک کے کنارے اس عورت کے بچہ کی نعش پر پڑی جسکو وہ گھسیٹتی ہوئی تیزی سے لئے جا رہی تھی بچہ خاک و خون میں آغشتہ زمین پر پڑا تھا اور عورت اس کے قریب کھڑی دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹ رہی تھی۔ پھر میں نے

ایک بوڑھی ارمنی عورت کو دیکھا جس کے سفید بال تھے اور سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھی اس عورت کے جسم کا نصف حصہ سڑک پر پڑا تھا اور دوسرا نصف ایک چبوترہ پہ اس کے قریب ہی ایک قلی پڑا تھا جسکا سینہ کھلا ہوا تھا اور سینہ پر بڑے بڑے بال تھے اور خون سینہ سے بہ رہا تھا - میں آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور خاک و خون میں آغشتہ نعشوں کا منظر میرے سامنے تھا اس منظر نے میری طبیعت پہ بُرا اثر ڈالا اور میں نے محسوس کیا کہ مجھے استفراغ ہونیوالا ہے، کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے خون کی نہریں اس طرح جاری دیکھی تھیں -

جمال اور احسان مطمئن تھے اور ان میں سے ایک معورت کے بچہ - کی نعش کے قریب کھڑا تھا اور دوسرا اُن لوگوں کو مدد دے رہا تھا جو مجروح قلی کو اُٹھا کر طبی امداد پہنچانے کے لئے گاڑی میں ڈال رہے تھے - تھوڑی دیر میں جمال نے میرے شانہ پہ ہاتھ رکھا اور کہا -

پیامی؟ دیکھو تمھارے کپڑے خراب ہو رہے ہیں -

میں نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ احسان بھی میرے قریب آ گیا ہو اُس کے چہرے سے استقلال نمایاں ہے اور وہ ہماری جانب غور سے دیکھ رہا ہے میں نے جمال کی طرف دیکھکر کہا -

جمال میرا خیال ہو کہ مجھ پر خوف طاری ہو گیا ہو -

جمال نے مُسکرا کر کہا -

اور یہی حالت میری بھی ہو -

جمال کے الفاظ سُنکر میرے قلب میں جمال کی محبت بہت زیادہ ہو گئی کیونکہ میں نے زندگی کے اسباق میں یہ پڑھا تھا کہ جو شخص بہت زیادہ ڈرپوک ہوتا ہو وہی سب سے زیادہ شجاعت کا دعویٰ کرتا ہے - مختصر یہ کہ دونوں سپاہیوں (جمال اور احسان) نے میری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے اور میں اُن کو پکڑ کر آگے بڑھا پھر ہم سب گویا موت کے درمیان سے گذرے اور خدا خدا کر کے وہ راستہ طے کیا اس کے بعد ہم گاڑی پر سوار ہو کر آستانہ کے پورہ میں کنارہ پر آئے اور ہماری گویا جان میں جان آئی لوگ جمال و احسان کی طرف حیرت انگیز نظروں سے دیکھ رہے تھے اور جمال و احسان بشاشت و مسرت کے ساتھ لوگوں سے ملتے تھے اگرچہ اُن کے چہروں سے کسی قدر تلخی و ناگواری محسوس ہوتی تھی - گاڑی سے اُتر کر احسان نے کہا چلو قہوہ خانہ توبون میں چلکر چا پئیں - رات کا کھانا ہم نے بک اوغلی میں کھایا اور تھوڑی رات بتہ باشی میں گذاری - پھر ہم رات ہی کو نیم بیہوشی کی سی حالت میں اپنے گھروں کو چلے آئے -

مین ان باتون کو بیان کیون لکھے رہا ہون حالانکہ ان کا تعلق نہ اُن لوگون سے ہے جنکا تذکرہ مین لکھ رہا ہون اور نہ میرے واقعات زندگی سے یہ باتین کچھ تعلق رکھتی ہین ۔

۴ نومبر ۱۹۲۱ء

آج صبح مین نے اُس سپاہی کی طرف جو میری خدمت پہ متعین تھا دیکھکر کہا ۔

سالم مین دھوپ مین بیٹھنا چاہتا ہون ۔

سالم کی نیلگون آنکھون مین میرے الفاظ سنکر آنسو بھر آئے اور اُسنے کہا ۔

میرے آقا مین آپکو دھوپ مین لیجاؤن گا ۔

میرے لئے کس قدر یہ امر موجب مسّرت وخوشی ہو کہ میری خدمت کے لئے ایک ہمدرد سپاہی مقرر کیا گیا ہے اسوقت بجز اس سپاہی کے نہ تو میرا کوئی یار ومددگار تھا اور نہ شناسا ، میری دونون ٹانگین کاٹ ڈالی گئی ہین اور اب تھوڑے وقفہ کے بعد وہ (شفاخانہ کے ڈاکٹر) میرے دماغ پر بھی عمل جرّاحی کرینگے ۔ مجھے خطرہ ہے کہ یہ عمل جراحی کہین میرا خاتمہ نہ کر دے لیکن اگر مین عمل جرّاحی کے بعد زندہ بھی بچا تو زندگی میرے لئے کس حد تک خوشگوار ہوسکتی ہو کیونکہ اس وقت مین دُنیا مین تنہا ہون نہ تو میرا کوئی انیس وہمدرد ہو اور نہ کوئی شناسا البتہ میری ماں ہاں وزارت خارجہ کے ایک عہدہ دار کی ماں آستانہ مین موجود ہو لیکن اب تو مین وزارت خارجہ کے منصب دار کے بجائے ایک سپاہی ہون جس کی دونون ٹانگین نہر سقاریہ کے کنارہ ضائع ہوچکی ہین اور گولی نے جس کے سر کو توڑ دیا ہے اگر آج میرا سپاہی خادم مجھے چھوڑ کر چلا جائے تو پھر دُنیا مین میرا کوئی پوچھنے والا بھی باقی نہ رہیگا ۔

لیکن مین ان باتون کا خیال کیون کر رہا ہون ؟ کیا سالم میری خدمت کے لئے موجود نہین ہو ؟ مین اُسکی سکائی کالی گردن مین اپنے دونون ہاتھون کو حائل کر دیتا ہون اور وہ اسی طرح مجھکو اُٹھا کر جس طرح ایام طفلی مین میری ماں مجھے گود مین لیا کرتی تھی پلنگ پر لیجاتا ہو اور مجھے خواب راحت کا لطف اُٹھانے کے لئے لٹا دیتا ہے اگر خداوند تعالی نے آئندہ مجھے دُنیا مین زندگی کے مصائب برداشت کرنے کے لئے کچھ عرصہ باقی رکھا تو مین سالم کی گردن مین اپنے دونون ہاتھون کو حائل کردون گا اور رو رو کر اُس سے کہون گا سالم ؟ دُنیا مین جو چیز میری ملکیت ہو وہ مین سب تیرے حوالہ کرتا ہون تو مجھے اپنے گاؤن کے جھونپڑے مین لے چل تاکہ مین تیرے ساتھ

رہون اور تجھ سے جُدا نہ ہون۔

پھر اگر میری زندگی نے زیادہ طوالت اختیار کی اور میرے دل و دماغ مین ایام قدیم کی باتون نے ہجوم کیا تو مین عالم آخرت کا انتظار نہ کرونگا اور جو اسرار میرے قلب مین محفوظ ہین اُن کو مین سالم سے بیان کردونگا اور کیون اُس کو ان اسرار سے آگاہ نہ کرون کیا اُس سے زیادہ اسوقت میرا اور کوئی عزیز دوست ہے - ہان مین اُس سے بے تکلف عائشہ، جمال، احسان اور دوسرے لڑکون کا قصہ بیان کردونگا۔

مین انھین خیالات مین غلطان و پیچان تھا کہ سالم میرے کمرہ مین داخل ہوا اور میرا بستر ایک ایسے کمرہ مین بچھا دیا جسمین پتھر کا فرش تھا اور دھوپ خوب پھیلی ہوئی تھی پھر وہ مجھکو گود مین اُٹھا کر لے گیا اور دھوپ مین بستر پر مجھے لٹا دیا - دھوپ مین - مین دیر تک سوتا رہا پھر سالم نے مجھے میرے کمرہ مین پہنچا دیا - میرا کمرہ چونکہ بہت ٹھنڈا ہے اس لئے سالم نے مجھے گرم کپڑون مین لپیٹ دیا، جس طرح بچون کو لٹا کر گرم کپڑون مین لپیٹ دیتے ہین، اب مین اپنی خوابگاہ یا بستر استراحت پر ہون میرے سرہانے لیمپ جل رہا ہے قلم و کاغذ میرے ہاتھ مین ہے اور مین غیر معمولی سکینت و طمانیت کو محسوس کر رہا ہون۔

مین کہان سے کہان پہنچ گیا، ہان تو اُس روز سے جس روز کہ ہوائی جہازون کا واقعہ پیش آیا ہے میرے دل مین احسان کی محبت نے بھی جگہ کر لی، احسان اور جمال کے درمیان تعلقات محبت کچھ زیادہ گہرے نہ تھے لیکن دونون مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے اور یہ اتحاد ثلاثہ اتنا مضبوط ہو گیا تھا کہ کوئی ایک دوسرے سے جُدا ہونا نہین چاہتا تھا، احسان کا خاندان بھی دمشق کے ممتاز و قدیم خاندانون مین سے تھا اور بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ احسان کے خاندان والون اور میری مان کے درمیان دوستانہ تعلقات ہین، احسان کی مان اگرچہ متمدن خاتونون مین سے تھی لیکن وہ مردون سے گفتگو نہ کرتی تھی گویا یون کہنا چاہیے کہ احسان کا خاندان اُن خاندانون مین سے تھا جن مین بالجملہ کی قدیم روایات جاری تھین اور وہ نہایت صاف ستھرے رہتے تھے اور اخلاق اُن کا نہایت وسیع تھا۔

احسان اور جمال مین بڑا فرق یہ تھا کہ احسان بہت کم گو تھا، جمال کبھی کبھی اُسکو چھیڑنے کے لئے استنبول کے رہنے والون کی معاشرت و تمدن وغیرہ پر اعتراض کیا کرتا تھا لیکن احسان ان باتون کا کوئی جواب نہ دیتا تھا، احسان کا سکوت اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خوش اخلاق اور چشم پوشی کر جانے والا شخص تھا بلکہ اسکا سبب یہ تھا کہ احسان کے قلب مین ایک خاص احساس تھا جسپر اس قسم کی باتین موثر نہ ہوتی تھین

احسان فطرتاً قوی الجثہ تھا منہ کا چھوٹا سا دہانہ اور رخساروں پر کہیں کہیں جھریاں تھیں ناک لمبی اور خوبصورت تھی سفید خوشنما دانت تیز نظر اور چمکتی چپٹی آنکھیں تھیں بالکل ایسی آنکھیں جیسی کہ بعض قدیم تصویروں میں دیکھی گئی ہیں میں محسوس کرتا تھا کہ یہ یورپین فیشن نہ تھا نہ فوجی افسر احسان کی ہی خاص نگاہ میں تھا کہ جہاں کسی ایسے خاص ذکر میں جو اُس کی شخصیت سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کے متعلق احسان نے اپنی زبان سے کبھی ایک حرف بھی بیان نہیں کیا۔

مختصر یہ کہ احسان ان عثمانی افسروں کا ایک نمونہ تھا جو ہمیشہ اپنے قلب میں یہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ اپنے عزیزوں قریبوں اور دوستوں کو راحت پہنچائیں میں نے اس موقع پر عثمانی افسر کا لفظ استعمال کیا ہے اور ترکی افسر نہیں کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نوجوان ترک جس نے دنیا میں ابھی قدم رکھا ہے اور ترکی افسر بنا ہے لوگوں کی مزاحمت میں بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور اُس کے بازو مزاحمت کے لیے بہت طاقتور ہوتے ہیں وہ نہ تو متلاطم امواج کی پروا کرتا ہے اور نہ سخت حوادث کی بلکہ وہ نہایت بے خوف اور اپنے مطالب و خواہشات پر مضبوط ہوتا ہے۔

احسان کے ذمہ عثمانی سپاہ میں کوئی مخصوص کام نہ تھا بلکہ وہ محض تقاضائے شرافت و غیرت سامان جنگ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا کرتا تھا اور کوئی نام و نمود کی خواہش یا اعزاز کی آرزو اُسکو نہ تھی البتہ ایک حد تک وہ اپنے کام پر نازاں ضرور تھا۔ احسان باوجودیکہ ترکوں کے قہوہ خانہ کو پسند کرتا تھا لیکن ایں ہمہ وہ ہماری خاطر سے "روسر کچی" کے ہوٹل میں بھی جو جمال کو بہت پسند تھا اکثر چلا جاتا تھا اور ہم سب وہاں بیٹھکر قہوہ یا چائے پیا کرتے تھے پھر ہم وہاں سے آپس میں بات چیت کرتے ہوئے غلطہ کے پل سے گذرتے تھے، میں دل سے اس امر کو چاہتا تھا کہ احسان اور جمال دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں اور ان کے دوستانہ تعلقات یگانگت کا رنگ اختیار کریں کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا تھا کہ احسان اور جمال صرف میری وجہ سے باہم ملتے ہیں اور یہ خیال میرے دماغ میں غرور کا جذبہ پیدا کر دیتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ اناطولی نوجوان یعنی جمال باوجود نوعمر ہونے کے احسان سے زیادہ ہوشیار اور بذلہ گو تھا، اور اُس نے اپنی دانشمندی و ذکاوت کی بدولت ایک حد تک احسان پر قابو پالیا تھا اگرچہ اس وقت تک اسکا ظہور نہیں ہوا تھا میرے قلب میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا تھا کہ کیا جمال اور احسان اسقدر مختلف طبائع رکھتے ہیں کہ ایک طرح آپس میں اتحاد و یگانگت نہیں ہو سکتی یا وہ دونوں دینار کی طرح دو مختلف شکلیں رکھتے ہیں جن میں سے

جو ایک دوسرے کی ضد ہے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ ایک دوسرے کا تتمہ یا کامل کرنے والا تھا کیا کوئی ایسی زبردست قوت اُن میں موجود نہ تھی کہ دونوں کو متحدہ طور پہ کام کرنے کے قابل بنا دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے جذبات کو محسوس کرنے لگتے۔

مجھے یہ واقعہ خوب یاد ہے کہ التوائے جنگ کے تیسرے روز ہم تینوں بالعالی کی سڑک سے گذر رہے تھے راستوں اور کوچہ و بازار میں سکوت چھایا ہوا تھا اور لوگوں کے چہروں سے ہم اُس حزن و ملال کو نمایاں طور پہ محسوس کر رہے تھے جسکو وہ اپنے قلوب میں چھپائے ہوئے تھے آخر اس کی کیا وجہ تھی کیا یہ لوگ جنگ کو منحوس خیال کرتے تھے یا جنگ نے ان کو پژمردہ کر دیا تھا وہ کس چیز کے غم میں مبتلا تھے کیا اُن لوگوں کے ضائع ہونے کا اُن کو رنج تھا جن کا خون جنگ میں بے فائدہ بہا دیا گیا!..........

اُس روز شام کو ہمنے چار وغیرہ نہیں پی، اس احساس نے ہماری زبانوں پہ قفل لگا دیا تھا اور ہم خاموش چلے جا رہے تھے جب ہم قصر مشکلاش کے سامنے پہنچے تو ہماری نظر دول حلفاء کے بڑے بڑے آہن پوش جہازوں پہ پڑی جو نیلگوں پانی کی سطح پہ محو خرام تھے جمال نے اپنا ہاتھ پیشانی پہ رکھ لیا اُس کی ابروئیں تن گئیں اُس کے چہرہ پہ زردی چھاگئی اور وہ ساحل دریا کی طرف بڑھنے لگا، احسان کے چہرہ کا رنگ بھی اسوقت زرد تھا اور جمال سے زیادہ زرد تھا، لیکن احسان میں ضبط کی طاقت جمال سے زیادہ تھی، وہ بھی جمال کے پیچھے ہولیا اور میں بھی اُسکے نقش قدم پہ ساحل پہ پہنچکر ہم نے دیکھا کہ آہن پوش جہازوں پہ غیر ملکی جھنڈے لہرا رہے ہیں، وہ باسفورس کی نیلگوں سطح پہ محو خرام ہیں اور پانی کے جھاگ کناروں پہ جمع ہیں آہ یہ وقت ہمپر کسقدر گراں تھا اور ہم اس کی طوالت سے تکلیف پا رہے تھے۔

ہمارے گرد و پیش اس علاقہ میں نہ تو حس و حرکت تھی اور نہ کوئی آدمی نظر آتا تھا، ہم خاموش کھڑے تھے اور ہمارے کانوں میں ایک آواز سی گونج رہی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اطراف غلطہ یا توپخانہ سے یہ آواز آ رہی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی آواز نہ تھی بلکہ دل کی دھڑکن تھی جسکو میں اپنے کانوں سے سن رہا تھا یا میرے دوست فوجی افسروں کے زخم آلے ہوگئے تھے اور میں اُن کے کراہنے کی آواز سن رہا تھا۔ پھر میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا اُن شہداء کی روحیں میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہیں جو یورپ کی جنگ عظیم میں مارے گئے ہیں۔

جمال نے اپنی حسرت بھری آنکھوں سے آہن پوش جہازوں کو دیکھا اور ایک ایسے شخص کی مانند جو خواب میں باتیں کر رہا ہو اُس نے کہا۔ "کیا ان جہازوں کو روکنے کے لئے ہم نے دردانیال پر جنگ نہیں کی تھی اور

کیا اس جنگ میں ایک ایک گھنٹہ کے اندر بیسیوں سپاہی [illegible] ہو گئے تھے۔

احسان نے جواب دیا نہیں تم بھولتے ہو ۔ وہ دو دن [illegible] اور پاسفورس [illegible]

یکایک ہماری نظر ایک اطالوی سپاہی پر پڑی [illegible] اور وہ پیچھے [illegible] بہت [illegible] ہوئی تھی اور اسکی ٹانگوں میں ٹوٹی اور خراب دستے تھے پاؤں میں [illegible] بہرحال جنگ کے [illegible] کی نسبت زیادہ تھا احسان اور جمال اس سپاہی کی طرف متوجہ ہو گئے [illegible] اسوقت [illegible] آدمی ایک فوج کے جمع ہو گئے ہیں اور وہ اگرچہ دیکھنے میں تو تین ہیں لیکن بجائے خود ایک ہو گئے ہیں اور اگرچہ اسوقت وہ متحد نہیں رہا لیکن انکی نگاہیں اب بھی متحد ہیں۔

تینوں سپاہیوں نے فوجی قاعدہ سے اپنے سروں کو تعظیماً خم کیا اور پھر باہم گفتگو شروع ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ ان میں کیا باتیں ہوئیں۔ میں اگرچہ قریب ہی کھڑا تھا لیکن ان کی باتوں کا مفہوم معلوم نہ کر سکا البتہ اتنا میں نے ضرور محسوس کیا کہ وہ تینوں کسی عجیب و غریب اور مقدس مذہب کے حلقہ بگوش ہیں جس کا نہ ظاہر ہیں منکر ہوں پھر میں ان سے ہٹکر ساحل کی طرف چلا گیا اور ایک بیگانہ شخص کی مانند ساحل پہ ٹہلنے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اسوقت ان فوجی افسروں کی گفتگو میں شریک نہ ہونے اور ان کے مقدس فوجی کاموں سے محروم رہنے کا رنج و الم محسوس کیا اور اسی وقت سے مجھے زخموں ۔ خون اور موت سے محبت ہو گئی، اور ان چیزوں کی عظمت نے میرے دل میں گھر کر لیا جسوقت یہ جذبات میرے قلب میں پیدا ہو رہے تھے اس وقت میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ فاتح فولادی جنگی جہاز جو باسفورس میں دول حلفاء نے کھڑے کر رکھے ہیں میری نظر میں ان تینوں فوجی افسروں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت و وقعت نہیں رکھتے چند منٹ کے بعد میں نے پلٹ کر اپنے فوجی دوستوں کو دیکھا، تینوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے، اور باتیں کر رہے تھے۔

اس واقعہ کی یاد نے میرے قلب میں اسوقت جوش پیدا کر دیا ہے اور بے اختیار میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں جو میں نے جمال اور احسان کی روحوں کو مخاطب کر کے کہے ہیں۔

جمال اور احسان آؤ اور دیکھو کہ میری دونوں ٹانگیں کس طرح کٹ گئیں اور میرا دماغ کیونکر پاش پاش ہو گیا، تمہاری محبت کی یاد میں میں ایک کمزور ستون کی مانند تھا آہ اس دنیا سے تم مجھے اس حال میں چھوڑ کر بغیر کیونکر چلے گئے ہاں آؤ اور دیکھو کہ میں بھی قومی جھنڈے شرف و عزت اور وطنی ناموس [illegible]

زخمی ہوکر دنیا سے رخصت ہو رہا ہون۔

میرے خادم سالم نے جب مجھے بہت پریشان اور غمزدہ دیکھا تو کچھ دنیا ایک مسکن دوائی جو درد اور تکلیف میں استعمال کی جاتی ہے کے عرق سے میرے سر کو تر کر دیا اور پھر میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جو گویا زبان حال سے یہ کہہ رہی تھین۔

میرے آقا رو و نہین آپ کی آنکھین نہایت مبارک ہین کہ انھون نے شہادت کی نعمت حاصل کی ہے۔

مین نے سالم کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے کر اسکو اپنی طرف کھینچ لیا اور اُس کی آنکھون مین آنکھین ڈالکر مین نے دریافت کیا۔

سالم اگر تمھاری دونون آنکھین ضائع ہوجائین تو کیا تمھاری منگیتر فاطمہ تم سے زیادہ محبت کرنے لگے گی۔

سالم نے میرے الفاظ سنکر حیرت سے میری طرف دیکھا گویا اُس نے میرے سوال کو سمجھا نہین لیکن فوراً ہی اُس کی حیرت جاتی رہی اور اُسنے کہا۔

کیا اسوقت جناب کو اپنی منگیتر کی یاد ستا رہی ہے۔

مین نے سالم کے مُنہ پہ ہاتھ رکھ دیا اور اُسکو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور معًا میرا سر چکرانے لگا، قدرت نے جو آتشین پیراہن مجھے پہنایا ہے دیکھئے وہ کیونکر میری روح پر اثر کر رہا ہے۔ پھر اس پیراہن کی سرخی کیونکر میری آنکھون اور زبان سے ظاہر ہو رہی ہے۔

---
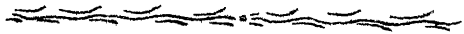
۵ نومبر ۱۹۲۱ء

آسمان پر کالی گھٹائین چھائی ہوئی ہین اور آج مین اپنے سر مین تکان و تکلیف زیادہ محسوس کر رہا ہون میرا دل دھڑک رہا ہے گویا بجلی کی ایک رو ہے جو میرے جسم مین ساری و جاری ہے اسوقت اگرچہ مین آرام و راحت کا خواستگار ہون لیکن با این ہمہ مین اپنے قلب مین ایک خفیف سی گدگدی بھی محسوس کر رہا ہون جسنے بے اختیار میرے ہونٹون پر مُسکراہٹ پیدا کر دی ہے اسوقت مجھے آستانہ کے وہ ابتدائی ایام یاد آ رہے ہین جو التوائے جنگ کے بعد گذرے ہین انھین ایام مین ایک روز ہمارے گھر مین قہوہ خانہ مسرۃ کے دوستون کا اجتماع ہوا اور باتفاق لائے اس جماعت نے یہ قرار دیا کہ ہم لوگ بھی پروپگنڈا (تبلیغ و اشاعت) کے کام مین اعانت کرین جمال ان سب لوگون مین زیادہ سخت اور پروپگنڈا کا سرگرم حامی تھا اور اُس کا اعتقاد

تھا کہ پروپیگنڈا بہت زیادہ مفید نتائج پیدا کریگا لیکن احسان کی رائے اجمال کے خلاف تھی۔ وہ پروپیگنڈا کے کام کو زیادہ مفید خیال نہ کرتا تھا اور اس کے نتائج سے مایوس تھا لیکن بایں ہمہ وہ کام میں اپنے دوستوں کے ساتھ شریک رہنے سے انکاری نہ تھا اور اُن کے ساتھ برابر یہ کام کرتا تھا، اُن ایام میں واقعی ہمارا یہ خیال تھا کہ پروپیگنڈا ہمارے قومی مرض کا بہترین علاج اور موثر دوا ہے اور اسپر ہمارا کامل اعتقاد تھا۔ اب میں اُن ایام کے واقعات لکھتا ہوں مجھے اسوقت وہ واقعات یاد آرہے ہیں اور اُن کے اثر سے لرزہ میرے جسم پر طاری ہے اصل یہ ہے کہ ساری دُنیا کی انسانیت نے ہماری پیشانی پر ایک بدنما داغ لگا دیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم وہ ہیں جنھوں نے ارمنوں کو ذبح کیا ہے۔ ہم تمدن و تہذیب کے دشمن ہیں اور جرمنی کے حلیف ہیں جو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور ہم ایسے وحشی ظالم و خونخوار ہیں کہ ہمارے وجود کو صفحۂ ہستی سے معدوم کر دینا تہذیب و انسانیت کا فرض ہے۔

اگرچہ ہر طرف مایوسی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس زمانہ میں ہم پر مایوسی طاری نہ تھی اور ہم اپنے آپ کو تازہ دم اور شگفتہ پھولوں کی طرح سمجھتے تھے اور بچوں کی مانند پاک و صاف اور بے فکر روح اپنے میں پاتے تھے، ہمنے قرار دیا کہ ہم متمدن دُنیا کی غلط فہمیوں اور سوءِ ظن کو دُور کرینگے اور دُنیا کی رائے کو پلٹ دینگے۔ ہمارا خیال تھا کہ جب ہم دُنیا کے سامنے اس قسم کے دلائل و شہادات پیش کرینگے کہ ہم ظالم و خونخوار نہیں ہیں اور یہ کہ ہماری نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے وہ بالکل کذب و افترا ہے تو یورپ ہمارے حق کو تسلیم کر لیگا۔ اور ہمکو اُن الزامات سے بری قرار دیگا جو ہم پر لگائے گئے ہیں اور ہم اپنے حق کو بھی ایک ایسی معتدل صورت میں پیش کرینگے جسکا قبول کر لینا ممکن ہوگا۔ پھر ہمنے قرار دیا کہ ترکی اخبارات و رسائل اس موضوع پر زبردست مضامین لکھیں اور ہم ان مضامین کا ترجمہ غیر مُلکی زبانوں میں کر کے یورپ کے اخبارات کو اشاعت کے لئے روانہ کریں اور پھر ہم اُن غیر مُلکی لوگوں سے جا کر جو آستانہ میں آئیں یورپ کے اخبارات کے اُن مضامین کو سُنائیں۔

ہمارے نوجوانوں میں سے ہر ایک غیر مُلکی اخبارات کے نامہ نگاروں کی جستجو میں لگا رہتا تھا اور ترکی خواتین اُن غیر مُلکی لوگوں سے جو آستانہ میں مقیم تھے اور جن سے اُن کے شوہروں یا بھائیوں کی شناسائی و ملاقات تھی جا جا کر ملتی تھیں اور اُن کو حقائق سے آگاہ کیا جاتا تھا اگرچہ آستانہ میں مختلف عناصر اور بہت سی مخالف پارٹیاں تھیں لیکن بایں ہمہ پروپیگنڈا کے کام کو سب نے اپنا فرض قرار دے لیا تھا۔

میری ماں کا مکان محلہ شِشلی میں چونکہ سب سے زیادہ وسیع اور جائے وقوع کے لحاظ سے آبادی کے اندر تھا اور پروپیگنڈا کے کام کے لئے ہر طرح موزوں و مناسب۔ اس لئے اُسکو پروپیگنڈا کا مرکز قرار دیا گیا تھا۔

تھے [illegible] ان ایام میں [illegible] تمام [illegible] شغل [illegible]
[illegible] کرتے تھے [illegible] تھے [illegible] میں مصروف تھے [illegible]
[illegible] اور [illegible] تھے اور [illegible] کسی [illegible] جاننا ہو۔

ان ایام میں ہماری جماعت میں سے کسی ایک شخص کو بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ہماری تمام جد و جہد تحریر یہ ہماری تک کہ اخبارات بھی جو جائز و ناجائز طریقہ پر ہر ایک معاملہ میں مخالفت کیا کرتے تھے اس تحریک میں ہمارے ساتھ تھے اور ہم سے متفق الرائے۔ صرف وہ لوگ اس تحریک میں ہم سے علیحدہ تھے جن کو التوائے جنگ کے بعد اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ ترک نہیں ہیں یہ لوگ اس تحریک میں کسی حیثیت سے بھی ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ وہ اپنے آرمنی اور رومی بھائیوں کے ساتھ ایک اور تحریک میں شریک تھے یعنی ہماری تحریک کے خلاف تبلیغ و اشاعت۔ مختصر یہ کہ ان ایام میں ہر گھر کے اندر اور ہر مجمع میں اسی قسم کی گفتگو ہوتی تھی اور ہر شخص پروپیگنڈا کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرتا تھا۔

آج میں ان ایام کی تحریک پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان ایام میں جو کچھ کر رہے تھے وہ غیروں کو اطمینان دلانے کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اپنے آپ کو خوش کرنے اور دل بہلانے کے لئے تھا جو جوش ہم میں پیدا ہوتا تھا اور وہیں پر ختم ہو جاتا تھا۔

فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں جو پروپیگنڈا ہم کر رہے تھے اس کی کیفیت یہ تھی کہ جو امور ہمارے مفید مطلب ہوتے تھے وہ یورپ میں تو کجا خود آستانہ میں شائع نہیں ہو سکتے تھے با ایں ہمہ آستانہ کے اخبارات میں اگر کچھ مضامین شائع ہو جاتے تھے تو وہ سنسر (محکمۂ احتساب) کے سخت گیر ہاتھوں سے نکل کر شائع ہوتے تھے اور ان کی حالت ایسی ہوتی تھی جیسی کہ کسی بڑھیا کے سارے دانت گر چکے ہوں یعنی مضمون کے اندر سے سطروں کی سطریں غائب ہوتی تھیں اور نقطے لگے ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مضامین سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ پروپیگنڈا کی وہ صورت جو ہم نے اختیار کی تھی زبردست وقار، متانت اور بلند درجہ کو چاہتی تھی اور ہم نہایت بلند پایہ اور سنجیدہ طریقہ پر پروپیگنڈا کرنا چاہتے تھے آخر ہم نے اس امر پر اتفاق کیا کہ ہم جمع ہو کر ان اتہامات و الزامات اور جرائم پر نظر ڈالیں جو ہماری طرف منسوب کئے جاتے ہیں ہم ان اتہامات

میں سے اہم پر بحث کرتے اور پُر زور تقریریں کرتے تھے اور پھر منتشر ہو کر جاتیں وہیں چلے آتے تھے اور منتشر ہو کے اجتماع - بحث و گفتگو اور تقریروں کا اثر یہ تھا یہ فیصلہ کر لیتے تھے کہ گویا ہم نے ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور تمام دنیا نے ہمارے احتجاج کو سن لیا ہے اور ہمارے انتظام کر کے اس نے ہمارے حقوق کو تسلیم کر لیا ہے اور جس قدر ہمکو اس امر کا زیادہ یقین ہوتا جاتا تھا کہ ہمارا مطالبہ حق و درست ہے اور ساتھ ہی ہم کو اپنے اپنے احساس و شعور کی قوت کا اندازہ ہوتا جاتا تھا اسی قدر ہمارا یہ خیال پختہ ہوتا جاتا تھا کہ دنیا کو ہمارے جذبات کا کافی علم ہو گیا ہے اور وہ ہمارے حقوق کو تسلیم کرنے لگی ہے

یہ مختصر خاکہ ہے ہمارے اس پروپیگنڈا کا جو اگرچہ بشکل ایک بچپن کا کھیل تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آزادی کی جنگ میں جو مصائب برداشت کئے ہیں ان کا تحمل صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ ہم اپنے نفس کو موت پر آمادہ کر لیتے اور نفس چونکہ موت پر بہت مشکل سے آمادہ ہوتا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس کو مضبوط بنایا جائے اور مضبوط بنانے کی صرف یہی صورت تھی کہ ہم اپنے حق اور اپنی قوت پر کافی اعتماد رکھتے - ہمارے پروپیگنڈا کی تحریک سے کم از کم یہ بات ضرور حاصل ہو گئی تھی کہ ہم کو اپنے حق اور اپنی قوت پر پورا بھروسہ ہو گیا تھا۔

اُس زمانہ میں آستانہ کے اندر دو قسم کے لوگ تھے، ایک جماعت تو عصبی تشنج کی مانند تھی اور مایوسی اُس پر طاری تھی، دوسرا گروہ نازک دم نوجوانوں کا تھا جو اس قسم کے خیالات کا اعتقاد رکھتا تھا جن کا وجود میں آنا ناممکن تھا اور بچوں کی مانند خوش آیند باتیں بناتا تھا یہ گروہ آزادی کی ایک نئی دنیا کا خواب دیکھ رہا تھا اور مسرور تھا - خواتین میں تبلیغ و اشاعت کی جو تحریک جاری تھی اُس کی کیفیت یہ تھی کہ محلہ شیشلی کی خواتین کی تحریک کی امارت حملہ آور تند مزاج خواتین کے ہاتھوں میں تھی اور یہ سب یورپین تہذیب و تمدن اور جدید فیشن کی دلدادہ تھیں اور متعدد غیر ملکی زبانوں کی ماہر تھیں ان میں سے ایک جو سب سے بڑی تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے اور میں اُسکو انگورہ کے ابر آلود افق تک نہیں بھولا ہوں بلکہ اُسکو ہمیشہ یاد رکھوں گا، اس کا قد دراز تھا، قوی جسم - جامہ زیب خوش پوشاک اور صاحب اثر و اقتدار تھی اس کی آنکھیں سیاہ تھیں چہرہ تر و تازہ اور شگفتہ رہتا وضع قطع با چال ڈھال دلفریب و دلکش تھی ناک اس کی لمبی تھی جس کے نتھنے ہمیشہ اُن عطروں کی بو سونگھتے رہتے جو اس کے گرد جمع ہوتی تھیں اور خصوصاً انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی رشتہ دار اور عزیز و قریب ضعیف القلب عورتوں کی بو وہ جلد پا جاتی تھی اور ان کو اپنے تیروں کا نشانہ بناتی تھی وہ

انجمن اتحاد و ترقی اور اس کے ممبروں کی سخت دشمن تھی اور ان سے دلی نفرت رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اس کے بغض و عداوت کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی اور اس کے غیظ و غضب سے انسانی اخلاص کا ثبوت ملتا تھا، وہ ہر وقت تقریر و گفتگو میں مشغول رہتی تھی اور اس کی تقریر و گفتگو کا موضوع دین اسلام کے حریف اور انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کے کارنامے تھے وہ خواہ اسٹیج پر ہو یا ملاقات کے کمرہ میں یا اور کسی دوسری جگہ کہیں اس کی زبان خاموش نہ رہتی تھی۔ وہ ہر وقت [illegible] کرتی رہتی تھی اس کے چہرہ پر نہ تو کبھی پریشانی کے آثار نظر آتے تھے اور نہ وہ کبھی مضطرب دکھائی دیتی تھی۔ اگر ہر وقت، ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کی گفتگو، بحث اور تقریر میں وہی جوش، استقلال اور جلال نظر آتا تھا جو لوگوں نے کسی ایک خاص موقع پر دیکھا ہوگا اس کی آواز کا جوش و جلال کبھی متغیر ہوتا تھا وہ خواہ کمرہ میں دو شخصوں سے باتیں کر رہی ہو یا ایک بڑے اجتماع میں ہزاروں آدمی کے روبرو تقریر کر رہی ہو اس کا لب و لہجہ ہمیشہ یکساں رہتا تھا کبھی کبھی میں اس کو دیکھتا تھا کہ وہ تنہا موٹر پر جا رہی ہے اور میں نے اس کے مہیب اور خوبصورت چہرہ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا ہے کہ وہ اس وقت بھی اپنے آپ کو مخاطب کر کے اپنے دل میں تقریر کر رہی ہے اور اسی جوش، روانی اور قوت و عزم کے ساتھ جو اس میں پایا جاتا ہے وہ عموماً اپنی تقریروں اور گفتگو میں انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں پر لعنت ملامت کیا کرتی تھی اور جب وہ اس موضوع پر آتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مشین ہے جو تیزی سے سیلاب وار حرکت کر رہی ہے۔

ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر میں اس نے ان اتحادی عورتوں کے مجمع میں جن کو اپنے اصول اتحادیت پر پورا اعتماد تھا تقریر کی اپنی تقریر میں اس نے ایک ایک کو مخاطب کیا اور نہایت جوش کے ساتھ بلند آواز میں ایک عورت کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔

ہم تیرے شوہر پاشا کی ڈاڑھی پکڑ لیں گے پھر اس کو درخت کے تنے سے باندھ کر زندہ جلا دیں گے پھر دوسری عورت کو خطاب کر کے کہا اور تیرے خاوند کے اعضا کو پارہ پارہ کر دیا جائیگا۔ پھر تیسری عورت کو مخاطب کر کے کہا اور تیرے شوہر پاشا کے منہ میں سیسہ بھر دیا جائیگا اس کے بعد عام خواتین کو مخاطب کر کے کہا۔

خواتین؟ تمہارا دور گذر گیا اب ہم بھی آستانہ پر ایک دفعہ مصائب نازل کر کے رہیں گے۔ میں کہاں تک لکھوں ہزاروں مرتبہ اس قسم کی باتیں انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی مسکین عورتوں کو محض انکے شوہروں کے اعمال و افعال کی بنا پر سنائی گئیں اور ان کو سخت سے سخت دھمکیاں دی گئیں تسلی کی

متعصب عورتوں کی جماعت اس خاتون کی زبان سے ظالم شوہر کی داستان سنتی تھی اور متاثر ہوتی تھی۔ اسی
طرح انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی عورتیں جو سکول میں آتیں اس کی دھمکیوں کو زیادہ گراں سمجھتیں اور حالت
یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس خاتون کی تقریر کے دوران میں کسی عورت کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ جلسے سے
اٹھ کر چلی جائے اور اپنے جذبات کو مجروح ہونے سے بچائے کیونکہ ایسا کرنے میں اس کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں
اُن کی نسبت یہ رائے قائم نہ کر لی جائے کہ یہ عورتیں انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی طرفدار یا بہی خواہ ہیں۔

میں نے اس امر پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان عورتوں کا مرکز صرف محلہ شیشلی ہے۔ یہی ائتلافیوں کی
عورتیں وہ گویا ایک دوسری دنیا میں رہتی تھیں جو اس عالم سے جداگانہ تھا یعنی ان کے پروپیگنڈا کا ایک جدید
طریقہ تھا جو شیشلی کے پروپیگنڈا کے بالکل برخلاف تھا۔ شیشلی کی عورتیں مذکورہ بالا خاتون یعنی سیدہ سالمہ
کی تنہائی و سرداری میں نہایت سختی کے ساتھ ہر اس تحریک کا جو ائتلافیوں کی عورتوں کی طرف سے شروع
ہوتی تھی جواب دیتی تھیں اور اپنی پوری قوت سے اُن کی تحریک کو دبانے پر تلی رہتی تھیں۔

میں اور احسان تو سیدہ سالمہ کے اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھے اور ہم پر اس کا کوئی معنوی اثر
نہ تھا البتہ جمال پر وہ کافی اثر و اقتدار رکھتی تھی۔ سیدہ سالمہ جب ہم تینوں سے باتیں کرتی تھی تو میں اور احسان
تو سگرٹ پینے میں مشغول رہتے تھے اور جمال ہمہ تن گوش ہو کر مجنون کے سے اخلاص اور سادگی سے اُس کی
باتوں کو سنتا تھا اور جب میں اپنے نفس میں سیدہ سالمہ کی پُرجوش باتوں سے غضب و غصہ کو محسوس کرتا تھا
تو دیکھتا تھا کہ جمال اس کی باتوں سے بہت متاثر ہو رہا ہے اور کان لگائے اُس کے الفاظ کو متانت و
سنجیدگی سے سن رہا ہے، جمال گھنٹوں سیدہ سالمہ سے بحث و گفتگو کرتا تھا اور کبھی کبھی یہ بحث منازعت
کی حد تک پہنچ جاتی تھی لیکن چند ہی منٹ بعد باہمی نزاع کا اثر زائل ہو جاتا تھا اور دونوں مصالحت
کر لیتے تھے، انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں میں سے صرف جمال ہی ایک ایسا شخص تھا جس کی باتوں کو
سیدہ سالمہ سن لیتی تھی اور اس کے سخت الفاظ کو برداشت کر لیتی تھی جمال اگرچہ انجمن اتحاد و ترقی کا کوئی
سربرآوردہ ممبر نہ تھا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس پر اتحادیوں کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور ایک حد
تک وہ اتحادی تھا۔

غلطہ کے پل کے اُدھر عورتوں کی ایک اور تحریک جاری تھی اور اس تحریک کا کام عورتوں کے ایک ایسے
عنصر کے ہاتھ میں تھا جو نوجوان اور تازہ فکر تھیں، ان میں میرا مراد مدرسہ دار الفنون کی معلمہ اور شاعرہ

عورتیں ہیں عورتوں کا طبقہ شہری عورتوں کی کچھ زیادہ پروا نہ کرتا تھا لیکن باہمہ وہ اپنے بعض اجتماعات میں بعض شہر
رسیدہ عورتوں کو بھی بلاتا تھا اور یہ محض اس لئے کہ اجتماعات کی ظاہری صورت محفوظ رہے اور عام اجتماع کی شکل پیدا
ہوسکے۔

مدرسہ دارالفنون کے صحن اور جمعیت ترکیہ میں سرخ سرخ ترکی ٹوپی پہننے والے نوجوانوں اور ریشمی چوغہ پوش خواتین
کا اجتماع ہوتا تھا اور ان اجتماعات میں ان نوجوانوں اور کم سن طلبہ کی کافی معقول تعداد ہوتی تھی جن کے سرخ
سرخ ہونٹ تھے اور جن کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوتے تھے۔ ان اجتماعات میں اکثر خوبصورت معلمات
بھی ہوتی تھیں جو اونچی ایڑی کا جوتا پہنتی تھیں لیکن استنبول کے گھروں کی عورتیں اور دوسرے مقام کی خواتین جو
کچھ کرتی تھیں وہ محلہ شیشلی کی خواتین کی نظر میں بچوں کا کھیل تھا اور وہ ان کو پست طبقہ کی عورتیں خیال کرتی
تھیں اور ان کے خلاف پوری کوشش سے وہ کام کرتی تھیں چنانچہ جب دارالفنون کی خواتین کسی سفیر کو ترکی پروپیگنڈا
کے مناسب کوئی یادداشت روانہ کرتیں تو فوراً شیشلی کی خواتین ایک جلسہ منعقد کر کے یادداشت مذکورہ کے
خلاف اس سفیر کے پاس اپنی یادداشت بھیجتی تھیں اور اس یادداشت پر وزارت خارجہ کے ادنیٰ عہدہ دار
کی بیوی سے لیکر فرانسیسی زبان کی ماہر خاتون تک سب کے دستخط ثبت ہوتے تھے اور دستخط ثبت کرنے سے انکا
منشاء یہ تھا کہ یادداشت بھیجنے والی خواتین کی عظمت کا اظہار ہوسکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ عورتیں ترکی کے
شرفاء اور اعیان میں سے ہیں یہ خواتین دول حلفاء کی دوست تھیں اور جمعیتی کی دشمن اپنی یادداشتوں میں
یہ عورتیں ان امور کی تردید و تکذیب کرتی تھیں جو معمولی طبقہ کی عورتوں کی یادداشت میں ہوتے تھے۔

مختصر یہ کہ جانبین میں سخت عداوت و نفرت تھی ان میں سے جب کوئی جماعت اپنا جلسہ منعقد کرتی تھی
تو دوسری جماعت بھی فوراً اپنا اجتماع کرتی تھی اور جب کوئی یادداشت لکھی جاتی تو فوراً اس کے مقابلہ میں اس
کے خلاف دوسری جانب سے بھی یادداشت مرتب کی جاتی تھی۔ جماعت شیشلی میں غیر ترکی عنصر کی تعداد زیادہ
تھی اور استنبول کی خواتین غیر ملکی لوگوں سے صرف یادداشت کو سفراء کی خدمت میں پیش کرتے وقت ملتی تھیں
بہرحال آستانہ کی نوجوان خواتین کی مساعی صرف اپنے نفس کو مطمئن کر لینے کی حد تک محدود تھیں اور اگرچہ
وہ نوجوان تھیں لیکن ان کی زندگی نہایت آسائش پسند تھی۔

استنبول کی خواتین احسان کی جانب مائل تھیں لیکن احسان ان کی جانب مائل نہ تھا اور یہ امر واقعہ
ہے۔ استنبول کی خواتین جب غیر ممالک کے سفارت خانوں میں جانے کا ارادہ کرتیں تو وہ احسان سے خواہش

کو پسند کرتے [illegible] واقعہ صحیح یا غلط ہوگا۔ بعض
اوقات ایسا اتفاق پیش آتا تھا کہ [illegible] تھا اور دوسری
جانب جمال پاشا [illegible] تھا
مین نظر آتا تھا اور جب [illegible] مسکرا رہے ہوتے
تھی۔ لیکن اس قسم کی ملاقات مین دونون [illegible] اس وقت تک
مختلف پارٹیون کے افراد ہونے کی حیثیت سے [illegible] مین اختلاف پایا جاتا تھا
اور [illegible] ایک [illegible] طرح [illegible] کی فکر ہر کوئی
پر لائے اور اس مین خالص قومی روح پیدا کی [illegible] کی تحریک مین دلچسپی
لیتا تھا۔ احسان کی بھی یہی حالت تھی۔ اور [illegible] کی جماعت مین [illegible] خاص پایا جاتا تھا اس لئے
اس جماعت مین شرکت سے بہت ممکن ہے کہ اُس کو بھی کوئی خاص لذت و کیفیت حاصل ہوتی ہو۔

آستانہ کے نوجوانون کی جماعت جو اُن ایام مین کام کر رہی تھی بلاشبہ قابل قدر تھی اُسکا اخلاص اُسکا جوش اور اُس کی غیرت قابل رشک تھی۔ مین آج اتنے سال بعد اس طرح پیچھے کی کوشش پر نظر ڈالتا ہون جو وہ اُس زمانہ مین کر رہے تھے تو میرے دل مین ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ وطن عظمیٰ کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے تقریرین کرتے اور جلسے منعقد کرتے تھے اور علی کمال پاشا کے مخالفانہ مضامین کی تردید لکھتے تھے اور سیدہ سالمہ کی مساعی کو تباہ و برباد کردینے کی فکر مین لگے رہتے تھے۔ مین ان نوجوانون کی کوششون کا ذکر محبت و شفقت کیساتھ کرتا تھا اور مسکرا کر کہدیتا تھا کہ ان تمام باتون سے کیا فائدہ ہوگا۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ آستانہ مین جو پروپیگنڈا تفریح کی صورت مین شروع ہوا تھا اُسنے کچھ عرصہ بعد خوفناک خونی میدان کی صورت اختیار کرلی۔

۱۰ ستمبر ۱۹۲۲ء

جمال پہلا شخص تھا جس کو ہم میں سے سمرنا پر یونانی قبضہ کی سب سے پہلے خبر ملی اس خبر کو اس نے حیرت انگیز عزم کے ساتھ سنا اور اس کے بعد دو دن تک وہ تبلیغی انجمنوں میں استقلال و طمانیت کے ساتھ کام کرتا رہا۔ لیکن ان دو دنوں میں جب اس کو اپنی بہن عائشہ کی کوئی خبر نہ ملی تو وہ گھبرا اٹھا وہ روزانہ تار گھر جاتا اور جب اپنی بہن کا کوئی تار نہ پاتا تو اس کا اضطراب بہت بڑھ جاتا۔

سمرنا پر یونانی قبضہ کے پانچ روز بعد صبح کے وقت احسان نے میرے سونے کے کمرہ کے دروازہ کو کھٹکھٹایا اور بغیر اطلاع کے کمرہ میں داخل ہو گیا اس وقت اس کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا کمرہ میں داخل ہو کر اس نے مجھ سے کہا۔

پیارے! یونانیوں نے مقبول بک کو قتل کر کے اس کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اس کے بچے حسن کو گولی ماردی ہے اور کہا جاتا ہے کہ محترمہ عائشہ زخمی ہے اور اپنے مکان سے سمرنا کے ایک اطالوی خاندان کے گھر میں جا کر پناہ گزین ہوئی ہے۔ یہ خبریں کل شام مجھے ایک نوجوان فوجی افسر سے ملی ہیں جو سمرنا سے بھاگ کر آیا ہے اب بتاؤ یہ خبریں ہم جمال تک کیونکر پہنچائیں۔

یہ خبریں سنتے ہی میں پلنگ سے کود پڑا اور دروازہ کی طرف دوڑا اور فوراً دروازہ بند کر دیا یہ میں نے اس خیال سے کیا کہ کہیں جمال نہ آجائے، پھر میں نے سگرٹ کو سلگایا اور دل میں کہنے لگا۔ یا اللہ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے پھر میں نے احسان کو مخاطب کر کے کہا۔

ہم کو چاہئے کہ ہم فوراً مکان کو چھوڑ دیں اور جمال کے بیدار ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے چلے جائیں، کیونکہ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ جمال کو یہ خبریں کسی دوسرے شخص سے معلوم ہوں۔

شام کو جمال کا پلنگ میں اپنے کمرہ میں لے گیا اور اپنے پلنگ کے برابر بچھوا دیا اور جب ہم سونے کے لئے کمرہ

میں داخل ہوئے تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور حفاظت کر دی کہ کوئی کمرہ کے اندر نہ آ سکے یہاں تک کہ ماں بھی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ اس اضطراب شدید اور فکر کی حالت میں جو جمال پر طاری تھی کوئی جمال کو نہ دیکھے میں جمال کے قریب بیٹھ گیا، جمال پر جو اضطراب، ضعف اور خود رفتگی طاری تھی میں اس کا کافی اندازہ نہ کر سکا، میں بے اختیار اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرہ پر میری نگاہیں جمی ہوئی تھیں، میں نے دیکھا کہ جمال کے ہونٹ نیچے لٹکے ہوئے ہیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا ہے، بڈھے آدمیوں کی طرح اس کی ناک کے گرد شکنیں پڑ گئی ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ بلا حرکت حالت میں اس کے زانوؤں پر رکھے ہیں اور وہ اس طرح بیٹھا ہے گویا ایک بے جان پتھر کی مورت ہے۔ رات کو دو تین مرتبہ میری آنکھ کھلی اور میں نے پلنگ سے اتر کر کھڑکی کے پاس اس خیال سے کہ جمال کی آنکھ نہ کھل جائے باہر نکل کر دیکھا کہ احسان اور میری ماں کمرے کے اندر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور میری ماں کی آنکھیں سرخ ہیں اور احسان گویا موت کا انتظار کر رہا ہے میں بھی آخر کمرہ میں داخل ہو گیا اور احسان نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا گویا وہ مجھ سے کہہ رہا ہے۔

پیارے بھائی میں یہاں ہوں۔

جمال اس رات کو مستغرق نیند سویا اور صبح تک سوتا رہا گویا اس نے بھنگ پی لی ہو اور مست خواب ہے۔ چھ بجے صبح کو اسکی آنکھ کھلی اور اسنے بے تکلف باتیں کرنا شروع کر دیں لیکن اپنی باتوں میں اسنے نہ تو مقبل بک کا ذکر کیا اور نہ اس کے شہید بچہ کا گویا وہ ایک خوفناک اندیشہ میں مبتلا ہے اور اس موضوع پر اس کی زبان سے کوئی حرف نہیں نکلتا۔

میری طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ میں ان خیالات فاسدہ کا اس موقع پر ذکر کروں جو جمال کے قلب میں پیدا ہو رہے تھے اور انھوں نے اسکو مضطرب بنا رکھا تھا البتہ جمال کی تسکین کے لئے جو الفاظ میں نے اسکے خیالات سنکر کہے وہ میں ضرور اس جگہ لکھوں گا۔ میں نے جمال کے ناپاک خیالات سنکر جواب میں کہا۔

جمال اپنے قلب میں اس کا خطرہ بھی پیدا نہ ہونے دو عائشہ مر جائے گی لیکن اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوگا جو عصمت و عفت کے خلاف ہوگا ہاں وہ عصمت و عفت کو خطرہ میں پاکر اپنی جان دیدے گی اور کبھی اپنی عزت کو برباد نہ کرے گی میں نے جو الفاظ کہے ہیں ان پر مجھکو اتنا اعتماد ہے گویا میں عائشہ کیساتھ ہوں اور میں اسپر قسم کھا کر تم کو یقین دلاتا ہوں۔

خوش قسمتی سے اسی روز شام کو سترنا سے تار آگیا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ عائشہ آج سے تیسرے روز آئیگی

پہنچ جائے گی۔

جمعرات کا دن عائشہ کے آستانہ پہنچنے کا دن تھا اور یہی کہ روز وہ مشہور مظاہرہ ہونے والا تھا جو میدانِ سلطان احمد میں ہونا قرار پایا تھا۔

وہ تحریک تبلیغ و اشاعت جو شروع شروع میں ایک تفریح اور مذاق کا کھیل کی صورت میں شروع ہوئی تھی کچھ عرصہ بعد اس نے دوسری شکل اختیار کرنی شروع کی اور آخر میں وہ ایک ایسے قومی میثاق کی شکل میں منتقل ہو گئی جس کو آگ اور خون سے پورا کرنے اور پاک کرنے پر حلف اٹھایا گیا تھا۔ آستانہ کی تبلیغی کوششوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ یورپ کو بتا دیا جائے کہ ترکی اور ترکوں پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں لیکن پھر یہ تحریک دوسری صورت میں منتقل ہو گئی تھی اس کی صورت ایسی ہو گئی کہ گویا ایک مظلوم ظالم کے سامنے شور و فریاد کر رہا ہے۔

میدان سلطان احمد کا مظاہرہ ہوا اور گذر گیا، آستانہ کے یورپین حلقے مظاہرہ کے بعد اس تردد میں تھے کہ وہ ترکوں کے اس مظاہرہ کی نسبت کیا رائے قائم کریں۔ آیا اُن کا یہ فعل سنجیدگی پر مبنی تھا یا محض ایک تفریح مذاق کیونکہ یورپین قومیں ایک ایسی قوم کے غم و غصہ سے کیا خائف ہو سکتی تھیں جس کے پاس نہ تو ہتھیار تھے اور نہ لشکر۔

جمعرات کے روز صبح کے وقت میں جمال کے ساتھ عائشہ کے استقبال کو اس جہاز پر گیا جو سمرنا سے آ رہا تھا پلیٹ فارم پر غیر معمولی ہجوم تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پلیٹ فارم ایک میدانِ حشر ہے راستوں پر غیظ و غضب اور رنج و یاس کی ہوائیں چل رہی تھیں ہم پلیٹ فارم کے ہجوم ہی میں تھے کہ احسان کو ہم نے دیکھا جو ہم سے دُور کھڑا تھا اُس نے ہماری طرف سے منہ پھیر لیا تھا گویا اُس نے ہم کو دیکھا ہی نہیں میں جانتا تھا کہ احسان اسوقت چونکہ ہم سے علیحدہ رہنا چاہتا ہے اس لئے وہ ہم سے دُور دُور ہے۔

آخر ہم جہاز پر چڑھ گئے میں نے دیکھا کہ بہت سے روسی (مسیحی) آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں، اور خوشیاں منا رہے ہیں اُن کے قہقہوں کی آواز کو میں نے سُنا اور مشکل سے اُن کے استہزا کی نامراد حرکت کو برداشت کیا میں روسیوں کی جانب متوجہ تھا کہ جمال کی آواز نے مجھے متنبہ کیا جمال نے مجھ سے کہا۔

پیارے! عائشہ آگئی تم کس فکر میں ہو اُن سے ملو۔

میں نے مڑ کر جمال کی طرف دیکھا اُس کے پہلو میں ایک عورت کھڑی تھی جس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی

تھی اور اُسنے اپنا سیاہ لباس پہن رکھا تھا میں نے اُسے پہچان لیا آخر بہت شرما گئی۔

معاً عائشہ نے اپنا سفید لمبا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے تپاک سے مصافحہ کیا پھر عائشہ نے اپنا سر اُٹھایا اور خاموشی چاہئے ساتھ ہولی اسوقت اُس کی سیاہ آنکھوں کے گرد ایک سیاہ حلقہ نمایاں تھا شہر سمرنا کی طرح حزین و غمگین نظر آتی تھیں یعنی جس طرح سمرنا اُس زمانہ میں زیتون کے درختوں کے پتوں کے آغوش میں ماتمی نظر آرہا تھا اسی طرح عائشہ سیاہ لباس میں ملبوس اپنے حزن و غم کو آشکارا کر رہی تھی۔

عائشہ کی آنکھوں میں نہ تو اسوقت آنسو کا کوئی قطرہ تھا اور نہ اُس کی زبان سے آہ و بکا کی کوئی آواز نکلتی تھی حالانکہ جو صدمات اُسکو پہنچے تھے وہ نہایت سخت تھے البتہ چہرہ پر بیرنگی نمایاں تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی گہرے فکر میں ہو۔

میں نے عائشہ کے سراپا پر نظر ڈالی اور مجھے محسوس ہوا کہ اُس کے باریک نقاب کے اندر اُسکا چہرہ بے رونق ہے اور بڑی بڑی کالی آنکھوں کا نور جاتا رہا ہے اور اُس کی ناک کسی قدر لمبی ہے پھر جب اُسنے مڑ کر اُس جہاز کو دیکھا جسپر وہ سمرنا سے سوار ہو کر آئی تھی تو میں نے اور ایک چیز کو دیکھا جسکا ذکر آنکھوں سے زیادہ قیمتی ہے یعنی اُس کے دونوں ہونٹ جن کی نسبت اسکروڈ والٹر کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ وہ ایک ایسے سرخ انار کی مانند ہیں جسکو ہاتھی دانت کے دستہ والی چھری نے درمیان سے دو کر دیا ہو عائشہ کے ان ہونٹوں میں اور ان کے درمیان جو مضبوط سفید موتی کی مانند دانت پائے جاتے ہیں اُن میں اتنی صفات اور خوبیاں بھری ہوئی تھیں جن کا شمار ناممکن ہے۔

جب ہم پل کے اوپر پہنچے تو کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا میں نے مڑ کر دیکھا تو احسان تھا، احسان کے ساتھ ایک گاڑی تھی، گاڑی دیکھکر مجھ کو تعجب ہوا کہ کیونکر وہ اس ہجوم میں گاڑی لے آیا ہے۔ احسان نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا اور معاً کوچ مین نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ گویا احسان جانے کو ہے معاً اُسپر جمال کی نظر پڑی اور اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں احسان کو مخاطب کر کے کہا

بھائی احسان کہاں جا رہے ہو۔

پھر جمال نے عائشہ سے احسان کا تعارف کرایا اور عائشہ نے میرے دوست احسان کہکر اُسکو مخاطب کیا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عائشہ نے اپنی سیاہ آنکھیں اوپر اُٹھائیں لیکن احسان کی طرف اُسنے نہیں دیکھا پھر اُسنے اپنا سفید ہاتھ احسان کی طرف بڑھایا اور احسان نے اُس کی انگلیوں پر اسی طرح پاک بوسہ دیا

جس طرح قدیم عثمانی لوگ سابق سلاطین عثمانیہ کے تلواروں کی چادروں پر تبرکاً بوسہ دیا کرتے تھے۔

میری ماں نے اپنے مہمان عائشہ کو گلے سے لگا لیا اور اس کے رخساروں پر بوسہ دیا پھر ہم سب اُس کمرہ میں داخل ہوئے جو عائشہ کے لئے تیار کیا گیا تھا اور جمال و عائشہ کو ہم کمرہ میں پہنچا کر چلے آئے۔

شام کو عائشہ اپنے کمرہ سے باہر نکلی تو اس کا ہاتھ جمال کے ہاتھ میں تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو بچے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھیل رہے ہیں، اس وقت عائشہ و جمال کی آنکھیں سرخ اور ورم آلود تھیں جمال کے بشرہ سے محسوس ہوتا تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو بہن کے ارادوں کے ماتحت کر دیا ہے اور عائشہ نے اُس پر اپنا پورا اثر ڈال کر اُس کو اپنے عزائم میں شریک کر لیا ہے۔

عائشہ جب جمال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے اُس کا رنج والم تازہ ہو جاتا اور وہ اسی طرح مضطرب و پریشان ہو جاتی جس طرح آندھی کا طوفان ہوتا ہے لیکن جب وہ احسان کی طرف دیکھتی تھی تو اُس کا رنج و غم کم ہو جاتا تھا اور وہ احسان کی نیلگوں آنکھوں میں شجاعت کی قوت اور اخوت کی ہمدردی پاکر تسکین حاصل کرتی تھی۔

دوسرے روز (جمعہ کے دن) عائشہ ہمارے ساتھ میدان سلطان احمد کا منظر دیکھنے کے لئے گئی گلی کوچوں میں آج پورا سکون تھا مسلمانوں نے انتہائی خاموشی اختیار کر لی تھی، البتہ اُن کے چہروں سے تکدر کی علامات نمایاں تھیں، مسیحی آبادی بھی آج خوش نہ تھی بلکہ اُس پر بھی اضطراب و قلق طاری تھا وہ اس تردد میں تھی کہ اُس کو کیا کرنا چاہیئے آیا وہ مسلمانوں کے کاموں میں مداخلت کرے اور اُن کا مذاق اُڑائے یا خاموش بیٹھی رہے اور واقعات کی رفتار کو دیکھے۔

واقعہ یہ ہے کہ وطن (ٹرکی) کے جسم میں جتنے زخم آئے تھے اُن میں اس سے زیادہ کوئی گہرا زخم نہ تھا کہ ہموطن مسیحی قوموں نے فرانس اور انگلستان کے شہ دینے سے مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کا اظہار کیا اور مسلمانوں پر دست درازی کی اسی وجہ سے وہ ہجوم و اژدحام غور و تامل کا مستحق ہے جو ہم نے عثمان بک کے اسٹیشن سے ٹریموے پر سوار ہوتے وقت دیکھا تھا لیکن چونکہ ہم شکستہ بازو عائشہ کے ساتھ تھے اس لئے معمولی حوادث کو ہم نہ دیکھ سکے، عائشہ کا شکستہ بازو قوم کی بدنصیبی اور عائشہ کی مصیبت کی ایک علامت تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خود عائشہ ایک قومی ماتم تھا جسنے اُس روز کیا دیکھا اسکا حال نیچے کی سطروں سے معلوم ہوگا۔

جب ہم ایا صوفیہ پر ٹرمیوے سے اُترے تو ہم کو ہجوم میں عائشہ کے راستہ بنا لینے میں بہت تکلیف اُٹھانی
پڑی، مختصر یہ کہ ہم میدان سلطان احمد میں پہنچ گئے اور سلطان احمد پارک کے جنگلہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ
مدرسہ سلطان احمد کی چھتیں اور تمام متصلہ عمارات آدمیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشے میں
انگور لگے ہوئے ہیں۔ ٹرمیوے کے راستے سے لوگ اس کثرت سے آ رہے تھے گویا کہ ایک رو پانی کی آ رہی ہے لیکن
خاموشی چھائی ہوئی تھی اور بجز قدموں کی آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

میرے لئے یہ پہلا دن تھا جبکہ میں نے ٹرکی کو حقیقی رنگ میں دیکھا تھا۔ آج آستانہ کے وطنی محلوں نے
اپنے دروازوں کو کھول دیا تھا اور اُن کے باشندے جوق جوق میدان سلطان احمد میں آ کر جمع ہو رہے تھے میں
نے کثیر تعداد میں اُن بوڑھی عورتوں اور سن رسیدہ مردوں کو بھی اس مظاہرہ میں شریک پایا جو ہمیشہ خاموش زندگی
بسر کرتے رہے ہیں اور گوشہ نشینی و عزلت اُن کا شیوہ رہا ہے۔ یہ بوڑھے لوگ گردنیں بلند کئے ہوئے ہمدردی
کے ساتھ مظاہرہ کو دیکھ رہے تھے اور ایسے لباس میں ملبوس تھے جس کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس زمانہ کا
لباس تھا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جو اُن کی سفید سفید ڈاڑھیوں پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے، بوڑھی
عورتیں بڑی بڑی شالیں اوڑھے ہوئے تھیں اور آنسو اُن کے جھریوں دار رخساروں پر بہ رہے تھے، مظاہرہ
میں بہت سی خواتین زرد اور سرخ چھینٹ کے لباس پہنے ہوئے تھیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی شالوں کے
نیچے قمیصوں کے دامن نظر آ رہے تھے، اُن کی آنکھیں رنج و غم سے سُرخ ہو گئی تھیں اور اُن کے چہرے اُن عورتوں
کے چہروں سے بہت مشابہ تھے جنہوں نے فرانس کے انقلاب میں قصر ورسائی پر حملہ کیا تھا چونکہ ہجوم زیادہ تھا اس
لئے یہ خواتین ادھر اُدھر نہ دیکھ سکتی تھیں اور خاموش ایک جگہ کھڑی تھیں۔

اس اجتماع میں یہ عجیب اتفاق تھا کہ مزدور لوگ طالب علموں کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے اور محلہ قرہ گمرک
کی رہنے والی پیشہ ور مردوں کی عورتیں عالی خاندان اونچی ایڑی کا جوتا پہننے والی خواتین کے دوش بدوش
تھیں مختصر یہ کہ میدان سلطان احمد میں اسوقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کا ایک بحر ذخار موجیں مار رہا ہے
اور اُس کی دھاریں اطراف سے خاموشی کے ساتھ بہتی چلی آ رہی ہیں، میدان کا درمیانی حصہ جہاں ہجوم
بہت زیادہ تھا خاموش و ساکن اور جامد نظر آتا تھا۔ جامع سلطان احمد کے سفید مناروں اور جیل کی عمارت
پر بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور میدان کی طرف دیکھ رہے تھے، درختوں کی اُن ٹہنیوں پر بھی آدمی نظر آتے
تھے جو میدان کی طرف تھے اور جامع سلطان کے اندر والے درختوں پر بھی آدمی چڑھے ہوئے تھے، جامع

سلطان احمد کے سفید سفید مناروں پر جو سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے بعض اوقات وہ برج کے سروں تک پہنچ جاتے
تھے اور ہوا اُن کو آدمیوں کے سروں سے ہلا دیتی تھی کبھی کبھی یہ جھنڈے سواے سفید کبوتروں کے گھونسلوں
تک پہنچ جاتے تھے اور کبوتر گھبرا کر نیلگوں آسمان کی جانب پرواز کر جاتے تھے۔

اس اجتماع میں میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جو باغ سلطان احمد کے جنگلہ سے پشت لگائے بیٹھی تھی اور
بلند آواز سے آہ و فغان کر رہی تھی اس کے دانت گر چکے تھے، اور رخساروں پر بے نور آنکھوں سے آنسو جاری
تھے اس کے رخساروں پر اسقدر جھریاں تھیں کہ اس کا چہرہ اس کیفیت کی باعث منڈھا ہوا تھا جیسے چھلنی سا ہو
گیا ہو۔ مختصر یہ ہو کہ جو شخص بھی ایا صوفیہ کی جانب سے آتا تھا اور اس کی نظر سیاہ عثمانی جھنڈے پر پڑتی تھی
وہ بے اختیار رونے لگتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان لڑکیاں اور خواتین جو اپنے چہرہ کو خوبصورت اور گلنار
بنانے کے لیے پوڈر لگانے کی بہت شائق تھیں اسوقت اپنی آنکھوں کے سرمہ اور پوڈر کی زیبائش کو بھول
گئی تھیں اور اُن کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے جو سرمہ اور پوڈر کو بہائے لئے جا رہے تھے ہم
اجتماع و ہجوم میں بہت مشکل سے گذرنے کا راستہ پا رہے تھے اور ہم نے بڑی کوشش کی اور لگے کہ کسی طرح اس
زینہ تک پہنچ جائیں جو شاہ جرمنی کی یادگار میں بنایا گیا ہے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر ہم بآسانی تقریروں کو سن
سکیں ہم اسی کوشش میں تھے کہ یکایک ہم نے دیکھا کہ اس مجمع میں اُن مجروح سپاہیوں اور افسروں کے
گذرنے کے لیے راستہ نکالا جا رہا ہے جو جنگ کی یادگار تھے، اِن مجروح افسروں اور سپاہیوں میں سے بعض
کی ٹانگ کٹی ہوئی تھی اور اس کی جگہ لکڑی کی ساق استعمال کی جا رہی تھی۔ بعض کے بازو نہ تھے اور
بعض اندھے تھے جنکو لنگڑے سپاہی ہاتھ پکڑے لا رہے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ان مجروح سپاہی اور افسروں
کا وجود ہماری اس مصیبت کا اندازہ کرنے کے لئے جو ہمارے تاج و تخت پر پڑی تھی کافی تھا، اور وطن کی
مصیبت کبریٰ کا زبردست مظاہرہ درحقیقت یہی لوگ تھے، میں اسوقت تک اس مظاہرہ کی نوعیت سے
ناواقف تھا اور میری سمجھ میں اب تک یہ بات نہ آئی تھی کہ ان مجروحوں کو یہاں لانے سے کیا مقصود ہے۔
ان مجروح سپاہیوں اور افسروں کو اس اجتماع میں تیار کرکے لایا گیا تھا اچھے اچھے کپڑے انکے جسم پر تھے
خط بنا ہوا تھا اور یہ نہایت خاموشی سے گردنیں نیچے کئے چلے جا رہے تھے، گویا کہ وہ کسی دینی مجلس میں شرکت
کے لئے جا رہے ہیں۔

جب ہم کوشش کرکے زینہ پر چڑھ گئے تو اللہ اکبر کے دل ہلا دینے والے نعرے بلند ہوئے، ان نعروں نے

انسانی بحر ذخار کی سطح میں تموج پیدا کردیا اس ہجوم میں جب کوئی نعرہ پست نشیبی جگہ سے بلند ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمین کے نیچے سے نعروں کی آواز آرہی ہو اور اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتی ہو ان نعروں کی آوازیں فضا میں پھیلی ہوئی تھیں ان جامع سلطان احمد کے سفید سفید مناروں سے جن پر سیاہ عثمانی علم لہرا رہے تھے یہ آوازیں ٹکراتی تھیں اور فضا میں پھیل جاتی تھیں اور مناروں وغیرہ سے ٹکرا کر جو آواز پیدا ہوتی تھی وہ اصل نعروں سے زیادہ بلند اور موثر ہوتی تھی، ہجوم کے کان نعروں کی گونج کو سنتے تھے اور ان کا دل دھڑکنے لگتا تھا پھر اسی کے ساتھ مجمع کی آہ و بکا کچھ اور ہی کیفیت پیدا کررہی تھی اور غضب غصہ کی لہر نے ایک اور ہی خوفناک منظر پیدا کردیا تھا یہ صدائے بازگشت ساری فضا میں پھیلی ہوئی تھی، یہاں تک کہ بحر مارمورہ پر جاکر اسکا اثر کمزور ہوجاتا تھا۔

نعروں کی صدائے بازگشت کی گونج جب انسانی سمندر کے کانوں میں پہنچی تو یہ سمندر موجیں مارنے لگتا، اور بے اختیار لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگتے کہ یہ آواز کدھر سے آئی جامع سلطان احمد کے دونوں سفید مناروں کے درمیان جو نیلگوں ہوا بھری ہوئی تھی وہ گویا اس منظر کے لئے حد فاصل تھا، جامع مذکور میں مناروں کے سامنے جو چنار کے قدیم درخت کھڑے تھے ان کے وسط میں ایک سیاہ چھوٹا سا منبر پڑا تھا جس پر سیاہ جھنڈے نصب تھے اس منبر کے گرد نعرہ تکبیر بلند ہورہے تھے اور یہ بلند و موثر آواز ان موثر نعروں کی مانند تھی جو جماعت مولویہ (صوفیہ) کی زبان سے نکلتے ہیں۔

ٹھیک اسوقت جبکہ منبر مذکور کے گرد کا مجمع نعرے لگا رہا تھا مجروح سپاہیوں اور افسروں کی جماعت یہاں پہنچ گئی اور منبر کے گرد نصف دائرہ کی وضع میں ہلال کی صورت بنا کر بیٹھ گئی یہ صورت نشست کی اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ مجروح سپاہیوں افسروں اور آستانہ کے سارے باشندوں کے نزدیک یہی مناسب وقت تھا کہ ان کو وطن کے ان ایام محزنہ میں صدر مقام پر وطن کی محرابوں میں جگہ دی جائے کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو وطن کی راہ میں مجروح ہوئے اور جنہوں نے وطن کی خاطر مصائب برداشت کئے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا ایک مسلمہ اصول ہے اس لئے ان مجروحوں کو صدر مقام میں بٹھانا "وضع الشئی فی محلہ" کے مصداق بھی تھا۔

میرے سامنے اسوقت جو منظر تھا میں اس کی غرض و غایت اور مفہوم سے بالکل ناواقف تھا میں حیرت سے ان تمام باتوں کو دیکھ رہا تھا اور خیال کررہا تھا کہ کیا یہ لوگ کسی عزیز ترین ہستی کے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے جمع

ہوئے ہین۔ کسی قوم کی خونی مجلس شاذ و نادر ہی شریک ہونگے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کئی لاکھ آدمیون کا یہ اجتماع
کیونکر ممکن ہوا بلاشبہ اتنے آدمیون کا اجتماع آسان نہین بلکہ ایک معجزہ تھا اور پھر صورت یہ کہ لوگ تکلیف
اُٹھا رہے ہین اور اپنے کاروبار اور ہزارون تعلقات کو چھوڑ کے ہوئے یہان جمع ہین اور سب کے سب اس قدر
متحد نظر آتے ہین کہ گویا وہ ایک ہی شخص ہے جب اس اجتماع مین جلسے کے اختتام سے لوگون کو آگاہ کرنے
اور خاموش رہنے کا بگل بجایا گیا تو مین نے دیکھا کہ ایک یا دو فرلانگ تک جو وہان موجود تھے جنگی گھوڑون کی
طرح دوڑ کر سیاہ توپی جھنڈے کے نیچے مجروح سپاہیون کے قریب پہنچ گئے اور یہ بات اُن کے خیال سے
بالکل اُتر گئی کہ کل وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے جنگ کر رہے تھے۔

جس مقام پر ہم لوگ کھڑے تھے وہان سے اُن لوگون کو ہم نہین پہچان سکتے تھے جو صدر مقام پر تھے
اور نہ اُن کی تقریرین سنائی دیتی تھین البتہ کبھی کبھی ایک خاتون کی بلند آواز سنائی دیجاتی تھی جو فضا کو چیرتی
ہوئی نکل جاتی تھی یا ایک شخص کے کچھ الفاظ سننے مین آجاتے تھے جو ہوا مین منتشر ہوجاتے تھے، بایں ہمہ
مین نے تقریر کرنے والون مین سے ایک شخص کو پہچان لیا، اس شخص کا نام محمد امین بک تھا اور اس کے سر
کے بال برف کی مانند سفید تھے۔ مین اس شخص کو قوم کا بزرگ اور ولی سمجھتا تھا یہ شخص سپاہیون کی طرف جھکا
ہوا تقریر کر رہا تھا اور سپاہی اس کی تقریر سے بہت متاثر تھے اور ان کے دل دھڑک رہے تھے حالانکہ جس روز
وہ توپون کے سامنے کھڑے دشمن سے لڑ رہے تھے اُن کے قلب مین اُسوقت سکون و اطمینان تھا، مجروح سپاہی
خاموش سر جھکائے امین بک کی تقریر سن رہے تھے اور آنسو اُن کی آنکھون سے جاری تھے۔ مین نے دیکھا کہ میرے
پہلو مین عائشہ اور جمال کی بھی یہی حالت تھی اور وہ دونون بھی مصروف گریہ تھے۔ مین نے عائشہ کے چہرہ پر
نظر ڈالی تو مجھے اُس کے چہرہ پر غم و الم کی علامات نمایان نظر آئین، اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھون سے آنسوؤن
کے قطرے اس طرح مسلسل جاری تھے جس طرح بلور کی تسبیح کے خوشنما دانے ڈھلک رہے ہون۔

آہ میرے خوبصورت و خوشنما محبوب وطن! اس میدان (میدان سلطان احمد) مین بہت سے بڑے
بڑے شہنشاہون اور خاندان شاہی کی خواتین کے جلوس گذرے ہین انھون نے یہان گھوڑ دوڑین، اور
فوجون کی نمائشین دیکھی ہین اور چلے گئے ہین لیکن اس میدان ازلی کو آج سے پہلے کبھی یہ موقع نصیب نہین
ہوا ہوگا کہ اسکو ساری قوم کے آنسوؤن نے پاک کیا ہو اور اُس مین کوئی ایسا اجتماع یا مظاہرہ ہوا ہو جس نے
بازنطینیون اور عثمانیون کے جاہ و جلال کو ماند کر دیا ہو، کیا قوم کو علوی اسرار کی روح نے جس نے جدید ترکی کو

شرفِ وجود بخشا ہو یہ سمجھایا ہو کہ وہ الفونسا ہم کو واپس لائیں گی خوشی و افتخار کی وہ انتہائی حد تک پہنچا دیں گی اور
جس نے اس کی نظروں میں پہلے ... اس کے بچوں اور شوہر کو اس کی آنکھوں کے سامنے تباہ و برباد کر دیا تھا آج تک
بھی اس کا ... قانون آشنا نہیں ہے۔

اسی اثنا میں - ہمیں پہلے ان ہوائی جہازوں کی ... آواز سنائی دی گویا وہ سمندر کی گہرائی سے
نکلی ہو اس آواز سے ہوا میں تموج پیدا ہوا اور ہم کو یہ محسوس ہوا کہ ... آسمان ... میں
دوڑ رہی ہیں، وہ کالے ہوائی جہاز ... اس وقت لوگوں کی جو کیفیت
تھی اس کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ان پر ایک ایسا احساس مسلط تھا جو موت سے زیادہ سخت تھا
اس احساس ہی کی وجہ سے ایک آدمی نے بھی ہوائی جہازوں کو نہیں دیکھا اور اسی طرح سامعین بیٹھے رہے گویا ان کو ہوائی
جہازوں کی پرواہ ہی نہیں ہے۔

عائشہ کی آنکھوں سے - آنسوؤں کی بارش جاری تھی اور کبھی کبھی آنکھوں سے بجلی کی سی چمک نمایاں ہو
جاتی تھی یہی حالت اُن پچاس ہزار برقع پوش خواتین کی بھی تھی جو اس اجتماع میں شریک تھیں پھر ہم جلسہ گاہ
سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے، اس اجتماع سے ہم نے یہ حاصل کیا کہ ہمارے قلوب میں ایک عجیب غریب طاقت پیدا
ہو گئی اور ہماری ہمتوں اور ارادوں میں استحکام ہو گیا۔

جب ہم آدمیوں کے سیلابِ عظیم کیساتھ اُس سڑک پر روانہ ہوئے جو "البارک" کی طرف جاتی ہے
تو قہوہ خانہ مسرۃ سے تین شناسا نوجوان فوجی افسر ہمارے ساتھ ہو لئے اِن کے نام "خیری، سالم، اور
احمد سلیم" تھے اِن کے گول چہروں پر اسوقت چمک نمایاں تھی اور یہی حالت اسوقت آستانہ کے تمام باشندوں
کی تھی اگرچہ اس امر کا کوئی واضح سبب موجود نہ تھا کہ لوگوں کی اُمیدیں کیوں تازہ ہو گئی تھیں بہر نوع اس
اجتماع میں مظلوم اقوام کی طرح ترکی قوم نے مظلومیت کا تاج سر پر رکھ لیا تھا اور یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ
اب ہر انسان اُس کا معاون و مددگار اور ہمدرد ہوگا اور یہ خیال تسکین قلب کے لئے کافی تھا اس خیال
سے تسکین پاکر ترکی قوم نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ "دُنیا کی اقوام ہماری دوست و خیر خواہ ہیں لیکن حکومتیں
ہماری دشمن ہیں"

تینوں فوجی افسروں نے عائشہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا یقیناً وہ اُس دردناک حادثہ سے واقف ہو نگے
جو عائشہ کو پیش آیا تھا اور غالباً اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ عائشہ کو دیکھکر اتنا ہی متاثر ہوئے جتنا کہ اُن سیاہ

عثمانی جھنڈون نے جو جامع سلطان احمد کے منارون پر نصب تھے اُن کو متاثر کیا تھا بلا شبہ عائشہ کا شکستہ بازو اُن دردناک مصائب و آفات اور خونی ذلت کی زندہ یادگار تھا جو قوم پر نازل ہوئے تھے۔

مظاہرہ کے جلوس کے ساتھ ہم سب پل سے گذر کر جب محلہ بابا ادغلی مین پہونچے تو ہم نے دیکھا کہ وہان کے تنومند مضبوط اور مسلح باشندے یہ الفاظ سنکر "ترک آگئے" راستون سے پیچھے ہٹ گئے اور ہم یہ خواب دیکھتے آگے بڑھے کہ ہم اپنے ملک کے اندر ہین اگرچہ یہ خواب خیال چند ہی منٹ کا تھا بہر نوع اسی طرح ہم محلہ شیشلی مین پہنچکر اپنے گھر مین داخل ہوگئے۔

---

۷ رنومبر ۱۹۲۱ء

کچ دن بھر برف گرتی رہی اور اپنی ٹانگون کے نصف بقیہ حصہ مین سردی سے مجھے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا رات بھر مجھے نیند نہین آئی اور تکلیف مین مبتلا رہا۔ اس تکلیف نے مجھے وہ سخت ایام یاد دلائے جو مظاہرہ سلطان احمد کے بعد ہم پر گذرے تھے ہان وہ ایام جن مین عائشہ کی رنج والم سے بھری سبز آنکھین ہماری طرف اس طرح دیکھتی تھین گویا وہ ہم سے کسی چیز کا مطالبہ کر رہی ہین۔ یہ نگاہین ہمارے قلوب کو پاش پاش کر دیتی تھین ہان عائشہ ہم سے ایک بات کا مطالبہ کر رہی تھی اُس کا مطالبہ قابل قبول لیکن نہایت خطرناک تھا، اُس کی نگاہین دریافت کرتی رہتی تھین کہئے کیا ارادہ ہے؟ ہان اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھون کی سُرخی ہم سے پوچھتی تھی کہو کیا قصد ہے؟ ہم اپنے ذہن مین طرح طرح کی باتین پیدا کرتے تھے اور ہم مین سے ہر ایک اُس کے سوال پر غور کیا کرتا تھا اور اُس کی مختلف صورتین نکالا کرتا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ باوجود کافی غور۔ تامل اور تاویلون کے بھی ہم اُس کے اُس مفہوم کو نہ پاسکے جسکا اظہار اُسنے ایک روز کیا تھا۔

عائشہ زیادہ باتین نہ بناتی تھی بلکہ وہ اکثر خاموش اور مسلسل غور وفکر مین رہا کرتی تھی اُس کے جسم سے سیاہ ماتمی لباس ایک لمحہ کو جدا نہ ہوتا تھا اور اُس کا دایان بازو ہر وقت سفید پٹی سے بندھا رہتا تھا اُس کے دونون شانون کے اوپر جو قدرے کھلے ہوئے رہتے تھے اُس کی گردن اور سر کے سیاہ بالون کا بندھا ہوا جوڑا ایک ایسی تصویر پیش کرتے تھے جیسی کہ قدیم زمانہ مین ہاتھی دانت کی بنائی جاتی تھین، اُس کی سبز رنگین آنکھین اور بڑے بڑے سرخ ہونٹ گویا کہ الوان (رنگ) کے دو نغمے تھے جو اس نسوانی مجسمہ سے برآمد ہوتے تھے جو سفیدی اور سیاہی سے مرکب تھا، اُس کی آنکھون پر اگرچہ ایک سیاہ ریشمی پردہ پڑا رہتا تھا لیکن ان

بلا رہا تھا۔

ہم سب چار پینے میں مشغول تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک لڑکے کے بعد اپنی عظمت و شان مخصوص کے ساتھ سیدہ سالمہ کمرے میں داخل ہوئی اسوقت وہ زرکار لباس میں ملبوس تھی، سیدہ سالمہ کی عادت تھی کہ وہ احسان اور مجھ سے کوئی بات نہ کرتی تھی اور نہ ہم دونوں سے مخاطب ہوتی تھی کیونکہ اُس کا یہ خیال تھا کہ ہم دونوں گمنام و بے قدر اور ضعیف آلرائے ہیں لیکن اُس کی نظروں میں میری ماں کی بہت قدر و منزلت تھی اور ہمارے مکان کو محلہ شیشلی میں جو اہمیت حاصل تھی اس کا بھی اُسکو اعتراف تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ میری ماں اور ہمارے مکان پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتی تھی چونکہ سیدہ سالمہ کو جمال سے سب سے زیادہ محبت تھی اس لئے آج اُس نے جمال کی طرف پوری توجہ کی عائشہ سے سیدہ سالمہ آج پہلی بار ملی تھی سلام و دعا کے بعد سیدہ سالمہ نے ایک گہری نظر عائشہ پر ڈالی اور اُس کے دراز قامت کو غور سے دیکھکر کہا۔

آہ ایسی ایسی بے گناہ عورتیں آج اتحادیوں (انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان) کے جرائم کی سزا بھگت رہی ہیں۔

عائشہ اپنی کرسی پر خاموش بیٹھی تھی گویا اُس کو سیدہ سالمہ کے آنے کی خبر ہی نہیں ہو۔ عائشہ کی عادت تھی کہ وہ اُن لوگوں سے جو اُن کے پاس آیا کرتے تھے سلام و دعا سے پیش آتی اور اُن کے درمیان چلتی پھرتی رہتی تھی لیکن وہ اپنے اطوار سے یہ ظاہر نہ ہونے دیتی تھی کہ وہ اِن آنے جانے والوں سے آشنا یا واقف ہی اُس کی یہ عادت اس امر پر مبنی نہ تھی کہ وہ ایک سادہ لوح عورت تھی یا وہ ان لوگوں کو اپنے سے کم رتبہ جانتی تھی اور نہ اس کا سبب وہ سخت رنج و الم تھا جو اُسپر محیط تھا بلکہ اس کی وجہ صرف وہ گہرا اخلاص تھا جو اُسمیں پایا جاتا تھا اور جو اُس کو اس امر پر مجبور کرتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے مجتنب رہی جو اُس کی ظاہری آنکھوں کی سطح سے زیادہ گہرائی تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے ہیں، عائشہ کے یہ طور طریقے لوگوں کو اُس سے ہمدردی کرنے یا اُس سے کسی امر پر بحث و گفتگو کرنے یا اُس کی حمایت میں حصہ لینے سے باز رکھتے تھے، سیدہ سالمہ نے عائشہ کو غور سے دیکھا لیکن اُس کی وسعت نظر کو وہ معلوم نہ کر سکی، اور اُس نے یہ خیال قائم کر لیا کہ وہ ایک سادہ لوح دیہاتی عورت ہو جو غیر ملکی زبانیں نہیں جانتی، سیدہ سالمہ کی نظر بیچ چونکہ وہ عورت کوئی حیثیت و وقعت نہیں رکھتی تھی جو فرانسیسی اور انگریزی زبانیں جانتی

ہو اس لئے عائشہ کی طرف اُسنے زیادہ توجہ نہین کی۔

سیدہ سالمہ نے جو الفاظ مقبل بک دعائشہ کا شوہر اُکے دردناک انجام کے متعلق کہے تھے اُن سے عائشہ کی نسبت جمال زیادہ متاثر ہوا اِن خوفناک الفاظ سے متاثر ہوکر جمال نے بہ نظر استفسار اپنی بیگانی آنکھون سے عائشہ کی طرف دیکھا لیکن عائشہ غیر متاثر تھی اُس کا چہرہ ایک ایسے دریا کی طرح مطمئن تھا جو ساکن ہو اور اُس مین نہ تو موجین ہون اور نہ ہو الہرین پیدا کر رہی ہو۔ سیدہ سالمہ بھی اسوقت خاموش تھی اور اپنی تیز و چمکدار آنکھون سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی؛ چند منٹ کے بعد سیدہ سالمہ نے کہا۔

عزیزی جمال بک آجکل آستانہ مین انگلستان کے بعض اخبارات کا ایک نامہ نگار آیا ہوا ہے جو ہمارے ملک کی خبرین فراہم کر رہا ہے ہم نے اُسکو بتلا دیا ہے کہ آستانہ مین اب ایک بھی اتحادی (انجمن اتحاد و ترقی کا رکن) موجود نہین ہے اور آستانہ کے سارے باشندے انگریزون کے دوست اور خیر خواہ ہین اور یہ کہ سمرنا پر یونانیون کے قبضہ نے ہم پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ ہم نے اُس نامہ نگار سے یہ بھی کہدیا ہے کہ سمرنا سے ایک شریف و معزز خاتون آجکل آستانہ مین آئی ہوئی ہے یونانیون نے اُس کے شوہر اور معصوم بچہ کو مار ڈالا ہے اور وہ خود بھی مجروح ہے۔ ہم اس نامہ نگار کو ایک روز یہان لائین گے تاکہ عائشہ اپنا حادثہ اُس سے خود بیان کرے اور یونانیون کی وحشت و بربریت کا افسانہ اُسکو سُنائے۔

سیدہ سالمہ کے الفاظ سُنکر عائشہ نے کہا۔

یہ امر میری طاقت سے باہر ہے کہ مین کسی کو اپنا دردناک حادثہ سناؤن۔

سالمہ۔ عائشہ اسمین کوئی حرج نہین ہے نامہ نگار کو آنے دو اور اُس سے اپنا واقعہ بیان کردو۔ ہم اُس کو اُن دردناک حوادث کی تفصیل جو سمرنا مین وقوع پذیر ہوئے ہین سنائین گے اور پھر تم جو بیان دوگی ہم اُس کا ترجمہ کر دین گے۔

اِن الفاظ کو سُنکر عائشہ غضبناک ہوگئی لیکن یہ غضب و غصہ خطرناک درجہ تک نہین پہنچا البتہ اُسکا اثر اُس کے چہرہ پر نمایان ہوگیا اُس کا کمزور و نحیف جسم کانپنے لگا اور چہرہ بالکل سُرخ ہوگیا، اسی حالت مین عائشہ نے کہا۔

مین نہین چاہتی کہ میری زبان سے اس کے متعلق کوئی حرف نکلے۔

عائشہ کی زبان سے یہ الفاظ سنکر جمال نے اُس کے نتائج کے متعلق خطرہ محسوس کیا اور اضطرابٗ

بےچینی کی حالت میں ایسی ہو رہی تھی۔ تھکرائی ہوئی آنکھوں سے عائشہ کی طرف دیکھا چند منٹ کے بعد جمال کا اضطراب جاتا رہا کیونکہ اس نے دیکھا کہ عائشہ پر سکون خاموشی طاری ہے اور کشمکش ختم ہو رہا ہے اور یہ بلاشبہ ایک معجزہ تھا کہ اس وقت عائشہ کا غصہ فرو ہو گیا تھا۔ سکون ... عائشہ نے متانت سے یہ اظہار کیا۔

اگر جمال کی خواہش ہوگی تو میں اس وقت ... آپ کے ساتھ اجتماع میں شریک ہو جاؤں گی،

سیدہ سالمہ نے طیش میں آکر عائشہ سے کہا۔

خاتون معاف کرنا میں نہیں چاہتی کہ آپ کو اپنے الفاظ سے دکھ دوں لیکن اس امر واقعہ کے اظہار میں مجھے کچھ بھی تامل نہیں ہے کہ جن لوگوں نے ملک کو ... پہنچایا ہے وہ در حقیقت آپکے خاوند اور پاشاہی ہیں اور ہم کو اب اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم ... اپنی جانب مائل کریں اور ان کی ہمدردی و شفقت حاصل کریں تاکہ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس سے ہم کو نجات میسر ہو سکے۔ میں تم کو یاد دلاتی ہوں کہ اتحادیوں (انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان) نے ہمارے شوہروں اور بہت سے بھائیوں کو پکڑ پکڑ کر موت کے گھاٹ اتارا اور پھانسیاں دی ہیں ایسی حالت میں تم کیا چاہتی ہو کہ ہم ان کے ساتھ کیا کریں۔

عائشہ نے جواب دیا "سیدہ سالمہ میں سیاست سے بالکل ناواقف ہوں لیکن ہاں میں نہ تو کسی کی ہمدردی کی خواستگار ہوں اور نہ کسی کی شفقت کی محتاج ہوں"

یہ کہکر عائشہ خاموش ہو گئی اور پھر سیدہ سالمہ کی بڑی بڑی تقریروں اور غضبناک الفاظ کا نہ تو اس نے کوئی جواب دیا اور نہ مخاطب ہوئی۔

مختصر یہ کہ جو طوفان اٹھا تھا وہ فرو ہو گیا اور سیدہ سالمہ اور جمال نے ان لوگوں کے نام لکھے جنکو نامہ نگار کے ساتھ بلایا جانیوالا تھا ان لوگوں میں ایک شخص کرنل حشمت بے بھی تھا۔

---

۹ نومبر ۱۹۲۱ء

اس انگریز نامہ نگار کو میں ہمیشہ رنج و غضب اور نفرت کے ساتھ یاد رکھوں گا جلسے کے دن وہ کمرہ میں اس شان سے بیٹھا تھا گویا اس کے پاس اور کوئی آدمی نہیں ہے اس کی لمبی لمبی پنڈلیاں اور گھٹنے اس کی نیکر کے نیچے صاف نظر آرہے تھے اور وہ اپنے بڑے بڑے پاؤں کو کرسی پر بیٹھا حرکت دے رہا تھا اس کا سر جس پر تھوڑے سے بال تھے اس باشہ (باز) سے مشابہ تھا جس کے پر نوچ ڈالے گئے ہوں ناک لمبی اور موٹی تھی آنکھیں گڑھوں

کی مانند چھوٹی چھوٹی ٹیلیوں اور جھنویں بیٹہ دستی ہوئی تھیں جو اُس کی خاص شان کا جزو اُس کی بڑی بڑی مونچھیں
کٹی ہوئی اور دونوں ہونٹوں کو ڈھانپے ہوئے تھیں لیکن اُن کا کوئی خاص رنگ نہ تھا مونچھیں اس قدر بڑھی تھیں اور
منہ کے دہانہ کو ڈھانپے ہوئے تھیں کہ جب وہ بات کرتا تھا تو بیساختہ شبہ ہوتا تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ مذاق کر رہا
ہے یا باتیں کر رہا ہے ایک اور چیز جو اُس کی طرف دیکھنے والے کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی وہ اُس کے قلیل التعداد
زرد زرد دانت تھے جو کلہاڑی کی مانند تھے وہ جب بات کرتا یا ہنستا تھا تو لمبے لمبے دانت نمایاں ہو جاتے تھے
مختصر یہ کہ یہ انگریز نامہ نگار برطانوی شہنشاہیت کی دراز دستی استعمار کا ایک مجسم نمونہ تھا وہ انتہا درجہ کا مغرور۔
متکبر اور خودپسند تھا اور دوسروں کو نفرت و حقارت سے دیکھتا تھا، فتح کے نشہ میں مست و مخمور تھا اور اُن لوگوں
کو جو نوآبادیوں میں بستے تھے اور جن کو وہ دیسی کہا کرتا تھا اپنی خواہشات پر قربان کرنے اور اپنے پاؤں میں روند
ڈالنے پر آمادہ رہتا تھا۔

کمرہ میں کرنل حشمت بک بھی اپنی خاص شان خودداری سے کرسی پر بیٹھا تھا اُس کی زلفیں جن میں سفید
بالوں کی تعداد زیادہ تھی نمایاں تھیں، کرنل حشمت بک کی شان نشست ایک متین و سنجیدہ سپاہی کی سی تھی،
ایک پاشا اسوقت کرنل موصوف سے پریسیڈنٹ ولسن کے تسلیم کئے ہوئے چودہ اصول پر گفتگو کر رہا تھا، سیدہ سالمہ
جو ہمیشہ سب کو کرگس کی طرح سر سے پاؤں تک دیکھا کرتی تھی متکبر و مغرور انگریز نامہ نگار کے سامنے سر جھکائے
بیٹھی تھی گویا وہ اُس کی نظر میں سب سے بڑا انسان ہے۔ سیدہ سالمہ نامہ نگار سے دلچسپی کی باتیں نہایت تواضع
اور انکسار کے ساتھ کر رہی تھی اور اُس کی بات بات سے خوشامد و چاپلوسی ٹپکتی تھی، جمال خاموش بیٹھا ہوا
نامہ نگار اور سیدہ سالمہ کی باتیں سن رہا تھا اور اُس کی نگاہیں بتلا رہی تھیں کہ وہ نہایت صابر و مستقل مزاج
ہے، عائشہ کسی قدر فاصلہ پر سیاہ نقاب چہرہ پر ڈالے بیٹھی تھی اور اُس کے بشرہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسوقت
جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسکو سمجھنے سے قاصر ہے اُس کا بازو اسوقت پٹی سے خالی تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اُس
کے بازو سے پٹی جدا نظر آتی تھی، عائشہ کا مقصود بازو پر پٹی باندھنے سے یہ تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ
اُس کا بازو شکستہ یا زخمی ہے اور تاکہ لوگوں کے قلب میں اُس کے بازو کو دیکھکر ہمدردی پیدا نہ ہو۔

آہ وہ دن بھی عجب دردناک، سخت اور تلخ تھا، انگریز نامہ نگار کبھی نرم پڑ جاتا اور عائشہ کے بیانات کو
سن کر سر کو جنبش میں لے آتا تھا اور کبھی اپنے مونچھوں کے اندر چھپے ہوئے ہونٹوں سے فرانسیسی زبان میں سخت
لب و لہجہ کے ساتھ کہتا تھا۔ "محترمہ عائشہ آپ فضول کوشش کرتی ہو انگلستان ہرگز تمہارے گناہوں کو

معاف مت کریں گے تم نے درد دینا لیکن ہزار انگریزوں کو قتل کیا ہے۔"

سیدہ سالمہ نے نامہ نگار کے الفاظ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب دیا۔

مسٹر کک! یہ قصور اتحادیوں (انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان) کا ہے ہم جنگ کے حامی نہیں تھے ہم انگریزوں کی دوستی و ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے پر تیار ہیں۔

کرنیل حشمت بک نے سیدہ سالمہ پر اعتراض کرتے ہوئے طمانیت کے لہجہ میں کہا "نہیں نہیں سیدہ سالمہ تمہارا خیال درست نہیں ہے سلطنت کی حفاظت اور ملک کی مدافعت کرنے والے صرف اتحادی ہی نہیں تھے"

کرنیل حشمت بک کے الفاظ نے مسٹر کک (انگریز نامہ نگار) کی آنکھوں میں مکر و فریب کی چمک پیدا کر دی اور اُسنے کرنیل کے جواب میں کہا۔

کرنیل کیا تم ہم کو یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ تم اتحادیوں میں سے نہیں ہو واقعہ یہ ہے کہ تم سب کے سب (ساری قوم) پاشا سے لیکر ایک معمولی عورت تک یک رائے و ہم خیال ہو اُس وقت تم کہاں تھے جبکہ اعلان جنگ کیا گیا تھا؟ پھر تم نے انگریز قیدیوں کیساتھ کیوں بُرا برتاؤ کیا؟ اُنھوں کو کیوں تم نے ذبح کیا؟ پھر تم انگریزوں جیسی دنیا کی بڑی قوم کے مقابلہ میں کیوں آئے؟ تم نے گذشتہ سالوں میں اپنے خون کو مفت بہایا اپنی دولت فضول ضائع کی اور بیکار اپنی جانوں اور اوقات کو قربان کیا، انگریز ہرگز تمھارے قصور کو معاف نہ کریں گے۔

حشمت بک۔ مسٹر کک میرا خیال یہ نہیں تھا کہ میں اس وقت ایک ایسی عدالت میں بحیثیت ایک ملزم کے موجود ہوں جو انگریزوں نے میرے متعلق فیصلہ دینے کے لئے مقرر کی ہے۔ بہرحال میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ہم غلط فہمی کو رفع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیدہ سالمہ نے ہم کو اطلاع دی تھی کہ آپ ہم سے ملنا چاہتے ہیں ہم اس جگہ صرف اسی خیال سے جمع ہوئے ہیں کہ آپ کی خواہش کو پورا کریں اور غلط فہمی کے ازالہ کی سعی کریں۔

مسٹر کک۔ ہاں۔ ہاں کرنیل آپ کا خیال قابل قدر ہے چونکہ تفاہم ضروری ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ گذشتہ باتوں پر پردہ ڈال دیا جائے اور آپ ہم سے سمجھوتہ کر لیں، برطانیہ کی حمایت ......

مسٹر کک کا جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک لمحہ کے بعد احسان چار نوجوان فوجی افسروں کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوا جب یہ سب لوگ بیٹھ گئے تو مسٹر کک نے کہا۔

ہاں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم متحدہ طور پر برطانیہ کی حمایت کا مطالبہ کرو، ہندوستان پر نظر ڈالو وہاں کی

آبادی برطانوی حکومت کے زیر سایہ کس قدر خوش و خرم اور راحت و سعادت مین ہو باشندگان ہندوستان ہر وقت خدا سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے رہتے ہین کہ وہ اُن کو گوری قوم کی حکومت سے محروم نہ کرے اگر تم نے برطانوی حمایت کا مطالبہ کیا تو مین بہ یقین کے ساتھ نہین کہہ سکتا کہ برطانیہ اس اہم اور مشقت طلب کام کو قبول کریگی یا نہین اور تمھارے مطالبہ کو منظور کریگی یا نہین، بہر حال اُسوقت جو صورت پیش آئے اِس امر سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ تمھارے لئے موجودہ مصائب سے نجات حاصل کرنیکا صرف یہی ایک ذریعہ ہے پھر اگر تم نے خلوص و عقیدت کے ساتھ ندامت کا اظہار کیا تو بہت ممکن ہے کہ انگلستان اُن ۲۰ ہزار انگریزون کے قتل کے قصور کو بھی معاف کردے جن کا خون تم نے دردانیال مین بہایا ہے۔

مسٹر کوک کے الفاظ سے کمرہ مین سناٹا چھا گیا، اسوقت مین اسقدر شرمندہ اور متاثر تھا کہ نوجوان فوجی افسرون سے آنکھ نہ ملا سکا، چند منٹ کے بعد سیدہ سالمہ نے جسکے چہرہ کا رنگ اسوقت سرخ ہوگیا تھا، فرانسیسی زبان مین مسٹر کوک کو مخاطب کرکے کہا۔

آہ جناب والا ہم ضرور انگلستان کو آمادہ کرین گے کہ وہ ہمارے قصور کو معاف کردے۔

سیدہ سالمہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی یہ الفاظ کمرہ مین گونجتے ہوئے سنائی دیے۔

جو شخص انگلستان سے معافی چاہے انگلستان اُسکو معاف کردے۔

اِن الفاظ نے مجھے گھبرا دیا اور خوف مجھ پر طاری ہوگیا مگر احسان اُٹھا اور عائشہ کی طرف بڑھا احسان کا خیال تھا کہ ممکن ہو یہ الفاظ عائشہ کی زبان سے نکلے ہون اور ان سے اُسکو کوئی خطرہ لاحق ہو جائے پھر حشمت بک اور دوسرے فوجی افسرون نے بلکہ پاشا نے بھی احسان کو عائشہ کی طرف جاتا دیکھکر عائشہ پر غور سے نظر ڈالی۔

یہ الفاظ عائشہ ہی نے کہے تھے وہ نہایت طمانیت کے ساتھ کرسی پر بیٹھی تھی اور اُس کے چہرہ پر کوئی اثر تغیر محسوس نہ ہوتا تھا۔ صحیح فرانسیسی زبان مین یہ الفاظ کہے گئے تھے اِس وقت اُس کی آنکھین بڑے بڑے سیاہ حلقون مین گردش کر رہی تھین اور دیکھنے والے کو اُن مین خودداری، اور اپنے آپ پر بھروسہ رکھنے کا مفہوم نظر آتا تھا۔ پھر اُس کی آنکھون سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک مخفی نہ مٹنے دینے والی قوت اپنے اندر رکھتی ہے۔ عائشہ نے اُس اثر کو محسوس بھی نہین کیا جو اُس کے الفاظ نے کمرہ اور لوگون کے دلون مین پیدا کیا تھا اور پھر اُسنے تتمہ کلام کے طور پر کہا۔

جس روز ہم درۂ دانیال پر پہنچے تھے اگرچہ ہم سمجھتے تھے کہ اس روز تم ترکوں پر بازی لے جاؤ گے اور نہ ... بلکہ ہم ایک شریف قوم کی
طرح لڑے تھے۔ ہم نے تم کو شکست دیا اور تم نے ... کیا وہ قوم جو جنگ کے بعد شکست پا جائے اُس کو قاتل
کہا جا سکتا ہے۔

مسٹر کوک۔ محترم خاتون تو کیا انگریزی خون اور ترکی خون ایک ہی چیز ہے۔

عائشہ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انگریزی خون کو کبھی نہیں دیکھا اس لئے میں نہیں جانتی کہ وہ ترکی
خون کی طرح سرخ ہوتا ہے یا نیلا لیکن ہاں ترکی خون کے رنگ سے میں واقف ہوں ترکی خون سرخ ہے اور
انگارے کی مانند گرم۔

مسٹر کوک۔ خاتون تمہارا خیال صحیح ہے۔ میں نے ترکی خون کی توہین نہیں کی میرا منشا صرف یہ ظاہر
کرنا تھا کہ تم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ تم انگریزوں کو اس امر پر آمادہ کرو کہ وہ تمہارے قصور کو معاف کر دیں۔

عائشہ۔ اور ان لوگوں کے قصور کی نسبت تم کیا کہتے ہو جنہوں نے میرے بچہ کو قتل کیا ہاں اس معصوم مسکین
اور چھوٹے سے بچہ کو جو میری دولت تھا اس کے سینہ کو گولی کا نشانہ بنا کر بے رحمی کی گئی اور وہ دم توڑ کر مر گیا ہاں
اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے آنسو خشک نہ ہونے پائے تھے کہ وہ مر گیا نامراد قاتلوں نے اس معصوم بچے کے
قلب کو اپنی بندوقوں کا نشانہ بنایا اور گولی اس کے سینہ میں پیوست کر دی اور وہ اس سے پہلے کہ اس کے
چھوٹے چھوٹے ہونٹوں سے ماما کا کلمہ نکلے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

یہ الفاظ عائشہ نے نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کئے احسان بیگ عائشہ کے پیچھے اس کی کرسی کی پشت کو
مضبوطی سے پکڑے بیٹھا تھا اور اس کے خوف زدہ چہرہ پر اضطراب و خطرہ کے آثار نمایاں تھے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسوقت مسٹر کوک کو اس حقیقت کا علم ہوا یا نہیں کہ بعض اوقات مظلوم ظالموں کی
نسبت زیادہ قوی ہوتے ہیں لیکن ہاں اُسنے یہ ضرور محسوس کیا کہ اس کمرہ کی فضا زیادہ سرد اور خطرناک ہو گئی
ہے۔ اس احساس کے بعد وہ نہایت وقار کے ساتھ اُٹھا اور مجروح سانپ کی مانند پرجوش و غضب لہجہ میں کہا۔

آج رات آپ حضرات نے بہت سرد الفاظ سے میری ضیافت کی اسپر میں آپکا شکر گزار ہوں۔

یہ کہکر وہ کمرہ سے باہر نکل گیا اور اُس کے ساتھ ہی سیدہ سالمہ بھی چلی گئی لیکن نہ تو کسی نے اُن سے ہاتھ
ملایا اور نہ دروازہ تک مشایعت کی البتہ میں اُن کے ساتھ دروازہ تک گیا اور اُن کو رخصت کیا۔

مسٹر کوک اور سیدہ سالمہ کو رخصت کر کے جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ نوجوان فوجی افسر جنہیں حشمت بک

(۳۷)

عائشہ دوسرے مکان میں

۱۰ر نومبر ۱۹۲۱ء

ادہر اُس رات کے بعد نہ تو مسٹر کرک ہی ہمارے اجتماع کے مقام پر آئے اور نہ سیدہ صالحہ اور آمہر ہمارے نوجوان فوجی افسروں کا جوش سمرنا جانے کے لئے بہت بڑھ گیا چند روز بعد آستانہ (قسطنطنیہ) کی فضا میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگئی یعنی آستانہ میں جوش اور شورش کی ہوا نے لوگوں میں اپنے فرض کے احساس کا جذبہ پیدا کیا اور آبادی میں یہ خواہش بڑھنے لگی کہ وہ سمرنا کی مصیبت میں حصہ لے جو لوگ اس جذبہ سے بے چین تھے وہ ایسے ذرائع کی تلاش میں تھے جو سمرنا جانے میں اُن کے معین ہوں رہنا، نامہ نگاران اخبارات سے ملنے اور پروپیگنڈا کرنے کے لئے چارکی دعوتوں کا سلسلہ عوام کو اُس سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی اور صرف مدارس کے طلباء اور محلہ ششلی کی خواتین اس خبط میں مبتلا تھیں، کچھ دنوں کے بعد پروپیگنڈا کرنے والی جماعتوں کے مقابلہ میں ایک اور شئے نے ترقی حاصل کی اور وہ یہ ”حقوق سمرنا کی حفاظت“ کا جذبہ تھا جس نے لوگوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔

اِن واقعات و حوادث کے ایام میں میری خانگی زندگی ایک جدید انقلاب کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ سیدہ صالحہ کے دوستوں اور شوہر نے چونکہ یکے بعد دیگرے ہمارے ہاں آنا جانا ترک کر دیا تھا اس لئے والدہ اس سے بہت متأثر تھیں اور اس کا اُن کو بہت رنج تھا، اُن کا خوف واِنتشار یہ سُنکر اور بڑھ گیا کہ انگریز ہمارے مکان کی نگرانی کرتے ہیں اور یہ کہ حکومت عنقریب مجھ کو گرفتار کرے گی اور اتحادیوں کو الٹا جلا وطن کر دیا جائیگا، اِن تمام باتوں نے میری والدہ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ ہم نے اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ہماری تحریک اعتدال سے متجاوز ہوگئی ہے اور یہ کہ جوش و شجاعت کی وہ زندگی جو اُن کے (والدہ کے) اور لوگوں کے درمیان حائل ہوگئی ہے اُس وقت سے شروع ہوئی ہے جب سے کہ عائشہ مکان میں داخل ہوئی ہے میری والدہ نے اگرچہ یہ خیال قائم کر لیا تھا لیکن وہ اپنے خیالات و جذبات کو ظاہر نہ کرتی

تھین البتہ وہ کبھی کبھی یہ دریافت کرلیتی تھین کہ جمال و عائشہ کچھ زیادہ عرصہ تک یہان قیام کرینگے یا چند روز اور اس معاملہ مین وہ مجھکو بھی تنگ کیا کرتی تھین۔ جس روز عائشہ کو "بہشت سرمایہ" کا خطاب دیا گیا تھا اُس سے ایک ہفتہ کے بعد میری ماں نے میرے اور احسان کے سامنے اس قضیہ کو پیش کیا اور اپنے خیالات سے ہم کو آگاہ کر دیا، جمال اُسوقت گھر مین موجود نہ تھا اور عائشہ اپنے کرہ مین تھی، میری ماں نے آزادی کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کی اور منجملہ دوسری باتون کے یہ بھی کہا کہ وہ کسی ایسے کام یا تحریک کو مفید نہین پاتین جس کا انجام خونریزی ہو اور یہ کہ وہ اپنے اس بڑھاپے کے زمانہ مین اس امر کو پسند نہین کرتین کہ اُن کے اور اُن کے مکان کے گرد ایک ہنگامہ شور وشغب برپا رہے پھر وہ اسکو بھی گوارا نہین کر سکتین کہ محلہ شبشلی کی اجتماعی زندگی مین جو قدر و منزلت اُن کو حاصل ہو وہ ضائع کر دی جائے اور صاحب اقتدار و معزز لوگ اُن کے مکان سے نفرت کرنے لگین۔

اس کے بعد والدہ نے کہا۔ "میرے پھوپھی زاد بھائی کی بیٹی عائشہ نے ہان اُس دیہاتی عورت نے تم سب کی عقول کو سلب کر لیا ہو اور مجھے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہو کہ کہین ہماری راہ مین اس سے زیادہ مشکلات پیدا نہ ہو جائین اور ہمارے طریق مدافعت مین اُن سے رخنہ نہ پڑ جائے"

مین نہین کہہ سکتا کہ اُسروز جس روز کہ والدہ نے اپنے خیالات سے ہم کو آگاہ کیا ہو احسان کیونکر والدہ کا ہمراز بن گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہو۔ میری ماں غور سے احسان کے لباس اور اُس کے استنبولی اوضاع و اطوار کو دیکھ رہی تھین اور اُن کا یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ احسان ہمارے خیالات اضطراب انگیز سے متنفر ہے اس خیال کی بنا پر اُنھون نے اپنے سارے جذبات و اسرار سے احسان کو آگاہ کر دیا اور پھر کہا۔

بیٹا اس معاملہ پر غور کرو اور جس مشکل مین ہم گرفتار ہین اُس سے مخلصی کی کوئی تدبیر نکالو، یہ مین مانتی ہون کہ عائشہ کا مکان اور کھیت تباہ و برباد کر دئے گئے ہین لیکن زر نقد تو اُس کے پاس موجود ہو دونون بہن بھائی ایک مکان کرایہ لے لین اور اُس مین اُٹھ جائین اگر انھون نے ایسا نہ کیا تو یقیناً اسکا نتیجہ یہ نکلیگا کہ بیاری کو اُلٹا جلا وطن ہونا پڑیگا۔ والدہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی مین کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازہ کھلا اور عائشہ کمرہ مین داخل ہوئی۔ احسان خاموش بیٹھا تھا لیکن تاثر اُس کے چہرہ سے نمایان تھا، عائشہ کے کرہ مین داخل ہوتے ہی احسان اُٹھا اور عائشہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جس روز کہ فوجی افسروں نے عائشہ کے سامنے حفاظت ستر کا حلف اٹھایا تھا اُس روز سے عائشہ نے احسان کو نہیں دیکھا تھا اسوقت احسان کو وہ اپنی طرف متوجہ پاکر اُس کی جانب بڑھی، احسان غور سے عائشہ کو دیکھ رہا تھا لیکن عائشہ نے اُس روز سے جس روز کہ وہ آستانہ آئی تھی کبھی احسان کی طرف ایسی نظروں سے نہیں دیکھا جن سے اُس کے جذبات کا پتہ چل سکے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عائشہ نے احسان کی، آنکھوں سے آنکھیں ملائیں اور ایسی نظروں سے دیکھا جن سے ایک خاص جذبہ ٹپکتا تھا، عائشہ کی سرخ آنکھیں احسان کے چہرہ پر تھیں، شرم و حیا کے آثار دونوں کے چہروں پر نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ احسان کی مردانہ ضعیف سو بجلی کی رو کی طرح عائشہ کی آنکھوں کی راہ سے عائشہ کی روح میں سرایت کر رہا ہے اور اُس کے دل میں اُترا جا رہا ہے۔ ہاں اُس روح میں وہ پیوست ہو رہا ہے جو یاس و ناکامی کے قید خانہ میں محبوس ہو بلکہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ کمرہ گویا روشنی سے جگمگا اٹھا ہو اور پہلی نظر کے تبادلے نے ایک کو دوسرے کے سامنے جھکا دیا ہو۔ دونوں نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور گرمجوشی سے مصافحہ کیا، ٹھیک اسوقت جبکہ دونوں کے ہاتھ مل رہے تھے میں نے۔ اور میری والدہ نے اپنے فکر و تردد کو خیرباد کہا اور کمرہ کو خالی کر دیا۔ اُسوقت مصیبت کچھ زیادہ سخت نظر نہ آتی تھی اور جو تحریک ابتداء میں بغیر انجام پر نظر ڈالے شروع کی تھی وہ اب دوسری صورت اختیار کر چکی تھی اور تفریح نے متانت کی جگہ کو لے لیا تھا، احسان اور عائشہ نے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر پھر ایک بار نظروں کا تبادلہ کیا اور جو کچھ دونوں کے دلوں میں تھا اُسکو نگاہوں کے ذریعہ ایک نے دوسرے پر ظاہر کر دیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ جذبات و احساسات کا اثر عائشہ پر زیادہ نمایاں تھا لیکن ہاں اس میں شبہ نہیں ہے کہ احسان کا قلب اور آنکھیں اُسوقت سے جذبات کا گہوارہ تھیں جبکہ اُس نے عائشہ کی آمد کے دن پل کے اوپر اُس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ احسان کا قلب اور آنکھیں اس قدر مخمور تھیں کہ اُن میں بجز عائشہ کے کسی دوسرے کی جگہ باقی نہ رہی تھی۔

عائشہ نے شاید اُس انقلاب کو محسوس کر لیا تھا جو میری والدہ کے خیالات میں پیدا ہو گیا تھا کمرہ میں داخل ہو کر جب اُسنے دیکھا کہ ہم یکایک خاموش ہو گئے ہیں تو وہ ٹھٹکی اور اُسے محسوس ہوا کہ ہم کسی ایسے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے جو اُس سے تعلق رکھتا ہو اور ہم اُسکو چھپا رہے ہیں لیکن احسان اور اُس کے درمیان جو ایک کیفیت پیدا ہو گئی تھی جسکا کوئی نام نہیں تھا اُسنے اُسکو اس جانب زیادہ توجہ کرنے

رد کیا اور وہ احسان کو یہاں موجود پا کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد تین زبردست واقعات رونما ہوئے، عائشہ ایک مکان میں جو دو منزلہ اور محلہ ترک پاشا میں واقع تھا اُٹھ گئی اور والد اور عائشہ کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے، پھر وہ سب فوجی افسر بجز احسان کے جنہوں نے سمرکوک کی روانگی کے بعد ا کو حفاظت سمرنا کا حلف اُٹھایا تھا سمرنا کی طرف روانہ ہوئے روانگی سے قبل یہ فوجی افسر زر نقد کے ضرورت مند تھے، عائشہ کے اصرار سے اُن کو ایک مناسب رقم دی گئی۔ بینک میں عائشہ کے تین ہزار پونڈ جمع تھے اُن میں سے دس فوجی افسروں کو جن کا بہت اچھا حال تھا سو سو پونڈ دئیے گئے اور وہ موت کی راہ میں حقوق سمرنا کی حفاظت کے لئے سمرنا چل دئیے، تیسرا واقعہ وہ انقلاب تھا جو میرے خیالات میں پیدا ہوا تھا اور یہ انقلاب اسقدر نمایاں ہو گیا تھا کہ جب فوجی افسر سمرنا جانے کے لئے عائشہ سے رخصت ہونے آئے تو عائشہ نے اسکو محسوس کر لیا میں نے دیکھا کہ یہ فوجی افسر رخصت ہوتے وقت پورے جوش و شوق کیساتھ عائشہ کے اُس شکستہ بازو کو جسکو یونانیوں نے توڑا تھا بوسے دے رہے تھے، ان نوجوان افسروں نے عائشہ کے شکستہ بازو کو جنگ آزادی کا علم قرار دیا تھا اس بوسے نے ان فوجی افسروں کے جذبات کو بھڑکا دیا اور اُن میں کربلا کے شہداء کا سا جوش پیدا ہو گیا اور شہادت حاصل کرنے کے شوق نے اُن کو بے چین کر دیا۔ یہ فوجی افسر یکے بعد دیگرے عائشہ کے ہاتھ پر بوسے دے رہے تھے اور جب ان میں سے کوئی بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھتا تھا تو عائشہ اُس کو ایسی ہی مسحور کن نگاہوں سے دیکھتی تھی جیسا کہ اُسنے احسان کی طرف گذشتہ ماہ میں ہمارے گھر کے اندر دیکھا تھا اسوقت بھی اُس کی وہی شان تھی جو اُس روز تھی گلنار رخسارے اور نورانی چہرہ تھا اور آنکھوں سے اُمید کی چمک ہویدا تھی۔

عائشہ کو اس حالت میں پا کر میرے قلب سے وہ خطرہ دور ہو گیا جو ایک ماہ پہلے میرے دل میں پیدا ہوا تھا اور طویل مدت کی بے چینی پر مجھے افسوس ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا۔

"کیا احسان اُس مرحوم لشکر کا ایک فرد نہیں ہے جو عائشہ کے لئے، اُس کے سرسبز و شاداب شہر سمرنا کے لئے، اور اُس بڑی بڑی کالی آنکھوں والے شہید بچے کی قبر کے لئے جنگ کریگا کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں نے جو خیال قائم کیا تھا وہ محض خیال ہی ہو اور میں دھوکہ میں مبتلا ہوں لیکن بہر نوع احسان کے جذبات قلب کے متعلق میرا خیال غلط نہیں ہے احسان کی آنکھوں میں جو نور اور چمک پائی جاتی ہے وہ یقیناً عائشہ کے لئے ہے کیونکہ یہ چمک عموماً اُس کی آنکھوں میں اُسوقت پیدا ہوتی ہے جبکہ اُس کی نظر عائشہ پر پڑتی ہے۔

۱۵ نومبر ۱۹۲۱ء

انگورہ کا یہ سرد موسم مجھے اُس حرارت اور مخصوص ایام کی یاد دلا رہا ہے جو مجھ پر آستانہ میں آخر موسم گرما میں گذرے تھے میں روزانہ وزارت خارجہ سے نکل کر اُس راستہ سے جو بالعالی کو جاتا ہے عائشہ کے گھر جایا کرتا تھا محلہ شیشلی کے دائرہ اور ہمارے گھر میں عائشہ کو بھلا دیا گیا تھا اور میری ماں نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ وہ سمرنا چلی گئی ہے میری ماں نے پھر کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ عائشہ کہاں ہے اور نہ کبھی میں نے اُس کے عائشہ کے متعلق کوئی تذکرہ کیا جس روز عائشہ ہمارے گھر سے رخصت ہوئی ہے اُسی روز میں نے یہ عہد کیا تھا کہ میں جمال اور اُس کی بہن عائشہ کو اپنا بھائی اور بہن بناؤں گا۔ میں نے اس عہد کو پورا کیا اور اپنے عہد پر قائم رہا۔ عائشہ روزانہ میرے سامنے ایک ایسی نئی شان سے جلوہ گر ہوتی تھی جو مجھے تعجب میں ڈال دیتا تھا یہ وہی عورت تھی جس سے میرا نکاح کیا جانا والدہ نے قرار دیا تھا اور میں اس نکاح سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آج سے دس سال پہلے یورپ بھاگ گیا تھا، میں محض اس خیال سے اس سے نکاح کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ دیہاتی عورت ہے لیکن آج میں اُس کی ذاتی خوبیوں کا معترف تھا اور میری رائے تھی کہ جو خوبیاں عائشہ میں پائی جاتی ہیں متمدن اور یورپین فیشن خواتین کو اُن کی ہوا بھی نہیں لگی اُس کی ذہنی تربیت اُن سادہ اور واضح اصول پر ہوئی تھی جو زندگی کے تجربات پر مبنی تھے اُس میں نہ تو ریاکا شائبہ تھا اور نہ غرور و تکبر، باایں ہمہ وہ زیور علم سے بھی خالی نہ تھی اور بعض غیر زبانوں میں بھی بات چیت کر لیتی تھی۔

عائشہ کے حالات میں جو بات مجھ کو سب سے زیادہ حیرت میں ڈالے ہوئے تھی وہ اُس کا طریق زندگی تھا وہ اپنے دو منزلہ مکان میں تنہا رہتی تھی اور محلہ بھر میں بجز زینب سبزی فروش کے وہ کسی سے واقف نہ تھی اُس کے سیاہ لباس میں جو پیوند لگے تھے وہ اُس کی سادگی کا ایک بیّن ثبوت تھے وہ ہر وقت سینے پرونے میں لگی رہتی تھی اور کبھی اُس کا ہاتھ سوئی یا اُن کپڑوں سے جو وہ مہاجرین سمرنا کے بچوں کے سیا کرتی تھی خالی نہیں پایا گیا، وہ پڑھا کر اور کپڑے سی سی کر اپنے مصارف پورے کر لیتی تھی اور جو سرمایہ نقد اُس کے پاس تھا اُس کو اُس نے سمرنا کی آزادی کے لئے وقف کر رکھا تھا اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا وہ اس سرمایہ نقد میں سے کسی دوسرے کام پر خرچ نہ کرتی تھی، وہ محلہ کے بعض گھروں میں جاتی اور اجرت پر پڑھایا کرتی تھی لیکن ان گھروں کے لوگ اُس کی حقیقت سے واقف نہ تھے اور نہ وہ اپنے متعلق کسی سے کچھ بیان

کرتی تھی۔ جن گھروں میں وہ پڑھاتی تھی وہاں کے لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ بیوہ ہے اور اُس کا شوہر جنگ یورپ میں مارا گیا ہے اُس کے اوضاع و اطوار اتنے سادہ تھے کہ لوگوں کی توجہ کو جذب نہ کر سکتے تھے وہ نمود و نمائش سے بیگانہ تھی اور نہایت سادگی پسند ان تمام مشاغل کے ساتھ وہ قومی تحریک کو بھی نشو و نما دے رہی تھی ہاں اُس قومی تحریک کو جو ترکیا میں ان ایام کے اندر شروع ہوئی تھی اور جمال اور اُس کے رفقاء کار کے کاموں میں بھی جو ان ایام میں فرصت کے وقت مراسلات کرتے رہتے تھے اُن کو مدد دیتی تھی۔

عائشہ میں قدرت۔ استعداد، قربانی اور تنظیم معاشرت کی خوبیوں کے ساتھ ہی جو ایک وطن پرست خاتون کے لئے ضروری ہیں ایک بڑا وصف یہ تھا کہ وہ بچوں کی سی ایک قوت جاذبہ رکھتی تھی جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی اور وہ اس سے بہ محبت و اخلاق پیش آتے تھے اور اُس سے ہمدردی کرتے تھے وہ ایسی صحبتوں اور مجمعوں سے دور رہتی تھی جو اخلاق پر برا اثر ڈالتے ہیں یعنی اُن ناپاک امراض سے کنارہ کش تھی جن سے چھٹکارا پانے کے لئے آستانہ عہ جد و جہد کر رہا ہے وہ جب کسی ایسے ناپاک منظر اور صحبت کو دیکھتی تو اُس کے دل میں ہمدردی کا جذبہ موجزن ہو جاتا وہ مسکراتی اور اُس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتی تھی یہی وہ باتیں تھیں جو میرے قلب میں ایک خاص اثر پیدا کرتی تھیں اور مجھے اس امر پر آمادہ کر دیتی تھیں کہ میں اپنے طریقے کو بدلوں یہاں تک کہ ان باتوں کا اثر اُن امور پر بھی پڑتا تھا جن کو میں انتہا درجہ کا برا خیال کرتا تھا ہاں عائشہ کی اس ایک بے مثل خوبی نے میرے قلب کے ایک گوشہ میں ہلچل ڈال دی تھی اور میری زندگی کے اُفق کو ابر آلود کر دیا تھا اور ٹھیک اُس وقت جبکہ میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ دائمی سکون کو حاصل کیا جائے۔

میری عادت یہ تھی کہ جب میں شام کو عائشہ کے گھر کے ارادہ سے چلتا تو راستہ بھر دل میں عائشہ کی خوبیوں پر غور کرتا جاتا تھا پھر میرے دماغ میں یہ تصور بندھتا کہ عائشہ میرے سامنے کھڑی اس طرح مسکرا رہی ہے جس طرح ایک بہن اپنے بھائی کو دیکھکر مسکراتی ہے یا یہ کہ عائشہ اپنے چھوٹے سے بالاخانہ سے سینے پرونے کا کام چھوڑ کر میرے استقبال کو اُتر رہی ہے اُس کا چائے کا سماور میز پر رکھا ہے اور بھاپ اُس سے نکل رہی ہے سماور کے پہلو میں ایک کرسی پڑی ہے جس پر روزانہ شام کو ایک شخص آکر بیٹھتا ہے جسکو میں بابعالی سے نکلا اُس وقت

عہ آستانہ میں غیر ملکی معاشرت و تمدن نے خواتین کے اسلامی اخلاق کو سخت صدمہ پہنچایا ہے گویا یوں کہنا چاہئے کہ ترکی خواتین اسلامی معاشرت سے بالکل بیگانہ ہو گئی ہیں ناپاک امراض سے اسی معاشرت اور ناپاک معاشرت کی طرف اشارہ ہے ۱۲

تک نہ ہوتا تھا جب تک کہ عائشہ کے گھر نہ پہنچ جاتا تھا۔ یہ شخص احسان تھا، کرسی پر بیٹھکر احسان نے اپنے دستانوں کو اتار دیا ہے اور میز کے ایک گوشہ پر رکھدیا ہے اور صامت و ساکت اپنی فکروں میں ڈوبا ہوا سگریٹ پی رہا ہے کہ میں مکان کے اندر پہنچ گیا ہوں پھر ہم دونوں نے چاء پی ہے اور دونوں ساتھ مکان سے نکلے ہیں۔ یہ خیالات و افکار تھے جو راستہ بھر مجھے مشغول رکھتے تھے لیکن جب میں عائشہ کے گھر میں داخل ہوکر احسان کو عائشہ کے سامنے اس طرح بیٹھا ہوا پاتا تھا جس طرح ایک محبت کرنے والا بھائی اپنی بہن کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے تو تمام خیالات اور اضطراب و تشویش رفع ہوجاتی تھی۔ کرسی پر بیٹھکر دونوں منٹ تک میں غور سے عائشہ اور احسان کو دیکھتا رہتا تھا ان کی نظروں کو دیکھتا اور پھر ان کی حرکات و سکنات پر نظر ڈالتا تھا لیکن طبعی سادگی سے بھی زیادہ میں ان کی سادگی کو پاتا تھا بایں ہمہ میرا پختہ اعتقاد تھا کہ احسان عائشہ سے محبت رکھتا ہے پھر میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ عائشہ؟ ایمان کی بات یہ ہے کہ میں اس امر سے اس گھڑی تک واقف نہ ہوسکا جبکہ میں نے احسان کی نعش کو عائشہ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا ہے اور اس کے بعد بھی میں ہمیشہ شک و شبہ ہی میں رہونگا۔ احسان اپنے حلیف دوستوں کے ساتھ سمرنا نہیں گیا بلکہ آستانہ ہی میں رہا کیونکہ اس کے ساتھیوں نے اس کے آستانہ میں رہنے کو مفید خیال کیا تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ عائشہ کی آنکھوں کی چمک احسان پر وہی اثر ڈال رہی تھی جو اس کے ان ساتھیوں پر ڈال چکی تھی جو سمرنا چلے گئے تھے بعض وقت میرے قلب میں یہ خطرہ گذرتا تھا کہ احسان کے جسم کا وہ حصہ نہایت روشن و چمکدار ہے جس پر عائشہ کی نگاہ پڑتی ہے پھر اس خطرہ کا جواب میں خود ہی دیدیتا تھا یعنی یہ کہ اس قسم کے خیالات محض واہمہ ہیں۔

عائشہ کو قوم کی شورش و بغاوت سے بہت زیادہ امیدیں تھیں وہ سمرنا کے شجاع نوجوانوں سے بھی بہت محبت رکھتی تھی اور اسی طرح ان جری باہمت غارت پیشہ لوگوں سے اسکو محبت تھی جو پہاڑوں میں لوٹ مار کرتے رہتے ہیں لیکن احسان اس معاملہ میں ایک بہادر اور باقاعدہ سپاہی کی رائے رکھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس مشکل کو صرف باقاعدہ اور منتظم سپاہ ہی حل کرسکتی ہے اور منتظم و باقاعدہ سپاہ یونانیوں پر کیا انگریزوں پر بھی غالب آسکتی ہے۔

عائشہ کا خیال تھا کہ باقاعدہ اور منتظم سپاہ کا وجود میں لانا کسی طرح معجزہ سے کم نہیں ہے بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ افراد قوم کی شورش یہ ضرور کرسکتی ہے کہ یونانیوں کو پریشان و بدحواس بنا دے

اور اُن کو نقصانات پہنچا کر اس حال پر پہنچا دے کہ وہ اناطولیہ کی طرف رُخ کرنے کے قابل نہ رہیں مختصر یہ کہ عائشہ کی رائے یہ تھی کہ اگر منظم سپاہ کو تیار کیا گیا تو اسمیں بہت عرصہ لگیگا اور وقت گذر جائیگا۔

عائشہ کی رائے معلوم کرکے احسان سر کو حرکت دیتے ہوئے مسکرایا اور کہتا تھا۔

جب ضرورت ہوگی تو وہ لوگ جو قوم کی شورش کی رہنمائی کر رہے ہوں گے سپاہ میں داخل کر لیے جائینگے اور منظم سپاہ میں بھی وہ بہت مفید ثابت ہونگے، عائشہ میرا خیال ہے کہ تم اس امر سے ناواقف ہوگی کہ موجودہ شورش کے بانی اور محرک بھی فوجی ہی ہیں اور فوجی افسروں ہی کی جدوجہد اور رہنمائی سے شورش کا آغاز ہوا ہے کیا میرا خیال غلط ہے؟

احسان اسوقت اگرچہ نہایت متانت کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا لیکن اُس کی آنکھوں سے جو چمک نمایاں تھی اُس سے جس طرح یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ عائشہ کی رائے کا تابع اور اُسکا مقلد ہے اسی طرح اُس کے اُس رنج و اندوہ کی کیفیت بھی نمایاں تھی جو اپنے کو ایک غیر منظم جتھے کی رہنمائی کی حالت میں محسوس کرکے اُسکو ہوا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ احسان کے خیال میں یہ ایک بڑی قربانی بلکہ ظلم تھا کہ ایک ترقی یافتہ باقاعدہ فوجی افسر کو ایک غیر منظم جتھے کا افسر مقرر کر دیا جائے لیکن عائشہ کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی اور اُس کی نظر میں فوجی و غیر فوجی سب برابر تھے اُسکا یہ پختہ خیال تھا کہ ترکی کی آزادی کا کام کرنے والے خواہ وہ کوئی ہوں اور کسی حیثیت کے ہوں سب ایک درجہ رکھتے ہیں۔

احسان کا قلب اسوقت عائشہ کی آتشین اور اضطراب پیدا کر دینے والی نگاہوں کا شکار ہو رہا تھا وہ بار بار اپنی سیاہ غلافی آنکھوں سے جن میں گہرا نیلا رنگ شامل تھا احسان پر نظر ڈالتی اور اُس کی حالت کو دیکھتی تھی اُس نے دیکھا کہ احسان کے چہرہ پر اضطراب کے آثار نمایاں ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ اس امر سے خوفزدہ ہے کہ کہیں عائشہ کوئی اور ایسا ذریعہ نہ نکالے جو آگ کی بھٹی میں جھونک دینے والا ہے۔

اسی قسم کے خیالات میرے دل میں اُسوقت پیدا ہوتے تھے جبکہ ہم دونوں روزانہ قبرستان کی طرف ٹہلنے جایا کرتے تھے میں اس سنجیدہ اور خاموش سپاہی کے چہرے کی اُس زردی پر جو اس کے چہرہ پر محیط رہتی تھی غور کیا کرتا تھا اور اُن شعلوں کو دیکھا کرتا تھا جو اُس کی آنکھوں میں بھڑکتے ہوتے تھے پھر اُس آگ کے تنور کی گرمی کو محسوس کرتا تھا جو اُس کے جوف میں روشن تھا اور ان تمام باتوں پر غور کرتا ہوا دل میں کہتا تھا کہ۔

"اس نوجوان فوجی افسر کے کالر پر جو نشان ارکان حرب کا لگا ہوا ہے اس کے نیچے ایک سُرخ قمیص بھی ہے جو آگ سے بنی ہوئی ہے اور میں اس امر کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں کیونکہ آگ ظاہری جسم سے اندرون جسم میں سرایت کر جاتی ہے کیونکہ میرے جسم پر بھی احساس ہی کی طرح کی آگ کی ایک قمیص ہے اور عائشہ کی یہ عادت ہے کہ وہ اس عجیب غریب قمیص کے اندر آگ کو ٹھہر کاتی رہتی ہے تاکہ شورش کا وہ جذبہ جو جسم میں پایا جاتا ہے دب نہ جائے اور قلب میں جوش و خروش کی جو آندھی چل رہی ہے وہ رُک نہ جائے مختصر یہ کہ آتشین قمیص ایک ایسا پیراہن ہے جو اپنی آگ سے انسان کے کسل و تعب کو جلا کر خاکستر کرتا رہتا ہے اور احسان کے سوا کتنے ہی اور لوگ ہونگے جو عنقریب اس قمیص کو اپنے جسم پر پہنیں گے۔

عورت کی آنکھیں جو انسانوں کو محبت کی حیرت انگیز اور مضبوط زنجیروں سے جکڑ کر رکھ دیتی ہیں اور اُوپر پھیر دیتی ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کو آگ کے دہکتے ہوئے جہنم کے مانند شعلوں میں دھکیل دیتی ہیں۔

مارچ کے شروع تک یہی کیفیت رہی اور آناطولیہ میں جو جدوجہد شروع کی گئی تھی اور جسکو "قومی تحریک" کا نام دیا گیا تھا وہ بتدریج بڑھنا شروع ہوئی اس جدوجہد کا ایک رہنمائے اعظم بھی منتخب کر لیا گیا، اس رہنما کا صدر مقام اُس لبنتہ خمیر کے مانند تھا جس کے گرد سیال چیزیں جمع ہوکر منجمد ہو جاتی ہیں، عائشہ قومی حرکت کے رہنماؤں سے واقف نہ تھی اور نہ یہ جانتی تھی کہ قومی تحریک کے سلسلہ میں کیا تدابیر اختیار کی گئی ہیں اور اس سے کیا مقصود ہے۔ ملک میں غیرتمند بہادروں کی ایک ایسی جماعت بھی تھی جس نے شورش کی آگ کو بھڑکایا اور پھر خود اُس کے شعلوں کے اندر اپنے کو اس غرض سے ڈال دیا کہ یا تو اپنی ہستی کو فنا کر دیگی یا دوسروں کو تباہ کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر سکے گی، عائشہ اسی جماعت سے تعلق رکھتی تھی اور کسی دوسرے خیال کی جماعت سے اُسکو نہ کوئی تعلق تھا اور نہ کسی کو وہ جانتی تھی، کبھی کبھی میں عائشہ کو غضبناک بنانے کے لئے کہدیا کرتا تھا کہ

عائشہ تمہارے اُن نوجوانوں اور فوجی افسروں کی کیا قدر و قیمت ہے جن سے جتھے بنائے جا رہے ہیں، یہ جوان سپاہی اور فوجی افسر ایسی ڈھانچوں کا مجموعہ ہیں جو فکر مند دماغ کے ارادہ سے حرکت کرتی ہیں " عائشہ میرے الفاظ کو سنتی اور پر جوش لہجہ میں جواب دیتی۔

"پیارے یہ نوجوان سپاہی اور فوجی افسر صرف ہڈیوں کا ڈھیر ہی نہیں اور نہ صرف ڈھانچوں ہی کا مجموعہ ہیں بلکہ ان میں عقل و تدبر بھی ہے دماغ ان کی رہنمائی کرے گا اور اگرچہ ان کا قلب بھی مردہ ہو جائے اور وہ تھک کر بھی مضمحل ہو جائیں تب بھی عقل ان کا ساتھ نہ چھوڑے گی اور ان کی رہنمائی کرتی رہیگی۔

دس مارچ کو حسب معمول جب میں عائشہ کے گھر میں داخل ہوا تو میں نے حشمت بک کو وہاں بیٹھا ہوا پایا جو احسان سے باتیں کر رہا تھا دونوں چائے کی میز کے قریب کرسیوں پر بیٹھے تھے اور پرجوش لہجہ میں گفتگو کر رہے تھے اُسوقت تک اگرچہ قومی تحریک نے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں کی تھی لیکن حشمت بک ایسے جوش سے اس تحریک میں کام کر رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس تحریک کی روح رواں تھا۔ اُس کا دماغ نہایت صحیح اور پختہ تھا اور جمال و احسان کے دل و دماغ اور عقل و تدبر کسی حیثیت سے بھی اُس سے ٹکر نہ کھا سکتے تھے بلاشبہ حشمت بک دولت عثمانیہ میں فوجی کمالات کا ایک نمونہ تھا وہ دراز قد، چھوٹے مونچھیں، عقاب جیسے تھے کرگس کی مانند تیز نگاہ اور پاکیزہ دماغ رکھتا تھا جوان تھا مگر نہایت محتاط سر اور تمام جسم کے بال سیاہ تھے وہ صرف جنگ یورپ ہی کا فوجی افسر نہ تھا بلکہ سلطنت عثمانیہ کے ایک گوشہ میں ان کے پیٹ ہی سے بہادر پیدا ہوا تھا ممکن ہے البانیہ کے دشوار گذار پہاڑوں نے اُسکو وہ شرافت و نجابت بخشی ہو جو اُس میں پائی جاتی تھی اُس کی باتوں اور نگاہوں سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے اُسکا مطالعہ وسیع ہے اور وہ مضبوط رائے رکھتا ہے حشمت بک کی یہی وہ خوبیاں تھیں جو عائشہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں اور وہ احسان سے زیادہ اخوت و اہتمام کے ساتھ حشمت بک سے باتیں کرتی اور تبادلہ خیالات سے فائدہ اُٹھاتی تھی حشمت بک اگرچہ عائشہ کے ہاں بہت کم آتا جاتا تھا لیکن میں اُس کی بھی نگرانی کرتا تھا اور احسان بھی اس امر میں میرا ہم خیال تھا کہ حشمت بک کے خیالات معلوم کئے جائیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جو خیالات ہمارے دل و دماغ میں حشمت بک کے متعلق پیدا ہوتے تھے حشمت بک کا دماغ بھی ہمارے متعلق اسی قسم کے خیالات پیدا کرتا تھا یا نہیں۔ افسوس ہے کہ ہم دونوں حشمت بک کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم کر سکے۔

ہماری جماعت کے ارکان نے جو تجاویز قرار دی تھیں اُن میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ احسان کو "اطہ بازار" روانہ کیا جائے جہاں وہ ایسی انجمنوں کی بنیاد ڈالے جو اناطولیہ میں شورش پھیلانے والی دوسری انجمنوں کے کام میں رخنہ ڈالدیں اور اُن کی جدوجہد کا خاتمہ کر دیں اس تجویز کو عمل میں لانے کی یہ صورت اختیار کی جانی قرار پائی کہ احسان کو خشکی کے راستہ اطہ بازار پہنچایا جائے ظاہر ہے کہ اس کام میں شروع سے آخر تک عائشہ کا ہاتھ کام کر رہا تھا اور اُسی کی خواہش سے یہ تجویز منظور کی گئی تھی۔

اپنے سنجیدہ کام کو ختم کر کے ہم نے چائے پی عائشہ اسوقت بہت خوش تھی، اپنی مسرت کا اظہار کرنے کے لئے اُس نے وہ واقعہ سنایا جو حال میں پیش آیا تھا یعنی اُن گھروں میں سے کسی ایک گھر میں جن میں وہ

پڑھانے جاتی تھی سیدہ سالمہ سے اُس کی اچانک ملاقات کا واقعہ چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ

مین محلہ مودا کے ایک تاجر کے مکان مین پڑھا رہی تھی کہ اچانک سیدہ سالمہ ایک چھوٹے سے انگریزی اسٹیمر سے اُتر کر گھر مین داخل ہوئی اور اُس کی آمد سے سارے مکان مین ایک اضطراب پیدا ہوگیا وہ چھوٹی سی لڑکی جسکو مین پڑھا رہی تھی گھبرا گئی اور کتاب کی طرف سے مُنہ پھیر لیا واقعہ یہ ہو کہ مجھ پر بھی خوف چھا گیا مین اور لڑکی اسی حال مین تھے کہ گھر کے آدمی اُسکو پڑھانے کے کمرہ مین لے آئے مین نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ گویا مین کام مین مشغول ہون اپنا سر جھکا لیا سیدہ سالمہ نے کمرے مین داخل ہو کر میری طرف غور سے دیکھا اور پھر گھر والون کو مخاطب کر کے کہا۔

اس لڑکی کی تربیت و تعلیم کے لئے تم انگریز مربیہ کیون نہین لاتے۔

اس واقعہ کو سُنکر ہم سب تھوڑی دیر اس امر پر غور کرتے رہے کہ اگر سیدہ سالمہ عائشہ کو شناخت کر لیتی تو کیا کرتی اور پھر گفتگو کو ختم کر دیا اور احسان نے عائشہ کی طرف دیکھکر کہا۔

رات کا کھانا مین استنبول مین کھاؤن گا اور اس سے پہلے کہ پُل سے گذر کر دوسری طرف جاؤن مین یہان آؤن گا، اور تمھارے تازہ احکام کو حاصل کرون گا۔

احسان کے الفاظ سُنکر عائشہ کے رُخسارے سُرخ ہوگئے اور مجھے یہ گمان ہوا کہ عائشہ نے میری طرف دیکھا ہو اور وہ مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ کر رہی ہو تب مین نے کہا۔

اور مین بھی شب کا کھانا استنبول ہی مین کھاؤن گا تاکہ رات کو احسان کیساتھ واپس آسکون۔

احسان خاموش ہوگیا اور ہم تینون عائشہ کے گھر سے ایک ساتھ باہر نکلے جب ہم محلہ بایزید کے قریب پہنچے تو مین نے دیکھا کہ حشمت بک کے چہرہ سے سخت اضطراب کے آثار نمایان ہین اور باوجودیکہ وہ ہمارے ہاتھون کو دبا رہا تھا لیکن اُس کی آنکھین وزارت حربیہ کی عمارت پر لگی ہوئی تھین اور وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر اُسنے کہا۔

اُمید ہو کہ یہ عمارت پھر دوبارہ ترکی قوم کی کشتی کی محافظ بنیگی۔

حشمت بک ہم سے رخصت ہو کر چلا گیا اور مین اور احسان ٹریوے مین سوار ہوگئے۔ اسوقت روشنی سے بازار اور سڑکین بقعۂ نور بنی ہوئی تھین اور عورتون کی غیر محسوس شکلین پرچھائیون کی مانند تیزی سے گوشون کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھین۔ احسان نے مجھ سے کہا کہ۔

اگر تمہاری کہیں اور دعوت نہ ہو تو آؤ رات کا کھانا دونوں ساتھ کھائیں۔

مین نے کہا کہ مین کہین مدعو نہین ہون۔

احسان۔ آؤ پھر استنبول ہوٹل مین چلین اور وہین کھانا کھائین۔

مین۔ بہتر ہے۔

مین نے اسوقت غور سے احسان کے چہرہ پر نظر ڈالی اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ اسوقت یا تو نہایت اضطراب و بیچینی مین مبتلا ہے یا میری ہمراہی اُسے ناگوار ہے۔ عائشہ کے گھر سے روانہ ہوتے وقت مین نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ عائشہ کی نگاہین یہ بتلا رہی ہین کہ آج کی رات وہ احسان سے جُدا ہونا نہین چاہتی تھی، ممکن ہے میرا خیال غلط بھی ہو کیونکہ یہ میرا ذاتی خیال تھا۔

رات کا کھانا ہم نے استنبول ہوٹل مین کھایا جس کی کھڑکیون سے ہم بازارون اور سڑکون پر ایک اژدحام کو دیکھ سکتے تھے جیسا کہ عموماً محلہ سرکجی مین عام طور پر رہتا ہے کھانا کھا کر ہم دوبارہ عائشہ کے گھر گئے اور احسان تھوڑی دیر تک عائشہ سے باتین کرتا رہا جب دونون باتون مین مشغول ہوئے تو مین نے احسان کی نگاہون مین اضطراب و بیچینی کی علامات محسوس کین پھر دیکھا کہ احسان اور عائشہ دونون خاموش بے حس حرکت کرسیون پر اس طرح بیٹھے ہین جس طرح بُت ساکن و منجمد ہوتے ہین چند منٹ بعد عائشہ نے پُرنم آنکھون سے جن سے الفت کے جذبات صاف نمایان تھے احسان کی طرف دیکھا اور کہا۔

احسان بک تمہاری جدائی ہم پر بہت گران ہوگی۔

یہ الفاظ سن کر احسان کانپ اُٹھا لیکن فوراً ہی اُسنے اپنے آپ کو سنبھالا اور دستانون کو اُٹھا کر بطور شغل اُن کو اُلٹ پلٹ کرنے لگا گویا وہ کسی خیال مین محو ہے پھر اُس نے کہا۔

حشمت بک اور پیامی بک تو تمہارے پاس رہین گے اور ممکن ہے تم بھی جلد ہم سے آکر مل جاؤ۔ اور اُس وقت ہم سب تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہون گے اور پہاڑیون کی چوٹیون تک ساتھ رہین گے، اسوقت عائشہ کے چہرہ کی جو کیفیت تھی اور اُس سے جو مبہم معنی پیدا ہو رہے تھے مین اُن کو نہ سمجھ سکا، جب ہم عائشہ سے رخصت ہوئے تو مین نے محسوس کیا کہ یہ رخصت نہایت حسرت انگیز ہے اور ہم سب کے قلوب رنج و غم سے بھرے ہوئے ہین۔

ہم جب ٹریم پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور پُل سے گذرے تو مین نے دیکھا کہ احسان خلیج کے سیاہ پانی پر

نظرین جمائے ہوئے ہو اور پانی کشتیون کو غور سے دیکھ رہا ہے کشتیون کے بادبان اسوقت ایسے معلوم ہورہے تھے کہ گویا وہ ایسے درختون کا ایک جھنڈ ہو جن کے پتّے گر گئے ہین، ٹریم نے ہم کو تیہ باغچہ پارک مین اُتار دیا احسان نے اُس باجہ کو غور سے سُنا جو پارک کے اندر بج رہا تھا اور اُس رونق اور دلفریب آثار زندگی پر نظر ڈالی جو باغ کے گرد نظر آ رہے تھے، مین نے احسان کو یہان کے مناظر مین محو اور متاثر پاکر کہا۔

احسان گیارہ بج رہے ہین آؤ اب گھر چلین بہت دیر ہو گئی ہو۔

احسان نے عذر کیا اور ظاہر کیا کہ وہ اسوقت "یانغاسی" جانے پر مجبور ہو جہان اسوقت چند دوستون کو اُسے رخصت کرنا ہے مین نے چاہا کہ احسان سے بغلگیر ہوکر اُسکو بوسہ دون اور رخصت ہو جاؤن۔ چنانچہ مین نے ایسا ہی کیا اور دونون ایک دوسرے سے جدا ہوئے اسوقت ہم دونون اپنے خیالات مین محو تھے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

۱۷ نومبر ۱۹۲۱ء

احسان سے رخصت ہونے کے بعد مین یکایک سخت بیمار ہو گیا، واقعہ یہ ہوا کہ رات کو احسان سے رخصت ہوکر مین گھر پہنچا اور سو رہا صبح کو اُٹھکر مین نے جسم پر حرارت محسوس کی جو فوق العادت درجہ تک پہنچ گئی، اوّل تو مین نے کوشش کی کہ اپنی کیفیت کو ظاہر نہ ہونے دون لیکن مرض کی شدت نے راز کو ظاہر کر دیا تین روز تک ڈاکٹرون کی یہ رائے رہی کہ مجھے ہسپانوی بخار ہو گیا ہو۔ بیماری سے ایک ہفتہ قبل مین اپنے جسم مین گرانی پاتا تھا، اور محسوس کرتا تھا کہ صحت خراب ہو گئی ہو انھین دنون مین رات کو دیر تک مین احسان کے ساتھ رہا اور مجھے سردی لگ گئی جس نے آگ پر تیل کا کام دیا اور مین بخیال خویش ہسپانوی بخار مین مبتلا ہو گیا، میرے رنج والم کا بڑا سبب یہ تھا کہ مین عائشہ کے تنہا اور بے یار و مددگار رہنے کے خیال سے بہت متاثر تھا۔ اسی تاثر نے میری

صحت کو خراب کر دیا تھا، یہان تک کہ مین ٹائیفیڈ بخار مین مبتلا ہو گیا، یہ بخار حقیقت مین ٹہپائڈس نہ تھا بلکہ حمی ٹائیفیڈ تھا جس نے میرے ہوش و حواس مین فتور پیدا کر دیا تھا اور مین ہر وقت غافل و بیہوش پڑا رہتا تھا۔

اس مرض کی عجیب غریب خصوصیت یہ تھی کہ مین اپنے آپ کو ایک ایسے بستر پر پڑا ہوا خیال کرتا تھا جیسے ایک ہوائی جہاز آسمان کی فضا مین اڑائے لئے پھر رہا تھا اور نہایت تیزی سے پرواز کر رہا تھا، ہوائی جہاز کی سرعت رفتار سے مین یہ محسوس کر رہا تھا کہ میرا دل گویا میرے سینہ سے نکلا جا رہا ہے، فوراً مین نے آنکھین بند کر لین اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میرا سر سفید سفید بادلون سے ٹکرا کر ان کو پاش پاش کر رہا ہے، پھر مین نے اسی عالم مین بڑی بڑی مکھیون کی ایک کثیر تعداد کو دیکھا جن کے بازو سبز اور سرخ تھے اور وہ بادلون کے اندر پرواز کرنے والے ہوائی جہاز کے گرد اڑ رہی تھین یہ دیکھکر مین نے اپنے پیٹ کو زور سے دبا لیا گویا مین اس طریقہ سے ہوائی جہاز کی رفتار کو کم کر رہا ہون اور اسکو روک رہا ہون، معاً مین نے بادلون کے اندر مسٹر کوک کے چہرہ کو دیکھا جسکا گنجا سر۔ بڑی بڑی مونچھین اور بڑے بڑے زرد دانت صاف نظر آ رہے تھے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی پیشانی کے اندر دھنسی ہوئی خون آشام آنکھون سے مجھے گھور رہا تھا، میرا خیال ہے کہ مسٹر کوک کو اس طرح گھورتے دیکھکر بے اختیار میری زبان سے چیخ نکل گئی اور معاً مین نے اپنی مان کی آواز کو سنا جو کہہ رہی تھی۔

پیارے! آہ میرے بچے!!

پھر مین نے محسوس کیا کہ کوئی سرد چیز میرے منہ پر ڈالی جا رہی ہے اور ہوا بہت گرم ہے جو وسیع اور نیلگون فضا مین میرے دل کی حرکت کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے پھر مین نے زمین پر کچھ لوگون کے قدمون کی چاپ سنی جو گولیان چلا رہے تھے فوراً مین نے ہوائی جہاز کے وسط مین کھڑے ہو کر ان لوگون کو دیکھنے کی کوشش کی اور جھک کر زمین پر نظر ڈالی پھر مین نے وزارت حربیہ کے میدان مین ایک ہجوم کثیر کے اندر جو ادھر سے ادھر پھر رہا تھا دوبارہ مسٹر کوک کو دیکھا اسوقت اس کی آنکھون سے شعلے نکل رہے تھے اور اس کا قد برابر بڑھ رہا تھا اور سر آسمان کی جانب اونچا ہوتا جاتا تھا تھوڑی دیر مین اس کا سر ہوائی جہاز سے آلگا، اور مین چھپکر ہوائی جہاز کے ایک گوشہ مین بیٹھ گیا آنکھین بند کر لین اور پھر آنکھین کھولکر یا سر اٹھا کر کسی طرف دیکھنے کا خیال بھی دل مین نہ لایا، مین اگرچہ آنکھین بند کئے ہوائی جہاز کے ایک گوشہ مین بیٹھا تھا لیکن زمین پر لوگون کے چلنے پھرنے کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی اور مین محسوس کر رہا تھا کہ مسٹر کوک ہوائی جہاز کے

نیچے اب تک کھڑا ہے اور اس کا سر ہوائی جہاز سے ٹکرا رہا ہے یہ خیال میرے دل میں بھی دھڑکن پیدا کر دیتا اور میرا قلب زور زور حرکت کرنے لگتا تھا کبھی کبھی مجھے ایسا بھی معلوم ہوتا کہ میرے دماغ میں دو زمرد روشن ہیں جن کے گرد سیاہ ہالے ہیں یہ زمرد کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بجھ جاتے تھے۔ میں انکو دیکھتا تھا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ یہ دونوں زمرد میری آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو جائیں اور میں دوبارہ ان کو نہ دیکھوں۔

آخر میں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے سر پر سیاہ چادر تھی وہ ایک ایسے کمرہ میں ٹہل رہی تھی جس میں دھواں بھرا ہوا تھا ایک روز جبکہ یہ عورت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی پلکوں اور بھوؤں پر جو اس کی چھوٹی چھوٹی کالی آنکھوں کے گرد تھیں اور لمبی مگر کسی قدر تنگ ناک پر نظر ڈالی یہ میری ماں تھی اور میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی میرے سر پر سرد پانی پٹکا رہی تھی، تھوڑی دیر میں میں نے محسوس کیا کہ میں دیر تک بخار میں غافل و بیہوش پڑا رہا ہوں اور اب میرے ہوش و حواس کسی قدر ٹھکانے آئے ہیں، میں نے ماں سے پوچھا آج کونسی تاریخ ہے۔

ماں نے جواب دیا بیٹا آج مارچ کی ۶ تاریخ ہے

ہوش و حواس ٹھکانے آجانے اور بخار کی شدت کم ہو جانے پر جب ڈاکٹر نے مجھے یہ بتلایا کہ انگریزوں نے آستانہ پر قبضہ کر لیا ہے، عثمانی پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی ہے، پارلیمنٹ کے بہت سے ممبروں کو مالٹا جلا وطن کر دیا گیا ہے اور وطن پرست طبقہ کی ایک کثیر جماعت اناطولیہ کی تحریک میں شریک ہونے کے لئے اناطولیہ چلی گئی ہے اور اس جماعت میں عورتوں کی بھی معقول تعداد ہے تو مجھے چکر آگیا نہ صرف اسوجہ سے ان اطلاعات نے مجھ پر زیادہ اثر کیا کہ میں اسوقت عاجز و درماندہ تھا بلکہ اسوجہ سے بھی کہ عائشہ کو ان خبروں سے سخت تکلیف پہنچی ہوگی اور وہ بہت مضطرب و پریشان ہوگی اور یہ امر ناممکن تھا کہ میں عائشہ کے راز کو ماں پر ظاہر کرتا اور خصوصاً اس صورت میں کہ میں ان سے یہ کہہ چکا تھا کہ وہ سمرنا چلی گئی ہے۔ میں نے عائشہ کے سمرنا چلے جانے کی جھوٹی خبر ماں کو اس لئے دی تھی کہ ان کے دل میں عائشہ کے سیاسی خیالات سے جو خطرات پیدا ہوگئے تھے وہ دفع ہو جائیں اور ان کو اطمینان ہو جائے۔

ڈاکٹر کے چہرہ پر یہ معلوم کرنے کے لئے میں نے گہری نظر ڈالی کہ کیا اس کے ذریعہ سے عائشہ کو اپنی علالت کی خبر دینا یا عائشہ کی خبر معلوم کرنا قرین صواب ہوگا یا نہیں اور جب میں نے اس سے دریافت کیا

کہ مین کب تک گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہو سکون گا۔ تو وہ ہنس پڑا۔ ادہر تو مین ڈاکٹر سے باتون مین مشغول تھا اور اُدہر میری مان گویا زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھی "اے مغرور و سرکش نوجوان تمھاری حرکات کا یہ نتیجہ ہے اور تم ہی اُن تمام مصائب کا سبب ہو جو آستانہ پر نازل ہو رہے ہین"

چونکہ ڈاکٹر میرے جذبات مین زیادہ ہیجان پیدا کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا اس لئے اُس نے آستانہ پر قبضہ کی تفصیل اور جو واقعات پیش آرہے تھے اُن کے حالات سے مجھے آگاہ نہین کیا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میرا کمزور دل و دماغ اُن کی برداشت کی قوت نہ رکھتا تھا باینہمہ مین یہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر عائشہ کے متعلق خبرون کا سلسلہ اسی طرح منقطع رہا تو مین پھر اُسی ہوائی جہاز پر چلا جاؤن گا جس پر عالم بیہوشی و غشی مین سوتا رہا ہون اور پھر اُس سے کبھی اُتر کر زمین پر قدم نہ رکھون گا۔ آہ یہ ایام بھی کس قدر آلام و مصیبت اور یاس اور نامرادی سے بھرے ہوئے تھے۔

شروع اپریل مین۔ ایک روز مین نے اپنی خادمہ کیتھرائن کو تخلیہ مین بلایا اور کچھ زرِ نقد اُسکو دیکر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ وزارت خارجیہ مین جاکر احمد آغا فراش کو بلا لائے۔ مین اُس وقت کسقدر مسرور ہوا ہون جبکہ مین نے احمد آغا کو اپنے مکان کے اندر پایا وہ میرے پاس عیادت کے بہانہ سے آیا تھا اور کسی کو اُسپر شبہ نہ ہو سکتا تھا۔ مین جانتا تھا کہ احمد آغا تمام غیر مُلکی لوگون کا سخت دشمن ہے اور جس زمانہ مین رُوسی لشکر کے ساتھ ارمنی ارض روم مین گھس آئے تھے اُس نے ان ارمنون سے سخت مقابلہ کیا تھا۔

احمد آغا کو مین نے اپنے قریب بٹھالیا اُس سے کہا "کہ عائشہ ایک ترک خاتون ہے اور ترکون پر ظلم کرنے والون سے انتقام لینے کے جذبات اُس کے قلب مین بھرے ہوئے ہین پھر مین نے اُن مصائب کا ذکر کیا جو عائشہ پر سمرنا مین گذر رہے تھے اور پھر ظاہر کیا کہ ان مصائب نے عائشہ کو ہر دلعزیز بنا دیا ہے اور ہر چھوٹے بڑے شخص کے قلب مین نہ صرف اُس کی ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے بلکہ اُس کی خدمت کا شوق ہر وطن پرست کو بیچین بنا رہا ہے" ان تمام باتون کے بعد مین نے احمد آغا کو آمادہ کیا کہ وہ عائشہ کے گھر جائے اور اُس کا حال معلوم کر کے آئے۔ احمد آغا نے بڑے شوق سے اس خدمت کو قبول کیا اور چلا گیا، دوسرے روز صبح کے وقت وہ آیا اور نامرادی کے لہجہ مین اُسنے کہا۔

محلہ کُرک پاشا مین چونکہ کثرت سے رومی و ارمنی لوگ آگئے ہین اس لئے مین عائشہ کو تلاش نہ کر سکا اب پھر کل یا کسی دوسرے روز جاؤن گا اور کسی ذریعہ سے سبزی فروش زینب کا پتہ چلاؤن گا اُسکے ذریعہ

سے ممکن ہی ہان منزل مقصود تک پہنچ جاؤن آپ مطمئن رہین - احمد آغا نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے مین زیادہ تاخیر نہین کی اور ایک روز وہ ایسی حالت مین میرے پاس آیا کہ اُس کا چہرہ شگفتہ تھا اور خوشی کے آثار بشرہ سے نمایان تھے اُسنے جیب سے چند کاغذ نکال کر میرے حوالے کئے اور کہا۔

آپکے نام کے یہ چند خطوط ہین ان کو پڑھئے، عائشہ کے متعلق دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ اُسنے اپنے قیام گاہ کا پتہ کسی کو نہین دیا اور وہ کہین روپوش ہو اُسنے یہ خطوط زینب کے حوالہ کر دئے تھے کہ وہ انکو آپ تک پہنچا دے، زینب خطوط کو پہنچانے کے لئے آئی تھی اور آپ کے مکان پر پہنچکر آپکو دریافت کیا تھا لیکن لوگون نے یہ کہکر اُسکو ٹال دیا کہ آپ بیمار ہین اور کسی سے مل نہین سکتے۔

عائشہ کے خطوط کو مین نے شوق و اضطراب کے ساتھ لیا ان مین سے ایک تو لیٹر پیپر (خط لکھنے کا کاغذ) پر لکھا ہوا تھا اور باقی اُن کاپیون کے زرد کاغذون پر تھے جو بچے اسکولون مین استعمال کرتے ہین یہ تمام خطوط عائشہ کے متعلق تھے اور نہایت اہمیت رکھتے تھے اسوقت کہ مین ان سطرون کو لکھ رہا ہون مینے یہ ارادہ کر لیا ہو کہ ان خطوط مین سے بعض کو اپنی اس یادداشت مین نقل کر دون اور پھر اپنے سپاہی خدمتگار کو حکم دون کہ وہ ان کو میرے سامنے نذر آتش کر دے تاکہ میرے بعد کو کجھ بنیار ” کی تربت مین محو خواب خاتون کے ان خطوط پر کسی کی نگاہ نہ پڑے۔

عائشہ کے بعض خطوط کا خلاصہ

(١)

١٨ مارچ، کدک پاشا

بھائی پیاری! خدا جانے تم پر کیا اُفتاد پڑی کہ دو روز سے تمھاری کوئی خبر نہ ملی ابتدا مین تو مین بہت پریشان رہی لیکن پھر یہ خیال قائم کر لینا پڑا کہ ممکن ہو خالہ نے تم کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی ہو اور تم جیسے فرزند استنبول سے یہ امر کچھ بعید نہین ہو کیونکہ تم جیسا آدمی ماں کی اطاعت سے انحراف نہین کر سکتا یا ین ہمہ مجھے یہ تعجب ضرور ہو کہ تم ان غیر معمولی ایام مین مجھ سے آکر کیون نہین ملے اور سلسلہ آمد و رفت کیون منقطع کر دیا یہ امر بلاشبہ میرے نزدیک خلاف عادت اور غیر طبعی ہو۔

جیسا منحوس دن سمرنا پر پچھلے دنون گذرا تھا ایسے ہی تو منحوس دن آستانہ پر بھی گذرے ہین ١٦ مارچ کو منگل کے دن لوگ صبح کو لوگ سو کر اُٹھے تو انھون نے دارالسلطنت آستانہ کو ایک عجیب حالت مین پایا انگریزون

اور راستون پر حسب معمول لوگون کی آمد و رفت جاری تھی لیکن ہر شخص اضطراب مین مبتلا تھا اور رنج و الم کے آثار چہرہ سے نمایان تھے خاموشی چھائی ہوئی تھی اور کسی کا لب تک متحرک نظر نہ آتا تھا، مین نے میدان سلطان احمد کے مقابر کے سوا آستانہ پر کبھی ایسی خاموشی چھائی ہوئی نہین دیکھی۔

محلہ کرک پاشا کے گھر سے نکل کر مین محلہ کی تنگ گلیون سے ہوتی ہوئی تہ پسے کی سڑک کی طرف جا رہی تھی کہ یکایک ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے پہنچکر میرے قدم آگے بڑھنے سے رک گئے، اس مکان کے دروازے کے سامنے ایک گہوارہ (پالنا) پڑا تھا اور اس کے پہلو مین ایک جوان عورت شال اوڑھے کھڑی تھی اور اس کی گود مین بچہ تھا، تم کو یاد ہوگا مین نے تم سے بہت دفعہ اس چھوٹے سے مکان کا ذکر کیا تھا جسین کل تک عود کے نغمے مکان کے ساکنین کے قلوب کو مسرور کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی گہوارہ کی حرکت اور بچہ کو لوریان سنانے اور تھپک تھپک کر سلانے کی آواز آیا کرتی تھی، آستانہ پر دول حلفاء کے قبضہ سے پہلے اس مکان مین دو نوجوان میان بیوی رہتے تھے۔

مین عورت کے قریب پہنچکر اس کا حال دریافت کرنا ہی چاہتی تھی کہ مین نے مکان کے بالاخانہ سے گریہ کی آواز سنی عورت نے مجھے بتلایا کہ اس کا شوہر ایک نوجوان فوجی افسر ہے جو کسی بے قاعدہ جنگجو جماعت مین والنٹیر (رضاکار) بنکر چلا گیا ہے اور اب وہ تنہا رہ گئی ہے اور اس کا چچا اسکدار مین رہتا ہے جہان اب وہ جانا چاہتی ہے، مین نے اس عورت کو مدد دی اور اس کے لئے گاڑی تلاش کر کے لائی پھر اس کے بچہ کی ضرورت کی تمام چیزون کو جمع کیا، بچہ رو رہا تھا اور ہر چند کہ اس کو بہلایا جا رہا تھا لیکن اسکا رونا بند نہ ہوتا تھا یہ بچہ تنومند تھا اور اس کی بڑی بڑی کالی آنکھین تھین اسکو دیکھکر مجھے ایک اور بچہ (خود اپنا بچہ) یاد آگیا جس کی آنکھین بھی ایسی ہی سیاہ تھین جیسی اس بچہ کی تھین لیکن آہ اس کی دونون کالی کالی آنکھین بے نور ہو گئین اور وہ ایک گولی کا نشانہ بنکر ہمیشہ کے لئے اپنی ماں کی گود کو خالی کر گیا، مین عورت کو ساتھ لے کر احسانیہ اسٹیمر تک گئی اور پھر ہم دونون اسٹیمر پر سوار ہو گئے جب اسٹیمر روانہ ہوا تو مین نے دیکھا کہ باسفورس مین بڑے بڑے جنگی جہاز کھڑے ہین اور ان کی توپون کا رخ آستانہ کی جانب ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ مین اسکدار سے رات کو سب سے پہلے روانہ ہونے والے جہاز پر واپس آجاؤن اور جہاز سے اتر کر سیدھی تمہارے پاس پہنچون خواہ میری اس حرکت پر میری خالہ کتنا ہی ناراض ہون اور مجھے برا بھلا کہین اور اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کیونکہ مین ایک ٹھکانے کی ضرورتمند تھی لیکن میدان نیجلر

مین اُترتے ہی مین نے لفٹننٹ سیفی کو دیکھا جو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا وہ دوڑ کر میرے پاس آیا اور
کپڑوں کی گٹھری مجھ سے لے لی، اسوقت اُس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ بہت غضبناک معلوم
ہوتا تھا۔ پھر لفٹننٹ سیفی نے مجھے بتلایا کہ وہ آج میرے گھر آنیوالا تھا اور یہ کہ وہ ایک ایسے مکان مین فروکش
ہے جو گوشہ مین اور لوگون کی نظرون سے محفوظ ہے پھر اُسنے ظاہر کیا کہ وہ مجھکو بھی اُس مکان مین لے جانا
چاہتا ہے جو فی الحقیقت اناطولیہ کی تحریک مین شریک ہونے اور اناطولیہ کی طرف جانے والون کا مرکزی
مقام ہے اور وہین آکر تمام وطنی بھائی اناطولیہ کو روانہ ہوتے ہین۔

پیاری! میری اُسوقت کی مسرت کی کیفیت نہ پوچھ جب مین نے لفٹننٹ سیفی کے دل خوش کن الفاظ
سُنے بلاشبہ ان الفاظ نے مجھپر بہت اثر کیا اور مین اُس کے ساتھ ہولی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے اگر
مین ایسا نہ کرتی تو کیا کرتی کیونکہ مسکین ترکی قوم کی طرح اب میرا کوئی ٹھکانہ باقی نہین رہا تھا۔

بہرحال مین ایک ادر دوچہ مین مکان مین داخل ہوئی جو گورستان کے قریب سرو کے درختون کے بیچ
مین واقع تھا، ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا اور ہم مکان کے صحن مین داخل ہوئے صحن کے فرش پر لکڑی
کے تختے بچھے ہوئے تھے اور صرف دو بالاخانے ایک ہی صورت کے اس مکان مین تھے جن مین سے ایک
مین سیفی کی شریف النفس بیوی اور ماں رہتی تھین اور دوسرے مین لفٹننٹ سیفی کام کرتا تھا۔ رات مین نے
سیفی کی ماں کے پاس بسر کی اور اُس کو مین نے اپنے اور سوگوار سمرنا کے مصائب کے سارے حالات کہہ سنائے

(۲)

۲۰ مارچ،

مین نے اپنا پہلا خط زینب کے پاس بھیجا تھا تاکہ تم آؤ تو یہ خط تم کو مل جائے لیکن مجھے معلوم ہوا کہ تم نہین
آئے کیا تم بیمار ہو؟ آج لفٹننٹ سیفی کا ارادہ ہے کہ پل کو عبور کرکے اُدھر جائے اور تم کو تلاش کرے لیکن وہ محلہ
شیشلی تک پہنچنے کی جرأت نہین کرسکتا۔

(۳)

۲۵ مارچ،

یہ تحقیق ہوگیا کہ تم بیمار ہو، سیفی نے زینب کو تمہارے گھر بھیجا تھا لیکن اُسکو تمہارے گھر مین داخل ہونے
نہ دیا گیا اور اُس سے کہدیا گیا کہ تم سخت بیمار ہو آہ یہ ایام کسقدر بُرے ہین اور اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ

تم بھی خوش ہوتو تمھارے لئے یہ ایام بہت اچھے ہین کیونکہ اس عالم خودفراموشی مین تم ان مصائب سے نا واقف ہو جو کہ شاہ پر گذر رہے ہین۔ اسوقت مین جس مکان مین ہون اُس مین مجھ کو اطمینان وسکون حاصل ہو سیفی کے دوست اُس سے ملنے کے لئے ہر جانب سے آتے رہتے ہین اور ہر قسم کی خبرین اُن سے ملتی رہتی ہین۔

ہمارے موجودہ مکان کے سامنے ایک بہت بڑا پرانا مکان ہو جو گورستان اور اُس کے پارک (باغ) سے ملا ہوا ہے، گورستان کے اس پارک مین ایک میلا کچیلا بُری ہیئت کا مالی ہو جو رات کو سونے کے لمبے لمبے کپڑے ہر وقت پہنے رہتا ہو اور اوپر سے حیدری عبا ڈالے رہتا ہے دن بھر یہ مالی پارک مین پانی دیتا رہتا ہے اور دوسرے کامون مین مشغول و منہمک۔

ایک روز آدھی رات کے وقت، مین کھڑکی مین بیٹھی ہوئی تھی کہ میری نظر چند شخصون پر پڑی جو اس پرانے غیر آباد مکان کے دروازے پر کھڑے تھے اور ان مین سے ایک دروازے کی کنڈی کو آہستہ آہستہ کھٹ کھٹا رہا تھا، کنڈی کے کھٹ کھٹانے کی آواز سنکر ایک شخص نے کھڑکی سے جھانک کر ان لوگون کو دیکھا یہ شخص وہی میلا کچیلا مالی تھا جو دن بھر باغ مین کام کرتا رہتا تھا، جب اسنے اُن لوگون سے کچھ دریافت کیا، تو اُنھون نے جواب مین "رات کا بھید" کے الفاظ کہے اور فوراً شخص مذکور نے دروازہ کھول دیا اور سب لوگ نظرون سے مخفی اور تاریکی مین غائب ہو گئے۔

مین نے رات کو جو کچھ دیکھا تھا جب سیفی سے بیان کیا تو اُسنے بتلایا کہ "ایسا تو روزانہ ہوتا ہو رات کو تم نے جن لوگون کو دیکھا ہو وہ درحقیقت اناطولیہ جانے والے والنیٹر ہین اور یہ لوگ کوشش کر رہے ہین کہ حشمت بک کو بھی اناطولیہ لے جائین"

دوسری رات کو مین نے پھر کھڑکی مین جھککر اُس منظر کو دیکھا اور آنے والے آدمیون کو دیکھتی رہی، کئی آدمی مین نے دیکھے لیکن اُن مین کوئی حشمت بک کے قد و قامت کا نظر نہ آیا۔ مین نے سیفی سے دریافت کیا تو اُس نے بتلایا کہ حشمت بک ابھی اناطولیہ نہین گیا۔

سیفی نے بھی اناطولیہ جانے کا ارادہ کر لیا ہو لیکن مین اس انتظار مین ہون کہ تم آؤ تو ہم سب اناطولیہ چلین، آہ تمھارے مرض نے بھی کیسی ناگوار طوالت اختیار کی ہو۔

(۴)

یکم اپریل۔ کل رات مین نے سیفی اور دوسرے اُن نوجوان فوجی افسرون سے جو اناطولیہ بھاگ جانے کا

ارادہ رکھتے ہین گفتگو کی اُنھون نے مجھکو بتلایا کہ بروصہ ریلوے لائن پر سفر کرنا ممنوع نہین ہی آہ کاش تمھاری خبر مجھے ملتی لیکن آخری ایام مین غور و فکر کے بعد مین اس نتیجہ پہ پہنچی کہ اس امر مین تم پر بھروسہ رکھنا قرین صواب نہین ہی کہ تم بتدریج ہماری جد و جہد مین شریک ہو جاؤ گے ۔ سیفی مجھکو ”اصنہ بازار“ مین جہان احسان دورہ لگا رہا ہے پہنچا دیگا اور کہا جاتا ہی کہ جمال بھی سمرنا سے روانہ ہو کر ”اصنہ بازار“ کے علاقہ مین آجائیگا بہر نوع جب مین اناطولیہ پہنچ جاؤن گی تو مجھے کام کرنے کا بہت موقع ملیگا ۔

عائشہ کے آخری خط کو پڑھ کر مین بیچین ہو گیا اور غور کرنے لگا کہ اگر عائشہ مجھے چھوڑ کر اناطولیہ چلی گئی تو میرا کیا حال ہوگا ۔ فوراً مین نے عائشہ کو ایک طویل خط لکھا جس مین نہایت عاجزی و فروتنی کے ساتھ یہ درخواست کی کہ وہ مجھکو چھوڑ کر نہ جائے ۔ پھر مین نے اس خط مین یہ ظاہر کیا کہ مجھے دنیا مین بجز اس کے اور کوئی خواہش نہین ہی کہ مین بھی احسان اور جمال کے سے کام کرون اور انھین جیسی زندگی بسر کرون ، مین ان کے دوش بدوش ہی تھا اور ان کے کامون مین حصہ لیتا تھا لیکن افسوس ہی کہ علالت نے مجھے مجبور کر دیا ۔ اور مین ان کی تیار کی ہوئی راہ پر نہ چل سکا ، مین امید رکھتا ہون کہ تم فوراً مجھے اپنے مکان کا پتہ دوگی تاکہ مین گھر سے نکلنے کے قابل ہوتے ہی سب سے پہلے تم سے آکر ملون پھر مین نے لکھا کہ تم نوجوان ہو اور تمھارا یہ فعل غلطی پر مبنی ہوگا کہ تم اپنے ایک رفیق کار بھائی کو چھوڑ کر خونین تجویز کو عمل مین لانے کے لئے میدان مین کود پڑو ۔

خط مین نے عائشہ کے پاس بھیجدیا اور دو روز تک اضطراب و بیچینی کے ساتھ جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن جواب نہین آیا البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ سیفی زینب کے پاس آیا تھا اور میرا خط لے گیا ہی لیکن اس کے بعد پھر سیفی بھی زینب کے پاس نہین آیا ۔ مین عائشہ کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملنے سے بہت پریشان تھا اور مسکین غمگین بچہ کی مانند سڑکون پر مارا مارا پھرتا تھا اناطولیہ سے برابر خبرین آرہی تھین اور اخبارات بڑی بڑی خبرین شائع کر رہے تھے ، مین نہین کہہ سکتا کہ یہ خبرین صحیح تھین یا غلط اور کیا یہ اطلاع صحیح تھی کہ احسان ”اصنہ بازار“ مین ہی یا غیر صحیح ۔

اپریل کے پہلے ہفتہ مین ۔ مین گاڑی پر سوار ہو کر استنبول گیا اور احمد آغا سے جا کر ملا احمد آغا نے سر کو حرکت دیکر کہا زینب اور ان لوگون کے درمیان جو اسکدار مین مقیم ہین سلسلہ پیام رسانی منقطع ہو گیا ہے اور اب زینب کے ہان کوئی نہین آتا ۔

ایک ہفتہ کے بعد مجھے اس سے بھی زیادہ مایوس کن خبر ملی یعنی ایک روز مضطرب و پریشان حال احمد آغا میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ اُس کے ایک ہموطن پولیس کے آدمی نے بتلایا ہے کہ حکومت کو سمرنا کی ایک عورت کا پتہ چلا ہے جو اسکدار کے اطراف میں رہتی ہے اور جو آستانہ اور اناطولیہ کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ ہے یہ عورت اعلانات بھی شائع کرتی ہے اور اناطولیہ کی تحریک کا پروپیگنڈا بھی کرتی ہے اُس کی نسبت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ گھروں میں پڑھانے کا پیشہ بھی کرتی ہے حکومت اس عورت کو تلاش کر رہی ہے اور اُس کی تلاش میں پوری قوت سے کام لیا جا رہا ہے۔

یہ خبر سُن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یقیناً وہ عائشہ ہی ہے اور اگر حکومت اُسکو پا گئی تو لازمی طور پر اُس کو فوجی عدالت موت کی سزا دے گی یا کم از کم پانچ یا دس سال قید کی سزا، اس سے پہلے چونکہ فوجی عدالت کئی عورتوں کو سزا دے چکی تھی اس لئے یہ خیال میرے دل میں جڑ پکڑ گیا اور میرا اضطراب بہت بڑھ گیا، پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے عائشہ میری صحت کے انتظار میں ابھی تک اسکدار میں مقیم ہو اور اناطولیہ نہ گئی ہو اور وہیں اپنی تحریک میں مشغول ہو لیکن آہ میں اُس کو کہاں ڈھونڈوں اور کیونکر اُس تک پہنچوں اُسنے اپنے خط میں لکھا تھا کہ وہ دو دفعہ تحصیلدار میں سیفی سے ملی تھی اس بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر عائشہ اناطولیہ نہ گئی ہوگی تو یقیناً وہ غا نجیلر کے اطراف ہی میں مقیم ہوگی کیونکہ وہیں سیفی کا قیام ہے پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے سیفی کو بھی حکومت گرفتار کرنا چاہتی ہو اور اُس کی گرفتاری کے احکام بھی جاری ہو چکے ہوں اور وہ بھی کہیں چھپ گیا ہو، آہ عائشہ تک پہنچنے کا آخر کونسا ذریعہ ہے، آج میں نے اچھی طرح محسوس کیا کہ واقعی میرے جسم پر آتشین پیراہن ہے میں روزانہ اُن اطراف میں جاتا جو اسکدار کی آبادی اور خرابوں کے درمیان واقع ہیں اور تنگ و تاریک گلیوں میں کھڑا ہو کر دیر تک ادہر اُدہر دیکھتا رہتا پھر اُن چھوٹے چھوٹے گھروں میں جاتا جن کی چھتیں درختوں کی شاخیں ڈالکر بنائی گئی تھیں اور پھر اُن چھوٹی چھوٹی جھیلوں یا پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں پر جن کے گرد گھاس جمی ہوئی تھی کھڑا ہو کر چاروں طرف نظر ڈالتا اور اُن عورتوں کو غور سے دیکھتا جو کالی چادر سر پر ڈالے ادہر اُدہر آتی جاتی تھیں، یہاں تک کہ میں اپنی آوارہ گردی اور خلاف تہذیب طریقہ پر عورتوں کو غور سے دیکھنے پر نشانہ ملامت بھی بنایا جاتا اور عورتیں مجھکو بُرا بھلا بھی کہتیں چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"خدا کرے تیری آنکھیں پھوٹ جائیں تو یہاں کیا دیکھتا پھر رہا ہے؟ کیا تو انگریزوں کا جاسوس ہے؟ اگر نہیں تو پھر بتلا تو کون ہے؟"۔ آہ میں نے سب جگہ عائشہ کو ڈھونڈا لیکن کہیں اُس کا پتہ نہ پایا اسی طرح سخت رنج و

الم کی حالت مین مین نے ایک ہفتہ گذارا، ہفتہ کے آخری دن مین اسکدار کی بندرگاہ پر پہنچا تاکہ اسٹیمر پر سوار ہون کہ یکایک میری نظر سیفی پر پڑی جو روشنی مین تیزی سے میری طرف بھاگا چلا آرہا تھا اسوقت اُس کے سر پر سیاہ ٹوپی تھی جب وہ قریب آگیا تو مین نے اُس کی گردن کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح پانی مین ڈوبنے والا نجات حاصل کرنے کے لئے کسی چیز کو پکڑ لیتا ہو، آخر ہم دونون اسکدار کی طرف روانہ ہوئے مین بدستور اُس کی گردن مین اپنے ہاتھون کو حمائل کئے ہوئے تھا کیونکہ سیفی میرے لئے اسوقت ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، سیفی نے مجھے متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

"لوگ تمھاری اس حرکت سے مشکوک ہوجائین گے، تم میری گردن سے اپنے ہاتھ نکال لو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو" مین نے سیفی کی تنبیہ کی پروا نہ کی اور بدستور اُس کی گردن مین حمائل رہا کیونکہ میرا خیال تھا کہ مین نے سیفی کو پاکر عائشہ کے ہان اُس عائشہ کے دامن کو پکڑ لیا ہو جو مجھ سے دُور دُور رہنا چاہتی تھی ایسی حالت مین مین کیونکر سیفی کو چھوڑ سکتا تھا، بہرحال سیفی کو پاکر میرا اضطراب رفع ہوگیا اور سکون و طمانیت حاصل ہوگئی آخر ہم دونون جہاز سے اُتر کر ایک رکشا (ہاتھ گاڑی) مین سوار ہوئے اور سیفی کے مکان پر پہنچے سیفی نے زینب کے ہان آنا جانا اس لئے بند کر دیا تھا کہ پولس اُس کی فکر مین تھی اور اس لئے کہ پولس کو عائشہ کا حال معلوم ہوچکا تھا۔

مکان کے اندر داخل ہوکر مین نے دیکھا کہ عائشہ فرش پر بیٹھی ہو اور سیفی کی والدہ کے لئے قہوہ بنا رہی ہے۔ مین نے عائشہ کے ہاتھون کو بوسہ دیا اور بے اختیار میری آنکھون سے اُس کے ہاتھون پر آنسو ٹپک پڑے پھر مین نے سیفی کی مان کے ہاتھون کو چوما، عائشہ پر میری آنکھون سے آنسو جاری دیکھکر رقت طاری ہوگئی اور مین نے دیکھا کہ اسوقت عائشہ کے چہرہ پر رقتِ قلب کے آثار نمایان ہین اور اُس کی آنکھین کشادہ ہوگئی ہین بایں ہمہ کہ عائشہ بہت متاثر تھی لیکن وہ روئی نہین بلکہ اسوقت ہم سب مین صرف عائشہ ہی ایک ایسی ذات تھی جو ضابط و صابر اور خاموش نظر آتی تھی۔

اسوقت ہمارا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ ہم جسقدر جلد ممکن ہو اس مکان کو چھوڑ دین اور اناطولیہ کی طرف روانہ ہوجائین، روانگی کے لئے جو تجویز ہمنے قرار دی وہ یہ تھی کہ کاشتکارون سے ہم ایک گاڑی اور ڈیل خرید لین اور تینون آدمیون (مین، سیفی اور عائشہ) کے لئے دیہاتی وضع کے کپڑے بہم پہنچائین اور اس صورت مین ہم اضنہ بازار کی طرف روانہ ہون، جب ہم اس تجویز کے موافق گاڑی پر سوار ہوکر

درصا نذیرا پہنچ جائین گے تو گویا ہم کو اطمینان حاصل ہوجائیگا کیونکہ وہ مقام ہمارے بھائیون اور بے قاعدہ جماعتون کے اثر و اقتدار مین داخل تھا۔

برو صہ کی ریلوے لائن سے چونکہ عائشہ کو ساتھ لے جانا ممکن نہین تھا کیونکہ عائشہ کے حالات اور حلیہ سے تمام لوگ واقف ہوچکے تھے اور پولس اُس کی تلاش مین پھر رہی تھی اس لئے ہم نے برو صہ لائن سے سفر کے ارادہ کو ترک کردیا۔

---

۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء

مجھے اس وقت عائشہ کی وہ ہیئت یاد آرہی ہے جو اُس نے اناطولیہ کی طرف روانگی کے وقت اختیار کی تھی یعنی اُس کے چھوٹے سے سر پر سیاہ دوپٹہ تھا جس کے دونون کنارون کو اُسنے اپنے دیہاتی وضع کے لباس کے اندر چھپا رکھا تھا اور دونون (ٹھوڑی) سے سر تک گلابی چھینٹ کی ایک پٹی بندھی تھی کبھی کبھی اُس کی آنکھون کے دونون زمرد اس طرح آنکھون کے اندر گردش کرتے نظر آتے تھے جس طرح ڈیڑھ سال کا بچہ آنکھون کی پتلی (نیلگون حصہ) کو حرکت مین لاتا ہے لیکن ایسا عموماً ایسے خطرناک مواقع پر ہوتا تھا جن سے خوفزدہ ہوکر مجھ پر اور سیفی پر کپکپی طاری ہوجاتی تھی، اُس کی سیاہ آنکھون سے حیرت انگیز چمک پیدا تھی اور نگاہون سے ایسی متانت و سنجیدگی اور حزم و احتیاط نمایان تھی جیسی کہ مضبوط ارادہ بلند ہمت اور صاحب قدرت اشخاص کی نگاہون مین پائی جاتی ہے۔

اناطولیہ کے سفر مین آفتاب کی حرارت نے اُس کے چہرہ کا رنگ تانبہ کا سا کردیا تھا لیکن اُسکے ہونٹ بدستور سُرخ تھے اور اُن کی تر و تازگی اور سُرخی پہلے سے بڑھ گئی تھی مختصر یہ کہ اس سفر مین عائشہ ایک خوب صورت کسان عورت تھی۔

عائشہ نے چونکہ اپنے باپ کے کھیتون مین رہکر کاشتکاری کے متعلقہ کامون مین مہارت پیدا کری تھی اور مواشی وغیرہ سے وہ مانوس تھی اس لئے اس سفر مین اُس کا سابقہ تجربہ اور مہارت کام آئی اور بیلون کو ہانکنے اور گاڑی کو چلانے مین اُسنے ہم کو بڑی مدد دی اور آفتاب کی حرارت، تارون کی روشنی، ویران و خشک جنگلون اور بعض بعض مقامات پر سرسبز کھیتون مین اُسنے ہمارے سفر کو بہت آسان کردیا جب ہم آبادیون سے گذرتے تو کبھی اُن مین ٹھہرنے کا خیال بھی دل مین پیدا نہ ہونے دیتے تھے بلکہ ہمیشہ جنگل

میدان میں رات بسر کرتے تھے، ہمارے سامان میں دو بوریاں بھی تھیں جن میں ہم نے اپنے کپڑے اور ضروری سامان کو بھر رکھا تھا اور تھوڑا سا کوئلہ اُن کے اندر ڈال رکھا تھا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کوئلہ کی بوریاں ہیں۔

عائشہ اور میں نے گاڑی کے اندر گھاس کا فرش بچھا لیا تھا اور ہم باری باری سے سوتے اور پہرہ دیتے تھے اور باوجود یکہ ہم بڑے بڑے خطروں میں گھرے ہوئے تھے لیکن دنیا میں ہم سے زیادہ کوئی خوش نصیب تھا، کبھی کبھی عائشہ کے چہرہ پر میں دیکھتا کہ پسینہ جاری ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا چہرہ گھل رہا ہے اور اُس کی آنکھوں کے اندر سیاہی تیز ہوتی جاتی ہے اور کبھی میں اُسکو بچوں کے مانند ایک معمولی شغل میں مشغول پاتا تھا مثلاً یہ کہ وہ اپنے بھاری دیہاتی جوتوں کو اتار دیتی اور بچوں کی مانند پُرشوق قدموں سے ٹھنڈے اور آب رواں یا چشمہ کے پاس جاتی اور اُس میں اپنے بڑے بڑے سفید پاؤں کو دھوتی تھی۔

مقام دقت دوہ میں پہنچکر ہم تینوں آدمی گاڑی کے بیلوں کے قریب کھڑے ہوگئے اور سمندر پر آخری نظر ڈالی، ازمیت کا ساحل صاف سامنے نظر آرہا تھا جس کے دونوں جانب زیتون کے چھوٹے چھوٹے درختوں کی سبزی دکھائی دے رہی تھی پھر دیکھا کہ خلیج ازمیت کا نیلگوں وسعادتمند پانی روشن ومنور آستانہ کی جانب بہہ رہا ہے۔ جسوقت ہم اس منظر کو حسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے میری اور سیفی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے اور میں اسوقت اُن مصائب کے رنج کو محسوس کررہا تھا جو میرے ہموطنوں کو گھیرے ہوئے تھے اور ان مصائب کا حزن مجھکو ستمر ناسے زیادہ تھا لیکن عائشہ کی حالت اسوقت ہم سے بالکل مختلف تھی، اُس کی آنکھیں آسمان کی طرح صاف تھیں اور اُن سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

آخر ہمنے اس چھوٹے سے بحری قطعہ کو رخصت کیا اور اُس کے ساحل کو بوسہ دیکر آگے بڑھے لیکن رخصت ہونے سے قبل میری آنکھوں نے سبز نور کی شعاعوں کو آستانہ پر ڈالا اور حسرت کیساتھ میں نے ایکبار پھر آستانہ کو دیکھا اسوقت مجھکو اس امر کا یقین ہوگیا کہ میں عائشہ کے ارادہ کا تابع ہوں میرے جسم پر جو آتشین پیراہن ہے وہ عائشہ نے پہنایا ہے اور اُس کا آتشین جالک مجھکو ہنکا رہا ہے۔

جبکہ سمندر کا پُرجوش پانی بلندی سے گر کر سطح آب پر جھاگ پیدا کررہا تھا میں نے پھر آخری مرتبہ اپنی آنکھوں کے سیاہ نقطہ سے ایک بڑھیا عورت پر نظر ڈالی جو یقیناً مجھکو یہ کہکر بلا رہی تھی۔

مجھے اُمید ہے کہ خدا تجھکو اُس آگ سے نجات نہ دیگا جو تیرے سینہ میں بھڑک رہی ہے۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ خدا تجھکو عمر بھر حسرت و بھوک میں مبتلا رکھیگا۔

(۸)

اَیّامِ شورش

۱۳ر نومبر ۱۹۲۱ء

قومی حرکت کرنے اور بنا دینے والے اشخاص کے حالات جو واقعی طور پر سابقون الاولون کے درجہ مین تھے ان سارے علاقون کے لوگون کو معلوم تھے اور بچہ بچہ کی زبان پر اُن کا نام تھا جب ہم کسی گانون سے گذرتے تو اِن لوگون کے حالات اور واقعات وہان کے باشندون سے سُنتے یا اُن کے کسی کارنامے کی یادگار وہان موجود پاتے اس راستے سے ہم سے پہلے بہت سی موٹرین جا چکی تھین جن مین مردون اور عورتون کی وہ مفرور جماعتین تھین جو قسطنطینیہ کے مصائب و آلام سے تنگ آکر اناطولیہ مین پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھین۔

راستہ مین بہت سے عجیب غریب منظر نظر آئے کہین ایک سپاہی تیرون کا ترکش پہلو مین ڈالے کسی شخص یا اُن اشخاص سے باتین کرتا نظر آتا تھا جو پہاڑیون کے دامن سے یکایک ظاہر ہوتے تھے اور پھر چھپ جاتے تھے ان لوگون کی گردنون مین کارتوسون کی پیٹیان پڑی تھین اور سرون پر منڈھی ہوئی ٹوپیان پہنے ہوئے تھے، کہین دُور سے استنبول کا قافلہ جاتا نظر آتا تھا جو جلد ہی نظرون سے پنہان ہوجاتا تھا، ایک موقع پر ہم نے چند فوجی افسرون کو فوجی وردی مین دیکھا جو گھوڑون پر سوار تھے لیکن گھوڑون کی زینین لکڑی کی اور لگامین رسی کی تھین، اسی طرح ہم نے بہت سے باشندگانِ ملک کو دیکھا جو اپنے سامان کو لئے ہوئے چلے جارہے تھے۔

ہم نہایت احتیاط سے لوگون کی نظرون سے بچتے ہوئے سفر کر رہے تھے اور کوئی شخص راہ مین مل بھی جاتا تھا تو ہم اُس سے باتین نہ کرتے تھے بلکہ خاموش گذر جاتے تھے جن دیہات سے ہم گذرے وہان ہم نے سکون و اطمینان پایا اور آمد و رفت مین سہولت نظر آئی، دیہات کے باشندے ہر جگہ ہم سے اندرونِ اناطولیہ کی خبرین بیان کرتے اور ظاہر کرتے کہ شورش رونما ہوگئی ہے اور جوانانِ قوم نے یونانیون کو پریشان کرنا شروع کر دیا ہے۔

تین روز کے سفر کے بعد ہم شورش کے علاقہ میں پہنچ گئے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اس جدید شورش یا جد و جہد کا نمونہ دیکھ لیا۔ لوگ سر سے پانوں تک کار توسوں میں لدے ہوئے تھے۔ پہلوؤں میں تلواریں اور طپنچے پڑے تھے۔ بندوقیں کاندھوں پر رکھی ہوئی تھیں اور وہ نہایت چستی اور پھرتی کے ساتھ ایسی تیزی سے جا رہے تھے گویا اُن کے پانوں میں کمانیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ بہادر سپاہی کبھی اپنی بندوقوں کو کاندھوں پر رکھ لیتے اور کبھی اُن کو ہوا میں اپنے سروں پر حرکت دیتے تھے، اگرچہ یہ لوگ مختلف کام کرتے تھے اور ان کی خدمات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں لیکن سب کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے ان میں اُن بے قاعدہ جماعتوں کے لوگ بھی تھے جو عرصہ دراز تک تھریس اور مقدونیہ کے پہاڑوں میں بلغاریوں سے لڑتے رہے ہیں اور بے قاعدہ جنگ کے ماہر ہو گئے ہیں، ان جماعتوں میں افسر بھی تھے اور ماتحت سپاہی بھی۔

عائشہ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو ابتدا میں تو اُن کے طریق کار پر اسکو بہت تعجب ہوا لیکن کچھ دن اُن سے مانوس ہو گئی اور اُن کے کاموں کو دلچسپی کی نظر سے دیکھنے لگی، شورش کے علاقہ میں داخل ہو کر ہم اس امر پر مجبور ہوئے کہ اپنے راز کو ظاہر کر دیں۔ چنانچہ ہمکو یہ بیان کرنا پڑا کہ عائشہ "میجر جلال بک" کی بہن ہے اور انگریزوں کے خوف سے بھاگ کر آئی ہے۔ عائشہ کو اُس کے دیہاتی وضع کے لباس نے نوجوان اور خوبصورت بنا دیا تھا لیکن جو شخص اُس کے دردناک واقعہ کو سُنتا تھا غیظ و غضب سے اُس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگتے تھے اور انتقام کا جذبہ اُسکو بے چین کر دیتا تھا، یہاں تک کہ عائشہ ان لوگوں کی نظروں میں سمرنا کی آزادی کے جہاد کا ایک مقدس جھنڈا بن گئی تھی۔

دیہات کے کاشتکار اس مہم جد و جہد کے مقابلہ میں بالکل بے حس بلکہ نافر دخوف زدہ تھے اور اپنے کھیتوں کے کام میں مشغول رہتے تھے۔

جب ہمارے اور "اضہ بازار" کے درمیان صرف ایک منزل باقی رہ گئی تو مقام "قندیرہ" کے علاقہ کے ایک گانوں میں ہو کر ہم گذرے جہاں ہمکو اناطولی بھائیوں کی ایک جماعت ملی واقعہ یہ ہوا کہ بہت صبح سویرے ہی جبکہ مرغ اذان دے رہا تھا ہم اُٹھے اور روانگی کے لیے تیار ہی ہو رہے تھے کہ ہمکو اُس قدر دمیدان میں جو ہمارے مقابل تھا سبز پہاڑی پر کچھ لوگ دکھائی دیئے اُن کے سروں پر اسوقت سرخ سرخ ابر کے ٹکڑے تھے اور اُن کا سایہ بنفشی رنگ پیدا کر رہا تھا، چند منٹ میں یہ سوار ہمارے قریب

پہنچ گئے، ہم نے دیکھا کہ یہ آٹھ سوار تھے اور سمندر کے باشندگان ساحل کا سا سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے ان میں سے ایک نوجوان جو غالباً ان کا افسر تھا آگے تھا پہلے تو یہ ہمارے قریب سے گذر کر تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے لیکن پھر پلٹے اور ہمارے قریب آکر ہم کو سلام کیا۔

اسوقت عائشہ انکو اپنی سیاہ آنکھوں سے دیکھکر مسکرا رہی تھی اور سواروں نے اپنے نوجوان افسر کو چاروں طرف سے احاطہ میں لے رکھا تھا، نوجوان افسر کا چھوٹا سا مستطیل داڑھ تھا اور گلگوں رخسارے اسکے رخساروں اور ٹھوڑی میں خوبصورت اور دلکش جھائیاں تھیں، دانت خوبصورت اور چمکدار تھے اور وہ خالص عربوں کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔

سواروں نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا تم نے راستہ میں ایک عورت اور دو مردوں کو کہیں دیکھا ہے جو آستانہ سے بھاگ کر آ رہے ہیں؟

پھر انھوں نے بتلایا کہ عورت کا نام عائشہ ہے، عائشہ نے اپنا نام سُنکر مسکراتے ہوئے سواروں پر نظر ڈالی جو یقیناً ان سواروں کے دل میں اُتر گئی ہوگی، شورش کے علاقہ میں داخل ہوتے ہی عائشہ کے چہرہ پر تر و تازگی پیدا ہو گئی تھی اور اُس کا چہرہ بچوں کے چہروں کے مانند تر و تازہ ہو گیا تھا اس لئے اُس کے مسکرا کر دیکھنے کا یقیناً ان سواروں پر اثر پڑا ہوگا پھر عائشہ نے کہا۔

بھائیو! عائشہ میں ہوں۔

سوار عائشہ کے موزوں لب لہجہ سے حیرت میں رہ گئے اور سبھوں نے جھک کر مذہبی اخلاص کیا اسکے بعد دیگرے اُس کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور پھر اُس کے ہاتھ کو عزت کے ساتھ اپنے سروں پر رکھا، سواروں کی یہ جماعت احسان کے اُن بے ضابطہ سپاہیوں سے تعلق رکھتی تھی جو کیوہ کے مقام پر دشمنوں سے لڑ رہی تھی اور احسان نے اُنکو ہمارے استقبال کے لئے روانہ کیا تھا۔

تعارف کے بعد سب سے پہلے ہم نے سواری کے لئے تین گھوڑوں اور باربرداری کے لئے چند چارپایوں کا انتظام کیا پھر اپنی گاڑی اور بیلوں کے مسئلہ پر نظر ڈالی اور اس کے بعد ہم اضہ بازار کی طرف روانہ ہوئے اخنہ بازار تک ہمارا تین روز کا سفر ہمارے سارے سفر سے زیادہ راحت بخش تھا۔

مختصر یہ کہ ضروری سامان فراہم کر کے ہم روانہ ہوئے اسوقت ہم ایک ایسی وادی میں تھے جس کے اندر کثرت سے پست و بلند ٹیلے تھے، عائشہ دیہاتی عورتوں کی طرح مضبوطی سے گھوڑے پر سوار تھی اور ہمارا

جب ہمراہی ۲۰ سواروں کا افسر احمد رفقی اپنے ساتھیوں سے باتیں کرتا اطمینان سے ہمارے ساتھ چل رہا تھا راستہ میں ایک گہرا نالہ پڑا جس کے سامنے چٹانیں اور خاردار گھاس پھیلی ہوئی تھی اور ہم اسکو عبور کرنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ میں نے گولی کی آواز سنی اور ایسا محسوس ہوا کہ گولی میرے کان کے قریب سے نکل گئی ہے گولی کی آواز سنکر ایک لمحہ کے اندر میں نے دیکھا کہ احمد رفقی کے ہمراہی گھوڑوں سے کود کر چٹانوں کے پیچھے جا چھپے فوراً احمد رفقی نے عائشہ کو گھوڑے کی پشت سے کھینچکر ایک محفوظ جگہ میں پہنچا دیا۔ اسی طرح ہم نے بھی کیا اور پتھروں کے پیچھے ہم بھی زمین پر لیٹ گئے اطمینان کی جگہ پہنچکر ہمارے سوار ساتھیوں نے نیشکر کے ان درختوں کی طرف جو سامنے تھے اپنی بندوقوں کو سیدھا کیا اور دشمن کا انتظار کرنے لگے پھر ہم نے ایک بندوق کی نال کو کو دیکھا جس کا دہانہ ہماری جانب تھا اور معاً کسی شخص کو سخت لب و لہجہ اور بھرائی ہوئی آواز میں یہ کہتے ہوئے سنا۔

اپنی بندوقوں کو دور پھینکدو اور زمین پر لیٹ جاؤ۔

احمد رفقی نے بلند آواز میں نوجوان اور صاف دل شخص کی طرح جواب دیا۔

کمینو آؤ اگر تم میں جرأت و طاقت ہو تو ہم کو پکڑ لو۔

بھرائی ہوئی آواز والا شخص احمد رفقی کا جواب سنکر گالیوں پر اتر آیا اور دیر تک احمد رفقی اور اس کے درمیان گالیوں کی جنگ جاری رہی آخر میں احمد رفقی نے چلا کر اس سے کہا۔

کتو بھاگ جاؤ ورنہ تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھدوں گا۔

احمد رفقی نے یہ کہکر اپنے ماتحت سواروں کو فائر کا حکم دیا اور دونوں طرف سے گولی چلنے لگی بندوقوں کی جنگ کے ساتھ گالیوں کی جنگ بھی جاری تھی یکایک احمد رفقی نے چلا کر کہا۔

محترمہ عائشہ خبردار سر اوپر نہ اٹھانا۔

آخر چند منٹ کے بعد ہم نے دیکھا کہ نیشکر کے کھیت کے اندر چھپے ہوئے دشمنوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور ہماری جماعت نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور چلا کر کہا ہاں آگے بڑھو اور ان پر حملہ کردو۔ معاً تمام سواروں نے دشمنوں پر حملہ شروع کر دیا اور کئی بار متواتر گولیاں برسائیں دشمن کے آدمیوں میں سے ایک مارا گیا جسکی نعش کو وہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہماری جماعت میں صرف ایک شخص زخمی ہوا جس کی ران میں گولی لگی تھی فوراً عائشہ نے اپنے سامان میں سے ایک شیشی نکالی جس میں ٹنکچر آیوڈین بھرا ہوا تھا اور پھر روئی اور ضماد کو نکالا اور مجروح

سپاہی کے زخم کو دھو کر اُس پر دوا چھڑکی۔ اور روئی کا پھایا رکھکر زخم کو باندھ دیا۔ عائشہ زخم کو باندھ رہی تھی اور تمام سوار اُس کے چاروں طرف کھڑے حیرت سے اُس کو دیکھ رہے تھے اور اپنے قلوب میں اُس کی محبت اتنی پاتے تھے جو عبادت کی حد تک پہنچ گئی تھی۔

اس کے بعد ہم نے پھر درج سوار کو گھوڑے پر بٹھایا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ جب ہم مقتول دشمن کی نعش کے قریب پہنچے تو سب کی نظریں عائشہ کے چہرہ کی طرف اٹھ گئیں اور ہم سب یہ دیکھکر حیران رہ گئے کہ اس خونی منظر نے نہ تو عائشہ کو پریشان کیا اور نہ اس کے چہرہ پر گھبراہٹ کی کوئی علامت نظر آئی۔ عائشہ کی اس خوبی نے احمد رتقی کے ساتھیوں پر بڑا اثر ڈالا اور پھر وہ کبھی عائشہ کو نہ بھولے۔

جب ہم کسی گاؤں کے قریب پہنچتے تو ہماری جماعت کے چند آدمی گاؤں میں جاتے اور اپنی جیبوں میں انڈے، پنیر اور دوسری اچھی اچھی چیزیں عائشہ کے لئے بھر کے لاتے اور اُس کی خوب خاطر کرتے تھے۔ ہم میں سے ہر شخص سگرٹوں کی ڈبیہ عائشہ کی خدمت میں اس خیال سے پیش کرتا کہ وہ سگرٹ لے کر اُن کی عزت بڑھائے گی، لیکن عائشہ کسی کی دلشکنی کے خیال سے آنکھیں بند کرکے ہاتھ بڑھاتی اور جس کی ڈبیہ پر اُس کا ہاتھ پڑ جاتا اُسی میں سے سگرٹ لے لیتی تھی اور وہ شخص جس کی ڈبیہ اس عزت کی مستحق قرار پاتی تھی اُس کے قریب کھڑا ہوا فخر و مسرت کیساتھ اُس کو دیکھتا تھا گویا اُسکو کوئی تمغہ یا سرکاری نشان مل گیا ہے۔

مختصر یہ کہ تمام لوگ انتہا درجہ کے سادہ اور مخلص و خوش مزاج تھے وہ راستہ میں اُن خونریز معرکوں کے حالات بھی ہم کو سناتے تھے جو وقوع میں آچکے ہیں اور اُن کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے، گویا اس قسم کے واقعات یا معرکے اُن کی نظر میں ایک معمولی بات تھی۔ بے قاعدہ سپاہ کے یہ سوار نہایت شجیع تھے اور مصائب کو برداشت کرنے کی اُن میں غیر معمولی قوت تھی وہ ہر وقت اپنے مضبوط ارادوں سے اس امر پر آمادہ رہتے تھے کہ مصائب کا مقابلہ کریں۔ ان کی شورش نہایت سادہ اور جائز طریقوں پر مبنی تھی، اُن کا خیال تھا کہ غیر قوموں کی ایک جماعت نے التوائے جنگ کے نام سے ترکوں کو دھوکہ دیا ہے اور ناجائز طور پر وہ اُن کے ملک میں گھس آئے ہیں اور جو کچھ اُن کو ملتا ہے وہ اُس پر اپنا قبضہ کر لیتے ہیں۔

شورش کے رہنماؤں اور وطن پرست ترکوں نے عہد کر لیا تھا کہ جنگی ذخائر کو حاصل کرنے میں خواہ اُن کو کتنی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں لیکن بایں ہمہ وہ نہایت شوق و رغبت کے ساتھ وطن کی مدافعت کے حقوق کو ادا کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا وہ دشمن کو اذیت و تکلیف پہنچائیں گے۔

عائشہ نے ان وطن پرست افراد کے خصائص و خصائل کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا یعنی وہ انکی خوبیون سے اتنا واقف تھی کہ کوئی دوسرا اتنا آگاہ نہ تھا عائشہ کی روح آزادی جس نے سمرنا کے پہاڑون کی وسیع وادیون مین نشو ونما حاصل کی تھی، جیش آزادی کو اُس کی خوبیون اور کمزوریون کے ساتھ بہت محبوب رکھتی تھی۔

اناطولیہ کے راستہ مین عائشہ کو جن لوگون سے ملنے کا موقع ملا تھا اُن سب مین احمد نقی اُس کے نزدیک ایک صاف باطن اور خوبصورت لڑکا تھا، عائشہ کا عقیدہ تھا کہ احمد نقی سمرنا کی حقیقی سپاہ کا ایک فرد ہے اور اُس نے یہ عہد کیا ہے کہ وہ اُسوقت تک جیش سمرنا کا سپاہی رہیگا جب تک کہ اُسکی آنکھون کا نور باقی رہیگا۔

اسوقت کہ مین شفاخانہ مین پڑا ہون گویا اب بھی عائشہ اور احمد نقی کو دیکھ رہا ہون کہ وہ دونون گھوڑون پر سوار پہلو بہ پہلو چلے جا رہے ہین اور گھنٹون تک باتون مین مشغول و منہمک رہتے ہین۔ مین نے محسوس کیا تھا کہ احمد نقی کے دل مین عائشہ کی محبت نے جگہ لے لی ہے جسمین ادب و احترام اور حمایت و حفاظت کا جذبہ بھی شامل ہے۔ عائشہ بھی آخری وقت تک بڑی بہن کی طرح احمد نقی سے محبت کرتی رہی اور اسی طرح کی شفقت و محبت سے اُس سے پیش آئی جس طرح کہ ایک ماں اپنے بچون سے پیش آتی ہے۔

تھوڑی رات گذرنے پر ہم "اصنہ بازار" کے قریب پہنچے۔ "اصنہ بازار" کی شورش کی حالت روزانہ بلکہ ہر گھنٹہ بدلتی جاتی تھی اور شورش برابر ترقی حاصل کر رہی تھی اسوقت "اصنہ بازار" کا میدان، البانی، چرکسی، ابازی اور ترکون کی جولانگاہ بنا ہوا تھا اور روزانہ ایک قوم دوسری قوم سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی جیسا کہ دیہاتی باہم وقتاً فوقتاً لڑتے رہتے تھے اور جو فریق ان مین غالب آجاتا تھا حکم و اقتدار اُسی کے ہاتھ مین آجاتا تھا اور دوسرا فریق ہر چیز سے دست بردار ہوجاتا تھا۔

احمد نقی جب ان لوگون کے حالات بیان کرتا تو بہت ہنستا تھا ایک موقع پر اُسنے بیان کیا سب سے بڑی مصیبت وہ کاشتکار ہین جو اپنے خوفناک آلات کشاورزی لے کر آتے ہین ان مین سے جب کوئی کسی کے سر پر کوئی کاشتکاری کا آلہ مار دیتا تھا تو سر پاش پاش ہوجاتا تھا لیکن غنیمت یہ ہے کہ ابھی ان مین جوش و غضب پیدا نہین ہوا ہے اور ان کو غصہ بہت کم آتا ہے کبھی کبھی یہ لوگ دونون فریق سے ناخوش ہوجاتے ہین اور ان پر اپنے آلات کشاورزی سے حملہ کر دیتے ہین لیکن اگر ان لوگون کو حقیقت

مین غصہ آجائے تو حالت بہت خطرناک ہوجاتی ہے یہ حالت آوانہ بازار کی ہے لیکن عنقریب ہم کو مقامات "بولی اور رودزجہ" کی حالت بھی معلوم ہوجائے گی باشندگان اقصہ بازار اب تک اپنی روش پہ قائم ہین اور کمین گاہون مین چھپے رہتے ہین اور جب کسی مسافر کو پاتے ہین تو اسکو لوٹ لیتے ہین۔

کچھ رات گئے ہم اُس قہوہ خانہ مین پہنچے جو اقصہ بازار سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر اس جانب تھا پائیوٹھا پہنچکر ہم نے ایک آدمی کو پیدل اطلاع کے لئے اقصہ بازار روانہ کردیا، یہ قہوہ خانہ مستطیل شکل کا تھا اور تاریکی اُس مین چھائی ہوئی تھی تو آرہی تھی اور اس کے اندر کچا فرش تھا جو لوگ قہوہ خانہ مین موجود تھے انہون نے آگ جلاکر روشنی کی۔ روشنی مین اُن لوگون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ وہ بہت تھکے ہوئے ہین وہ سب کے سب قہوہ خانہ کے ایک گوشہ مین بیٹھے ہوئے ایک بوتل سے اونڈیل اونڈیل کر کوئی سفید سفید چیز پی رہے تھے عائشہ نے اِن لوگون کو دیکھکر پہلی مرتبہ یہ ظاہر کیا کہ اُس کی دوربین نگاہون نے ابھی تک یہ نہین دیکھا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہین اور کیا کرینگے سیفی نے عائشہ کے خیالات کو جانچکر طیش آمیز لہجہ مین کہا۔

"مدافعت ان لوگون سے ناممکن ہے ہان صرف باقاعدہ سپاہ ہی مدافعت کرسکتی ہے"

ہماری جماعت مین ایک اناطولی شناویش (سارجنٹ) بھی تھا جو ایک پرانا سپاہی تھا اور آستانہ سے بھاگ کر اناطولیہ آیا اور وطنی جدوجہد مین شریک ہوگیا تھا اس نے سیفی کے الفاظ سنکر کہا۔

یہ لوگ اگر تین فوجی پولس کے سپاہیون کو دیکھ لین تو ڈرکر بھاگ جائین۔

سیفی کے الفاظ سنکر اُن لوگون کے چہرون کا رنگ زرد پڑگیا جو قہوہ خانہ مین موجود تھے اور وہ ہماری طرف غمگین نگاہون سے دیکھنے لگے، اس موقع پر اگر عائشہ نہ ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ سیفی اور اناطولی سارجنٹ سے اُن لوگون کا جھگڑا ہوجاتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیفی اور اناطولی سارجنٹ نے جو الفاظ کہے تھے وہ اپنی زبان سے نہین بلکہ ایک ایسی ترکی سپاہ کے سپاہی یا افسر ہونے کی حیثیت سے کہے تھے جسکا وجود اسوقت تک ناطوقہ مین نہ تھا، عائشہ نے اس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے بلند آواز مین کہا۔

کیا یہ لوگ لشکر نہین ہین؟ اور کیا وہ فوجی پولس جو ان کو اذیت رسانی کا قصد رکھتی ہے انگریزون اور یونانیون کے سوائے کوئی اور شئے ہے؟ ہان بلاشبہ یہ لوگ استقلال کا لشکر ہین یعنی یہ تمام لوگ سمرنا کے استقلال کے لشکر مین داخل ہین ہان یہ سب لوگ قوم کے لشکر کی سب سے پہلی جماعت ہین۔

عائشہ پرجوش لہجہ مین یہ الفاظ کہہ رہی تھی اور شعلہ زن آگ کے سایہ مین کھڑی تھی، اُس کی کالی کالی

آنکھیں چھینٹ کے دیہاتی رومال کے نیچے سے چمک رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی آنکھیں بچّوں کی سی آنکھیں ہیں کیونکہ اُن سے شباب کی چمک اور زندگی کی تازگی نمایاں تھی، عائشہ کے الفاظ نے اُن لوگوں پر جو قہوہ خانہ میں موجود تھے بڑا اثر کیا وہ لوگ اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے اور عائشہ کے گرد جمع ہو گئے وہ اسوقت بہت خوش تھے اور اپنی حرکات و سکنات سے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ اُس کی اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ آہ اے محبوب سمرنا؟ آہ اے آتش فشان سمرنا کیا ہم تیرا جلوہ عائشہ کی شخصیت میں دیکھ رہے ہیں کہ اُس سے متاثر ہو کر ہم تیرے لئے آگ کے شعلوں میں کود رہے ہیں یا ہم اپنا سرخ سرخ خون سرسبز و شاداب سمرنا کے لئے اس لئے بہا رہے ہیں کہ عائشہ اُس کے پہاڑوں کی اولاد ہے اور اُن میں عائشہ نے پرورش پائی ہے۔

پھر ہمنے قہوہ خانہ کے اندر عائشہ کے لئے تکلّف سے میز پر اُبلے ہوئے انڈے، اور پنیر وغیرہ خاص اہتمام سے چنے اور عائشہ نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھکر اس سادگی سے ان چیزوں کو کھایا جس طرح بچّے بے تکلفی سے کھاتے ہیں قہوہ خانہ کے دیہاتی لوگ عائشہ کے سامنے فرش خاک پر حلقہ باندھے بیٹھے تھے اور احمد رفقی اُس کے مقابل ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھا تھا، احمد رفقی کبھی سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا اور کبھی پیچھے مُڑ کر اپنے خیال میں محو ہو جاتا تھا۔

اب عائشہ اُس زمانہ کی عائشہ نہیں رہی ہے جبکہ وہ غم و الم کا ایک خاموش مجسمہ تھی بلکہ اب تو وہ آگ کا ایک شعلہ ہے اُس میں نوجوانوں کی سی روح پیدا ہو گئی ہے اور وہ اپنے اندر اتنی قوّت و ہمت رکھتی ہے کہ دُنیا کی وسعت اُس کے لئے کافی نہیں ہے۔

انگیٹھی کی آگ جب شعلہ زن ہوتی تو آٹھ سیاہ سیاہ بازو عائشہ کی خدمت میں سگرٹ پیش کرنے کے لئے دراز نظر آتے، احمد رفقی نے میز کا سہارا لے کر سر کو میز سے لگا رکھا تھا اور تبسم اُس کے ہونٹوں پہ کھیل رہا تھا کہ یکایک دروازہ کھلا اور ہم نے قدموں کی آہٹ اور مہمیز کی آواز سنی اور فوراً ہماری نظریں آنے والوں کی طرف اُٹھ گئیں، آنے والا دروازہ پر کھڑا تھا اُس کے ہاتھ میں چابک تھا اور اس منظر کو وہ نہایت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہمنے غور سے اُس کو دیکھا اور پھر سب نے بلند آواز میں یکزبان ہو کر کہا۔

احسان بک...... احسان بک

احسان وہی نوجوان میجر تھا جو ہماری تحریک کا سرپرست اور وہ شخص تھا اسوقت اُس کے ساتھ اُسکی ماتحت

سپاہ کے دو سوار تھے اور وہ گروا ندھا اُس کا خوبصورت چہرہ آفتاب کی تپش سے سیاہ ہو گیا تھا اور تھکی و بے رحمی کے آثار اُس کے چہرہ پہ پیدا ہو گئے تھے اور اسوقت تو وہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ایک خوفناک مدافعت کرنیوالا مجسمہ ہو۔

قہوہ خانہ کی جماعت نے جب احسان کو دیکھا تو وہ پسوؤن کی طرح اُڑ گئے اور میدان صاف ہو گیا، احسان نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو عائشہ کے سامنے ڈال دیا اور اُس کے ہاتھون کو پُرجوش اور احترام کے طریقون سے چومنے لگا، ہان بالکل اُسی طرح مذہبی خضوع و خشوع کے ساتھ اُس نے عائشہ کے ہاتھون پہ بوسہ دیا جس طرح اُس روز اُسنے بوسہ دیا تھا جبکہ عائشہ سمرنا سے آئی تھی اور آستانہ کی بندرگاہ پہ احسان نے اُسکو دیکھا تھا

باہمی گفتگو اور غور و فکر کے بعد ہم نے قرار دیا کہ عائشہ کو اُس مکان مین ٹھہرایا جائے جو احمد بازار کے اُدھر موضع " دوغان جائے " کے قریب واقع ہے اور یہ کہ عائشہ بالفعل اُس چھوٹے سے شفاخانہ مین جو دوغان جائے کے اندر چند اشخاص کے معالجے کے لئے قائم کیا گیا ہے ایک نرس کے طور پہ کام کرے اور اُن مجاہدون کی خدمت کرے جو احسان کی ماتحت سپاہ مین سے زخمی ہون اور شفاخانہ مین علاج کے لئے بھیجے جائین لیکن ایک مشکل یہ درپیش تھی کہ احمد بازار مین داخل ہوئے بغیر کیونکر عائشہ کو دوغان جائے پہنچایا جائے، احسان کیا نے یہ رائے ظاہر کی کہ وہ اور عائشہ دونون دیہاتیون کے لباس مین راستہ کو طے کرین، احمد رفقی نے کہا کہ وہ اور اُس کے آٹھ آدمی اس خدمت کو انجام دین گے اور عائشہ کو دوغان جائے تک پہنچا دین گے خواہ اُنکو کہین لڑنا بھی پڑے، احمد رفقی نے یہ ارادہ ظاہر کرتے ہوئے آخر مین مسکرا کر کہا۔

احسان بک ابکی مرتبہ ہم سب کے سب زخمی ہونگے اور بہن عائشہ ہمارے زخمون کی مرہم پٹی کریگی، احسان کا چہرہ مسرت سے چمک اُٹھا اور اُس نے عائشہ کی طرف دیکھا، عائشہ کی نگاہون سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس امر کی خواہشمند ہے کہ سب لوگ احسان، احمد رفقی اور اُس کے سوار ساتھ چلین پھر احسان نے احمد رفقی کی طرف دیکھا اسوقت احسان کی نظرین ظاہر کر رہی تھین کہ وہ احمد رفقی کو ایک بہادر اور جانباز افسر خیال کرتا ہے اسکے بعد احسان نے میری طرف توجہ کی اور دریافت کیا۔

پیامی تم بھی کہو، بحیثیت ہمارے ایک بھائی کے تمھاری کیا رائے ہے۔

احسان کے الفاظ ختم ہوتے ہی دیکھا گیا کہ انگیٹھی کی خفیف روشنی مین جو اُس دھوئین کے نیچے روشن تھی جس نے قہوہ خانہ کی فضا کو تاریک بنا رکھا تھا عائشہ کی دونون زرد دین آنکھون کے درمیان شکن پڑی

ہوئی ہے اور چہرہ پر غیر معمولی جوش نمایاں ہے۔ پھر عائشہ نے ہم سب کو مخاطب کر کے کہا۔
کیا میں تمھاری تو جوان کی خدمت گذار نہیں ہوں؟ تمھارا فرض ہے کہ فوراً روانگی کا وقت مقرر کرو عورت
اور اُس کی فطری کمزوری میں نہایت مضبوط تعلق ہے اور عورتیں خواہ کتنی ہی لکھ پڑھ جائیں لیکن پھر بھی وہ
مرد کے مقابلہ میں بچوں کی مانند ہیں، ہاں وہ خواہ کتنا ہی ہمدردی بچوں کے مانند اور زمین کے بچوں کے
عائشہ کے الفاظ سنکر ہم سب نے قرار دیا کہ رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھایا جائے اور ہم رات کو
روانہ ہوں اور اصفہ بازار کو پشت پر چھوڑ کر "دوغان جائے" کی طرف بڑھیں، چنانچہ رات کی تاریکی میں گھوڑوں
پر سوار ہو کر ہم روانہ ہوئے، اسوقت عائشہ میری حمایت سے باہر تھی کیونکہ احمد رفقی اور احسان نے
اُس کو اپنی حمایت میں لے لیا تھا، دو سوار بطور طلیعہ کے ہمارے آگے تھے تاکہ وہ خطرہ کو پیش نظر رکھیں
اور جب کوئی خطرہ محسوس کریں تو ہوا میں فیر کر کے ہم کو اُس سے آگاہ کر دیں۔ عائشہ، احمد رفقی اور سیفی کے
درمیان تھی اور اُن کے پیچھے میں اور احسان تھے۔
اصفہ بازار کا دلدلی میدان اور وہ خاردار جھاڑیاں جو متفرق طور پر کثرت سے میدان میں پھیلی ہوئی
ہیں مجھے کبھی نہ بھولیں گی اور سب سے زیادہ مجھے یہ بات یاد رہیگی کہ میں اُسوقت احسان کی قلب کی دھڑکن
کو سُن رہا تھا، احسان میرے پہلو میں تاریکی کے وسط میں خاموش چل رہا تھا اور اُس کا دل اس زور
سے دھڑک رہا تھا کہ میں اُس کی آواز کو اچھی طرح سُن رہا تھا، غریب احسان اسوقت قلق و اضطراب کی
آندھیوں میں گھرا ہوا تھا لیکن اُسنے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اسوقت وہ بالکل خاموش رہیگا گویا وہ ایک مطیع
قیدی ہے جو کسی کے اشارہ پر چل رہا ہے وہ تاریکی میں غور سے اُس شکل کو دیکھتا جو اُس کے آگے چل رہی
تھی اور جب عائشہ کو احمد رفقی کی طرف جھک کر بات کرتے دیکھتا تو اُس کی حالت یہ ہوتی کہ گویا دل کی دھڑکن
اور تیز حرکت سے اُس کے سینہ کا کپڑا چاک چاک ہو جائے گا۔ آہ وہ کیسی عجیب و غریب تاریک اور مرطوب
رات تھی اور کس قدر طویل تھی جسکو ہم نے خاموشی سے گذارا اور اس حال میں کہ لرزہ ہمارے جسم پر طاری
تھا۔ جب کبھی ہم پانی میں سے گذرنے کا ارادہ کرتے تو احسان اپنے گھوڑے کو آگے کر لیتا اور عائشہ کے
گھوڑے کی رہنمائی کرتا پھر میں پانی کے اندر گھوڑوں کے قدموں کی آواز اُس تاریک رات میں سُنتا جو
روشنی کے آگے آگے بھاگی جا رہی تھی گویا طلوع آفتاب کی روشنی تاریک رات کو پتھر مار مار کر بھگا رہی ہے
اور وہ بے اختیار بھاگی چلی جا رہی ہے۔

آخر جب رات کے آخری حصے کی تاریکی کو سپیدۂ صبح نے بھگایا تو سب سے پہلے میری اور احسان کی نظر خوبصورت کاشتکار عورت (عائشہ) کے سیاہ لباس اور خوبصورت پٹی پر پڑی، عائشہ اپنے پاؤں سے گھوڑے کو دبائے ہوئے چلی جا رہی تھی اور سپیدۂ صبح کی روشنی میں غور سے خاموش کسی چیز کو دیکھ رہی تھی، پھر ہم ایک تنگ راستے سے گذرے جس کے دونوں جانب گنجان درخت تھے، احسان نے اس راستہ پر چلتے ہوئے مضطر لہجہ میں آہستہ سے کہا۔

سیدہ عائشہ کی حالت سے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ اسوقت خوفزدہ ہے اور اس کے خیال میں یہ راہ منحوس ہے اس لئے ہم کو نہایت ہوشیار رہنا چاہئے۔

یہ کہکر احسان نے حکم دیا کہ احمد تحقی طلیعہ کی جماعت میں آگے رہے اور ساری جماعت کی رہنمائی کرے اور باقی تمام سوار عائشہ کو چاروں طرف سے گھیر لیں تاکہ اگر کوئی مخالف گولی چلائے تو سوار عائشہ کی ڈھال بن سکیں۔

دوپہر کے وقت ہم منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے، وہ مکان جائے کے سامنے کا میدان سرسبز درختوں سے آراستہ تھا اور راستوں پر کثرت سے گرد و غبار، گاؤں کے باہر کچھ عورتیں آفتاب کی کرنوں سے آنکھوں کو بچانے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھے دور سے ہم کو دیکھ رہی تھیں۔ ہم کو سپاہیانہ وضع میں دیکھکر وہ گھروں کے اندر گھس گئیں اور تمام سارے گاؤں میں خطرہ کا شور برپا ہو گیا لوگ گھروں سے نکل کر بھاگنے لگے عورتیں اور بچے سراسیمہ ادھر ادھر دوڑنے لگے، بطخ اور مرغیاں اڑنے کے ارادہ سے اپنے بازوں کو پھٹ پھٹانے لگیں اور کتے بھونکنے لگے۔ ہم نے دیکھا کہ اسوقت گاؤں میں ایک عجیب شور برپا تھا عورتوں اور بچوں کا سیلاب گاؤں کے گرد تیزی سے جاری تھا اور سب بدحواس پھر رہے تھے، احسان نے یہ حالت دیکھکر گھوڑے کو ایڑ دی اور تیزی سے گاؤں کے اندر داخل ہو کر لوگوں سے کہا۔

لوگو! ڈرو نہیں ہم سب میر احسان کے سپاہی ہیں۔

عورتوں نے جونہی یہ الفاظ سنے دوڑ کر احسان کے پاس پہنچیں اس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور بعض نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھدیا اور محبت کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس سے باتیں کرنے لگیں خطرہ کی جو آندھی گاؤں میں اٹھی تھی وہ بیٹھ گئی، اور سارے گاؤں میں امن و سکون پیدا ہو گیا مگر مرغیاں ابھی تک بڑے جوش سے چلا رہی تھیں اور بازوں کو پھٹ پھٹا کر غبار کو ہوا میں اڑا رہی تھیں، احسان گھوڑے

سے اُتر پڑا اور گاؤن کی طرف بڑھا۔ اُس کے پیچھے گاؤن کی ساری عورتون کا جن مین نوجوان اور بوڑھی سب ہی تھین مجمع تھا، عورتون کے ساتھ اُن کے پیچھے بھی خوش خوش اُن کے ساتھ دوڑ رہے تھے اور اُن کے درمیان ایک ایک دو دو۔ آدمی ہمارے سپاہیون مین سے بھی تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی اس گاؤن ہی کے رہنے والے ہین یا اسی گاؤن کی مخصوص سپاہ مین داخل ہین ہم کو دیکھکر گاؤن مین جو اضطراب پیدا ہوگیا تھا وہ محض اس خیال سے کہ گاؤن والون نے ہم کو اجنبی طاقت خیال کیا تھا۔

میری نگاہ کو اس مجمع مین جس چیز نے خاص طور پر اپنی طرف جذب کیا تھا وہ اس گاؤن کی ایک نوجوان لڑکی تھی جو سرخ پائجامہ پہنے تھی اور سر پر ایک چادر تھی اس کی آنکھین بڑی بڑی اور چمکدار تھین اور وہ احسان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، جب گاؤن کی عورتون نے عائشہ کے گرد جمع ہوکر اُس کو خوش آمدید کہا اور اُس سے بغلگیر ہوئین تو یہ لڑکی اُس لڑکے کے قریب کھڑی رہی جو احسان کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا تھا اسوقت وہ کسی گہرے فکر مین تھی اور گردن جھکائے کچھ سوچ رہی تھی، احسان نے اُس کو اس حال مین پاکر کہا۔

کذبان تم وہان کیون کھڑی ہو؟ ادہر آؤ اور اپنی بہن عائشہ کے ہاتھ پر بوسہ دو۔

احسان کے بلانے پر کذبان آگے بڑھی، مین نہین کہہ سکتا کہ عائشہ نے اس منظر کو دیکھا یا نہین اسوقت عائشہ بالکل خاموش بیٹھی تھی اور قرائن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گاؤن کی عورتون نے اُس کے ساتھ جس خلوص محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ اس سے بہت متاثر ہے۔ بہرحال مین نے دیکھا کہ عائشہ نے کذبان کے بڑے بڑے اور سرخ رخسارون پر اس طرح بوسہ دیا جس طرح ایک بڑی بہن چھوٹی بہن کو پیار کرتی ہے۔

---

۲۳ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

آج بہت زیادہ سردی ہے اتنی سردی کہ مین اپنی کٹی ہوئی ٹانگون کو برف کی مانند سرد اور منجمد پاتا ہون اور میری انگلیون کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ گویا اب وہ گرم نہ ہون گی۔ مین نے اپنے خادم سالم کو اشارہ کیا کہ وہ ہاتھون اور بازؤن کو دباکر حرکت مین لائے تاکہ منجمد خون مین حرارت پیدا ہو اور ہاتھ کام

کے قابل ہو سکیں جن جن مقامات پہ پانی بکھرا ہوا تھا وہ سردی سے جم گیا ہے۔ آہ اس وقت میں کس قدر حسرت زدہ ہوں کہ نہ تو بچھونا اب وہ حرارت باقی ہے جو مجھ کو گرم کر سکے اور نہ کوئی دلنشیں وغمخوار میرے پاس ہے جس سے مجھے کچھ تسکین حاصل ہو سکے۔

میں نے قصد کیا تھا کہ یادداشت کے لکھے ہوئے آخری حصہ کو پڑھ کر کچھ اور لکھوں لیکن یادداشت میری سمجھ میں نہ آئی کیونکہ دماغ صحیح نہ تھا۔ پھر میں نے صحرائے صابطیہ کا تصور باندھا جو دو عقابی پہاڑوں کے قریب واقع ہے اور اس تصور نے مجھے پرانی باتوں کو یاد دلایا۔

اب میں اُس چھوٹے سے سفید مکان کا حال لکھتا ہوں جسے شفاخانہ بنا لیا گیا تھا اس مکان کے قریب ہی ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری تھا اور جتنے راستے اس مکان کی جانب آتے تھے وہ گرد وغبار سے بھرے ہوئے تھے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس میں سبز سبز درخت کھڑے تھے آہ وہ بھی کیا دن تھے جبکہ نفس کو سکون واطمینان حاصل تھا اور جذبات ہمدردی کا دریا جوش پر تھا۔ میں ان ایام شورش میں روزانہ اس مکان میں جاتا تھا یہ مکان اور اُس کی مالکہ (عائشہ) جو سفید کپڑوں اور سیاہ برقع میں ملبوس رہتی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرا پڑتی تھی، عائشہ عموماً اوپر کے بالاخانہ کی کھڑکی میں بیٹھا کرتی تھی اور اُس کی آستینیں چڑھی رہتی تھیں۔ سیفی احسان کی ماتحت جماعت میں داخل ہو گیا تھا اور ہم اُسکے رفقی کے آدمیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ میں دیکھتا تھا کہ کذبان دن بھر سُرخ پائجامہ پہنے اور چھپی ہوئی لمبی چادر سر پر ڈالے مکان کے گرد گھومتی رہتی تھی کبھی وہ دروازہ کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور کبھی درختوں کے اُدھر کھڑے ہو کر بے چینی سے کسی کا انتظار کرتی رہتی تھی اُسکی آنکھیں وحشت زدہ ہرن کی سی آنکھیں تھیں جو ہر وقت گردش کرتی رہتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ کسی گہرے فکر میں ہے۔

میں جانتا تھا کہ کذبان کس کا انتظار کیا کرتی تھی لیکن کیا اُس سفید کپڑوں والی عورت کو بھی اسکا حال معلوم تھا، احسان کے یہاں آنے کا ہر وقت احتمال رہتا تھا لیکن احسان کی آمد کی خبر عائشہ سے زیادہ کذبان کو معلوم رہتی تھی۔

عائشہ کی عادت تھی کہ وہ ہر وقت خوش رہنے کی کوشش کیا کرتی تھی اور تفریح کے مشاغل میں لگی رہتی تھی وہ آستینیں چڑھائے گھر سے نکلتی اور اُن لوگوں سے جا جا کر ملتی تھی جو گنجان درختوں کے درمیان

خاموش سکار توسون کی بٹی گردن مین حمائل کیے اور بندوقون کو پہلو مین لٹکائے تیار کھڑے رہتے تھے عائشہ ان لوگون کو جڑی بوٹیان اور ضروری چیزین دیتی یا حکمت آمیز باتین ان کو بتاتی تھی اور یہی حالت ان لوگون کی تھی یعنی جب کبھی کوئی عجیب یا مشورہ طلب بات پیش آتی تو وہ بھی عائشہ کی خدمت مین حاضر ہوتے اور اُس سے مشورہ لیتے تھے ان لوگون مین احمد رفقی بھی تھا جو روزانہ اپنے گھوڑے کو کسی درخت سے باندھ کر عائشہ کے مکان پر آتا اور مسرت کے لہجہ مین دروازہ پر کھڑے ہوکر پکارتا تھا

بہن عائشہ کیا مین حاضر ہو سکتا ہون۔

عائشہ عموماً بالاخانہ کے برآمدے مین لکڑی کے ایک تخت پر بیٹھی رہتی تھی اور گھر کے سامنے جو سبزہ تھا اُس کو دیکھتی رہتی تھی، اور کبھی کبھی وہ یہ بھی دیکھتی کہ احسان گھوڑے پر سوار درختون کے درمیان اُڑا چلا جا رہا ہے۔ احسان کے آنے کی سب سے پہلے کذبان کو خبر ہوتی تھی جو ہر وقت برآمدہ کے نیچے مجسمۂ انتظار بنی کھڑی رہتی تھی، وہ جب احسان کو دیکھتی تو بے اختیار پکار اُٹھتی،

احسان بک آگیا .... احسان بک آگیا۔

احسان پرجوش اور پرشوق دل لے کر آتا تھا اور اُس کی آنکھین بالاخانہ کے برآمدہ پر ہوتی تھین لیکن باین ہمہ وہ کذبان کی طرف بھی ایسی ہی توجہ سے دیکھتا تھا اور اُس کو دروازہ پر پاکر کہتا تھا،

کذبان کیسا مزاج ہے اور تمہارا چھوٹا بچھڑا کیسا ہے۔

غریب احسان جسقدر خوش قسمت تھا اُسی قدر رنجیدہ اور غم زدہ بھی تھا اور جن لوگون نے بھی آتشین پیراہن کو پہن لیا تھا وہ اس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ آگ جس طرح جسم کو گرم رکھتی ہے اسی طرح جسم کو جلا کر خاک سیاہ بھی کر دیتی ہے۔

یہان کے لوگون مین عائشہ کا سب سے زیادہ خیال احمد رفقی کو رہتا تھا اور اسی طرح کذبان کو سب سے زیادہ احسان کا خیال رہتا تھا، عائشہ بھی احمد رفقی کی خاطر کرتی تھی اور اُس کی خدمت مین ہدایا پیش کرتی رہتی تھی، جب وہ عائشہ کے پاس آتا تو کبھی عائشہ اُس کو تازہ دودھ پلاتی اور کبھی پھل پیش کرتی تھی اور اصرار کرکے اُسکو کھلاتی تھی، کذبان عموماً شفاخانہ کے گرد گھومتی رہتی تھی گویا وہ ایک ہیولیٰ ہے اور جب احسان گھر سے باہر نکلتا تو اُس کو اپنے انتظار مین پاکر کہتا "کذبان مین تم کو خدا کی امان مین دیکر رخصت ہوتا ہون"

کذبان بھی عجیب غریب لڑکی تھی نہایت بھولی اور شریف طبیعت اُس کے قلب مین جذبات کا
جو بحر بے پایان تھا وہ اُس کی گنجائش قلب سے بہت زیادہ تھا، احسان جب کبھی عائشہ کے سامنے یہ تجویز
پیش کرتا کہ وہ کذبان کو شفاخانہ مین اپنے ساتھ رکھے اور اُس کو تربیت دے تو عائشہ اس کا ایک مبہم سا
جواب دیدیتی اور تجویز کو ٹال دیتی تھی مجھے معلوم تھا کہ کذبان عائشہ کی قربت کو پسند نہ کرتی تھی اور جب
کبھی اُس سے ملتی تھی تو سرد مہری سے پیش آتی تھی، کذبان کے دل مین عائشہ سے قدرتی نفرت پیدا ہوگئی
تھی بلکہ یون کہنا چاہیے کہ عائشہ سے اُس کو بغض و عناد تھا، عائشہ بھی اس سے واقف تھی لیکن وہ
یہ ظاہر نہ ہونے دیتی تھی کہ کذبان کی نفرت کا اُسکو علم ہے۔

دوسری طرف احسان، احمد رفقی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور روز بروز یہ نفرت و رشک اور
کینہ بڑھتا جاتا تھا اور بجز میرے کسی کو اس کا سبب معلوم نہ تھا، یہان تک کہ خود احمد رفقی اس کی وجہ
نہ جانتا تھا احمد رفقی اپنے جسم مین ایک پاک اور بے لوث روح رکھتا تھا اور دیہات کے باشندے اُس
کی خوبیون کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے، اُس کی پاکبازی، اور ایثار کا عام چرچا تھا اور ہر شخص اُس کو محبت
کی نظرون سے دیکھتا تھا عفت و ایثار کا اُس کو اتنا خیال رہتا تھا کہ اُس کی حالت جنون کے درجہ
تک پہنچ گئی تھی، اور اگرچہ وہ تنگدست اور مفلس تھا لیکن دیہات کے باشندون سے وہ کوئی چیز مفت
نہ لیتا تھا۔

دن گذر رہے تھے اور شورش کی ملکی ہوا آندھیون کا سا زور و شور اختیار کرتی جاتی تھی اس زمانہ
مین جبکہ شورش بڑھ رہی تھی ہم یہ خبرین بھی سنتے تھے کہ تحریک شورش اور تحریک مخالف شورش دونون
کے درمیان معرکہ آرائی ہو رہی ہے، کچھ دنون مین یہ معرکہ آرائی ہمارے گاؤن کے قریب پہنچ گئی احمد
رفقی کچھ دنون سے غائب رہنے لگا تھا، کبھی کبھی وہ دنون غائب رہتا تھا اور کبھی کبھی کئی رات اُسکا
پتہ نہ چلتا تھا، احسان ان دنون مین اس قدر مشغول تھا کہ گاؤن مین آنے کا بھی اُس کو موقع نہ ملتا
تھا جب کئی روز گذر جاتے تو احسان کسی سپاہی کو بھیجکر عائشہ کا حال دریافت کر لیتا تھا، ان ایام مین
ہمارے سپاہیون مین کے پانچ مجروح شفاخانہ مین داخل ہوئے، ان زخمیون کے آجانے سے چونکہ
عائشہ کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اس لئے مین بھی اُس کا ہاتھ بٹاتا تھا، عائشہ ان دنون بہت فکرمند
رہتی تھی اور ہر وقت اُس کو احسان اور احمد رفقی کا خیال رہتا تھا آخر وہ منحوس دن آگیا جو مجھے ہمیشہ

یاد رہیگا اور میری قوت حافظہ میں کانٹے کی طرح خلش پیدا کرتا رہیگا۔
ایک روز شام کے وقت میں شفاخانہ کے سامنے درختوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ احسان آتا ہوا نظر آیا، ہمارے قریب پہنچکر وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور گھوڑا آدمی کو دیدیا، میں نے دیکھا کہ اسوقت اُس کے چہرہ پر متانت وطمانیت کے آثار نمایاں ہیں اور وہ حسرت بھری نگاہوں اور پُرشوق نظروں سے عائشہ کو ڈھونڈھ رہا ہے اور اپنے خیال میں اسقدر محو ہے کہ خلاف معمول آج اُس نے کرنل کو بھی سلام نہیں کیا جوکئی روز سے بیچینی کے ساتھ اُس کا انتظار کررہی تھی اور اُس کے انتظار میں دیر تک کھڑے رہنے سے اُس کے رخسارے پژمردہ ہوگئے تھے، آخر وہ عائشہ کے پاس پہنچ گیا اور اُس سے کہا۔
سیدہ عائشہ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم میری غیرحاضری کو معاف کردوگی، میں بہت مشغول تھا، اب ہمارا ارادہ ہے کہ تم کو عسکی شہر لے چلیں۔
عائشہ۔ کیوں ہ کیا یہاں کوئی خطرہ ہے جسنے تم کو یہاں سے بھاگ چلنے پر مجبور کیا ہے۔
احسان۔ جمال عسکی شہر میں ہے اور ....
عائشہ نے احسان کی پوری بات نہ سُنی تھی کہ بالاخانہ سے اُتری اور گھر سے نکلکر گنجان درختوں کیطرف روانہ ہوئی اور احسان کے گھوڑے کے قریب پہنچکر احمد رفقی کے سواروں کے ساتھ چند منٹ باتیں کیں اور پھر احسان کے گھوڑے پر سوار ہوکر احمد رفقی کے ایک ہمراہی سوار کے ساتھ روانہ ہوئی اور گھوڑوں کو دونوں نے سرپٹ چھوڑدیا، احسان اور میں حیران تھا کہ کیونکر دونوں دوڑکر عائشہ کے پاس پہنچے اور اُس کو روک کر ہم نے دریافت کیا۔
عائشہ کیا ہوا؟
عائشہ نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور لرزہ اُسپر طاری تھا احمد رفقی کے ہمراہی نے جو عائشہ کے ساتھ تھا رقت خیز آواز میں جواب دیا۔
ہمارا افسر (احمد رفقی) مجروح ہوگیا ہے۔
میں نے محسوس کیا کہ احسان اسوقت اُس رشک وحسد پر نادم تھا جو اُس کو احمد رفقی کے ساتھ تھا اور اس کا یہ حسد ورشک بغض وکینہ کی صورت میں تبدیل ہوگیا تھا اسوقت میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں زخمی ہوتا، تاکہ عائشہ کی ہمدردی مجھے حاصل ہوتی آخر ہم سب اُس مقام کی طرف

روانہ ہوئے جہاں حادثہ پیش آیا تھا اور اُس درخت کے نیچے پہونچے جو گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر واقع تھا ہم نے دیکھا کہ نوجوان احمد رفقی درخت کے نیچے پڑا ہے اور اُس کے روشن چہرے سے مسکراہٹ نمایاں ہے گولی نے اُس کے سینہ کو پاش پاش کر دیا تھا اور وہ دائمی نیند میں غافل سو رہا تھا ، عائشہ احمد رفقی کی نعش کے قریب سب سے پہلے پہنچی اور اُس کو اپنے ہاتھوں پر اس طرح اُٹھا لیا جس طرح بچوں کو اُٹھا لیا جاتا ہے اور کہا ،

رفقی بھیا ...... رفقی بھیا ......

عائشہ نے احمد رفقی کا سینہ کھولا : اللہ اکبر کیسا دلخراش منظر تھا ۔ کیونکہ وہ بیحد غریب ہوگا ، اُس کے کوٹ کے نیچے قمیص نہ تھی اور اُس کے پائجامہ پر پیوند لگے ہوئے تھے اور کئی جگہ سے پائجامہ پھٹا ہوا تھا سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے تعجب میں مبتلا کیا وہ اُس کا رنگ سفید سیم تھا جس پر قاتل زخم کی قرمزی لگی ہوئی تھی
ہم نے درختوں کی ٹہنیوں سے نعش کو لے جانے کے لئے پالکی بنائی اور پھر سب نے نعش کو اُس پر رکھا اور روتے ہوئے اُس کو لے کر روانہ ہوئے نعش بالاخانہ پر رکھی گئی اور رات بھر عائشہ نعش کے گرد دیوانہ وار طواف کرتی رہی ۔ ہم کو تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جسقدر طاقت ہمارے پاس ہے ہم اُس سے اُس وقت تک اس علاقہ کی حفاظت و مدافعت نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمیں مدد نہ ملے احسان نے خطرہ کو محسوس کر کے قرار دیا کہ عائشہ اور مجھکو فوراً یہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے تاکہ ہم خطرہ سے محفوظ رہیں لیکن عائشہ نے جانے سے انکار کر دیا اور ظاہر کیا کہ وہ اُسوقت تک اس جگہ سے جدا نہ ہوگی جب تک کہ نعش کو دفن نہ کر دیا جائے گا ، آخر عائشہ کے اصرار سے مجبور ہونا پڑا اور احسان مجبور ہوا کہ رات بھر احمد رفقی کے ماتحت سپاہیوں اور اپنے سواروں کے ساتھ پہرہ دے تاکہ کسی ایک دشمن حملہ آور نہ ہو سکے ، صبح کو ہم سب گاؤں کے سامنے جمع ہوئے نعش کو کفن پہنایا گیا اور پھر ہم سب جنازہ کو قبرستان لے چلے ، عائشہ کو ہم نے درختوں کے نیچے چھوڑ دیا جہاں وہ بچوں کی طرح بے اختیار چلا چلا کر رو رہی تھی ۔

آخر احمد رفقی کو ہاں اُس محبوب وطن نوجوان کو جو مخلص وطن پرست اور نہایت غیور تھا ہم نے ناطوق کے اس غیر آباد قطعہ میں سپرد خاک کیا اور پھر سب روانگی کے لئے تیار ہوئے ، مجروحوں کو ہم نے ڈاکٹر کے حوالہ کیا کہ وہ گاڑیوں کا انتظام کر کے اُن کو لے آئے اور پھر ہم سب روانہ ہوئے ۔

عائشہ ہمارے ساتھ تھی اُس کی آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی تھیں اور ورم کر آئی تھیں ، گاؤں کے لوگ ہماری روانگی کے وقت بہت مضطرب و پریشان تھے اور جس طرح عائشہ کی آمد کے دن گاؤں کی عورتیں

اُس سے خوش خوش بغلگیر ہوئے ہوتا تھیں آج رو رو کر اُس کو رخصت کر رہی تھیں اور رخصت کا یہ منظر نہایت درد ناک تھا، عائشہ کے لئے ہم نے ایک خاص گاڑی کا انتظام کیا تھا جب روانگی کی تمام تیاریاں ہوگئیں تو ہم گنجان درختوں میں گھسے اور سفر کرنے لگے، راستہ گرد و غبار سے بھرا ہوا تھا، میں اور احسان عائشہ کی گاڑی کے برابر چل رہے تھے اور بار بار اُس کے چہرہ پر نظر ڈالتے تھے جس پر اب تک تکدر اور قلبی صدمات کے آثار نمایاں تھے، آہ جسوقت ہم جھک کر عائشہ کے چہرہ کو دیکھتے تھے تو غم و الم کی جھلک ہمکو غمگین کر دیتی تھی احسان بجز عائشہ کے چہرہ کے تمام چیزوں کو بھول گیا تھا، یہاں تک کہ اُس غریب نوجوان کی یاد بھی اُس کے دل سے محو ہو گئی تھی جو ملک و وطن کی راہ میں قربان ہو چکا تھا اور اُس خطرہ کو بھی وہ بھول گیا تھا جو ہم کو گھیرے ہوئے تھا اور پھر اُسے اُس تحریک یا شورش مہم کا بھی خیال نہ رہا تھا جس کے ہم دھنی تھے، اور جس کی راہ میں ہم مصائب کو برداشت کر رہے تھے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے کتنا راستہ طے کیا ہوگا جبکہ راستہ میں ہم نے ایک آواز کو سنا جو عورت کی سی نرم آواز تھی اور ہماری پُشت کی طرف سے آئی تھی، آواز کو سن کر ہم فوراً اُس کی طرف متوجہ ہوگئے اور ہم نے دیکھا کہ گاؤں کی ایک لڑکی ننگے پاؤں ہاتھ ہلاتی اور روتی ہوئی ہماری طرف آ رہی ہے۔ میں تو ہر ایک بات کو سمجھ گیا لیکن احسان حقیقت سے بالکل غافل رہا مگر اُسوقت احسان کو اس حقیقت کا علم ہوا جبکہ لڑکی ہمارے قریب پہنچگئی اور اُس نے احسان کے گھوڑے کی باگ کو پکڑ کر روتے ہوئے انا طولیہ کے دیہاتی لہجہ میں کہا۔

"دشمنوں نے میرے باپ کو مار ڈالا اب نہ میری ماں ہے اور نہ دادا تم اسحالت میں مجھے کس پر چھوڑ چلے ہو"

احسان نے اخلاق و نرمی اور بعض وقت دھمکی سے کذبان کو واپس جانے پر آمادہ کرنا چاہا، لیکن احسان کی باتوں کا اُس پر کوئی اثر نہیں ہوا عائشہ اسوقت اس منظر کو اضطراب و اہتمام کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ اُسنے اس جانب خصوصیت سے توجہ کی تھی، کذبان نے احسان کے الفاظ سنکر جواب دیا۔

میں نہیں جاؤں گی . . . . ہرگز نہیں جاؤں گی کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں بندوق چلانا نہیں جانتی کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ملک کے دُور و دراز گوشوں سے عورتیں کام کے لئے آئیں اور میں یہاں موجود ہوں اور کام خوبی کے ساتھ نہ کر سکوں۔

اسوقت کذبان کی آنکھیں ہاں وہ سبز آنکھیں جو شباب کی تروتازگی کو نمایاں کر رہی تھیں چنگاریاں سی بن گئی تھیں اور اُن سے نوجوانی کی اُمیدوں کے شعلے نکل رہے تھے، مین نے کذبان کو اس حال مین غور سے دیکھا اور مجھے اس امر کا یقین ہوگیا کہ یہ کمزور مخلوق اس امر کی قدرت رکھتی ہو کہ دوسری جری و شجاع شہسوار شوہرش کی طرح دشمنون سے جنگ کرے، احسان جسقدر کذبان کو دلاسے کی نصیحت کرتا تھا اور اُس کو اسکا اطمینان دلاتا تھا کہ وہ دوبارہ آکر اُس کو لے جائیگا اُسی قدر کذبان کا جوش اور اضطراب بڑھتا جاتا تھا، اور وہ کہتی تھی۔

آہ میری جان میرے جسم کے اندر شعلے بھڑک رہے ہین، مین اب زندہ نہ رہون گی ہان مین اب زندہ رہنا نہین چاہتی۔

مین نہین جانتا کہ عائشہ کے قلب مین اس مصیبت زدہ لڑکی کے لیے کس قدر ہمدردی پیدا ہوئی لیکن مین نے دیکھا کہ عائشہ گاڑی سے اُتری اور کذبان کے جوش و اضطراب کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن اُس کی کوشش بے نتیجہ رہی کیونکہ جسقدر عائشہ نے اُسکو سمجھایا اُسی قدر اُس کا جوش بڑھا اور اُسکی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور آخر اُسنے عائشہ کو نفرت و حقارت سے جھڑک دیا۔

عائشہ جب گاڑی سے اُتری تو احسان کو بھی اُس کی وجہ سے گھوڑے سے اُترنا پڑا، کذبان نے فوراً احسان کی آستین پکڑلی اور اُس کی آنکھوں مین آنکھیں ڈالکر کہا۔

مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تم جہان جاؤگے مین بھی ساتھ چلون گی اور ہرطرح تمھاری خدمت کرونگی میرے عزیز۔ ہان میرے عزیز مین بھی اس شہری عورت کی طرح مریضون اور زخمیون کی خدمت کرونگی،

مین نے دیکھا کہ کذبان کے الفاظ بے اثر رہے اور احسان کو وہ ہمدرد اور نرم نہ بنا سکے، جب کذبان نے یہ حالت دیکھی کہ احسان کے دل مین سخت عناد ہے تو وہ مایوس ہوگئی وہ گھٹنون کے بل زمین پر گرپڑی اور اپنے سر کو دونون ہاتھون سے تھام کر زار زار رونے لگی، کذبان کی اس حالت نے تمام لوگون کو متاثر کیا اور ہر شخص کے قلب مین ہمدردی کا جذبہ موجین مارنے لگا، تمام لوگ رحم آمیز نظرون سے مصیبت زدہ کذبان کو دیکھ رہے تھے لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیے چند منٹ تک یہ حالت قائم رہی اور پھر ایک نوجوان نے جو ہمارے ساتھیون مین سے تھا، احسان کو مخاطب کرکے کہا۔ "محترم افسر کیا حرج ہے اگر ہم اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے چلین"

احسان نے بحیثیت ایک خود مختار و با اثر فوجی افسر کے سخت و درشت لہجہ مین کہا۔
مین کسی کی رہنمائی کا محتاج نہین ہون۔ لڑکی کی حالت کو دیکھو اور پھر بتاؤ کہ تم اس کو کہان کہان لئے پھروگے۔

یہ کہکر احسان نے پھر کذبان کی طرف توجہ کی اور آہستہ سے کہا۔
کذبان اُٹھو اور میرے سامنے اپنے گاؤن کو پلٹ جاؤ، تم کو چند روز بعد معلوم ہو جائیگا کہ مین کیا کرونگا۔
احسان کے الفاظ سنکر کذبان اُٹھی اور احسان کی طرف آنسوؤن بھری آنکھون سے دیکھا اور عاجز و درماندہ بچہ کی طرح احسان کی خواہش و ارادہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، ابتدا مین تو اس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب اس نے احسان کی آنکھون سے آنکھین ملائین تو وہ احسان کی حکمران نگاہون سے پگھل گئی اور خاموش ٹوٹے ہوئے دل اور آنسوؤن بھری آنکھون کو لے کر گاؤن کی طرف پلٹ پڑی، کذبان کے چلے جانے کے بعد احسان نے بلند آواز مین کہا۔
گھوڑون پر سوار ہو جاؤ اور آگے بڑھو۔
یہ کہکر احسان نے عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو گاڑی مین سوار کرایا، مین نے محسوس کیا کہ عائشہ، اور احسان نے گاڑی کے پائدان پر قدم رکھکر ایک دوسرے کو دیکھا اور پُرمعنی نگاہون کا باہمی تبادلہ ہوا۔
کذبان کے آنسوؤن نے مجھ پر غیر معمولی اثر کیا جیسا وہ تنہا شکستہ قلب اور مجبور گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر پلٹ کر روانہ ہوئی تو مین نے اپنے قلب مین اس مایوسی کو محسوس کیا جو اس کے دل مین پیدا ہو گئی تھی پھر معاً مین نے سنا کہ عائشہ آہستہ آہستہ غمگین لہجہ مین احسان سے کہہ رہی ہے،
احسان! اس مسکین لڑکی کو تم نے کیون ساتھ نہین لیا؟
احسان نے جواب دیا اسقدر کمسن لڑکی کو مین کیونکر سپاہیون مین لے سکتا ہون اور کس طرح لشکر مین رکھ سکتا ہون یہ درست ہے کہ مختلف مقامات پر مجاہد عورتین موجود ہین لیکن اُن مین ایک بھی ایسی نوجوان لڑکی نہین ہے جیسی کہ کذبان، باین ہمہ اگر تم چاہو تو اسکو حسکی شہر اپنے ہمراہ لے جا سکتی ہو۔
عائشہ۔ کذبان کی خواہش یہ نہین ہے کیونکہ وہ میرے ساتھ رہنا پسند نہین کرتی ہے بلکہ......
احسان۔ کیا کسی شخص کی ساری خواہشین پوری کیجا سکتی ہین۔
مین نہین کہہ سکتا کہ احسان اور عائشہ کی یہ گفتگو باہمی ہمدردی کے جذبات پر مبنی تھی یا فریقین کے دلون کے

درمیان مناسبت ہے نیلگوں آنکھوں والی حسینیں ہمیشہ اپنی آنکھوں میں تبسم و قتل اور پیچ و خم کو پوشیدہ رکھتی
رکھتی ہیں خواہ اُن میں سے کوئی محبت کرنا چاہتا ہو یا اُس کی اداکاری ہو، مہر نیم عمر آبادی میں ایک ایسا شخص
نابرطرف کیا رہتا ہے جس سے قلب پہ چھایا تھا کالا سیاہ [illegible] کے اندر سفید
دانت تلوار کی طرح [illegible] کے ہونٹوں کی سرخی
کو ایک ظالم خط نے دو ٹکڑے کر دیا تھا اور اُس کی پیشانی مسکراہٹ سے اُس کے سفید سفید دانت منظر
عام پر تھے اور آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُس کے [illegible] مقبول ہے۔

میں اور عائشہ مقام کیتوہ میں احسان کے مکان پہ ہے۔ احسان کا مکان دو کمرہ کا ایک دیہاتی وضع
کا تھا، احسان مکان کے قریب پہنچا فوراً گھوڑے سے اُترا اور اپنے کمرہ میں جا کر آسودہ عائشہ کے لئے درست
کیا پھر وہ مجھے ساتھ لے کر سامنے والے کمرہ میں گیا اور عائشہ اپنے کمرہ میں سفر کے گرد و غبار کو جھاڑ کر
اور کپڑے تبدیل کرنے میں مشغول تھی اور ہم اور احسان دوسرے کمرہ میں عائشہ کو عسکی شہر اُس
ریل کے ذریعہ پہنچانے کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے جو مقام لفگ سے کل شام کو عسکی شہر کی طرف جانے والی
تھی، احسان نے مجھے بتایا کہ جمال نے اُسے ایک خط لکھا ہے جس میں اُسنے عائشہ کو عسکی شہر پہنچانے کی
خواہش کی ہے۔

جس علاقہ میں اسوقت ہم مقیم تھے وہ شورش کا زبردست میدان بنا ہوا تھا نار جہنم کے شعلے سارے
خطہ میں بھڑک رہے تھے اور قریہ کیتوہ شورش کا مرکز یا صدر مقام قرار پا گیا تھا، مقام ارکودکوی کے
رومیوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا اور مقام توپلی کی شورش کے شعلے کیتوہ کے دروازوں تک پہنچ
گئے تھے، اس دار و گیر سے احسان بہت متاثر تھا اور عائشہ کی زندگی کے خوف سے بچوں کی طرح کانپ
رہا تھا، دوسری طرف احسان کی روح کو اس خیال نے پژمردہ کر دیا تھا کہ عائشہ اُس سے جدا ہو رہی
ہے، اُس کے خیال میں عائشہ اُس سے جدا نہیں ہو رہی تھی بلکہ اُس کی روح جسم سے جدا ہو رہی تھی
میں نے آجتک احسان کے چہرہ پر کبھی اتنا اضطراب و قلق نمایاں نہیں پایا جتنا کہ آج اُس کا چہرہ
زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے خوف و ہراس نمایاں تھا، غم و الم کی وہ تیز و تند آندھی جو اسوقت اُسکے
پُرسکون جسم کے اندر چل رہی تھی اور رنج و اندوہ کا وہ جذبہ جسکو وہ بہ تکلف چھپا رہا تھا آج اُس سے
انکار نہیں کیا جا سکتا، اُس روز احسان نے جبکہ وہ اپنے خیالات میں محو و مستغرق تھا اور اُس کے ہونٹوں پر

خفیف اور حسرت انگیز مسکراہٹ نمایاں تھی مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"جب ہماری وہ خوبصورت کاشتکار بہن جو گلابی پٹی پیشانی پر باندھے اور سفید کپڑے پہنے رہتی ہے ہم سے جدا ہو جائے گی تو پھر ہم ہتھیاروں اور آگ کے گرد رہ جائیں گے"

مین نے جواب دیا ممکن ہے عائشہ ہم کو چھوڑ کر جانا پسند نہ کرے۔

احسان۔ کاش کیوہ مین ہمکو کوئی ایسا محفوظ مکان ملجاتا جسمین ہم عائشہ کو ٹھہرا کر اس کی زندگی سے مطمئن ہو جاتے یا ممکن ہے میرا خیال ہو کہ تم دھوکہ مین ہو، مین دیکھتا ہون کہ احمد رفقی کی شہادت کے بعد اب عائشہ کی آنکھون مین وہ شعریت باقی نہین رہی ہے جو قبل ازین تھی اور نہ ہماری وہ وقعت ہے جو پہلے تھی ....

یہ الفاظ اُس نے اس لہجہ مین کہے جس سے بے انتہا اثر ٹپکتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ الفاظ اُس کے دل سے نکلے ہین اُن اُس دل سے جسکو قلق و اضطراب نے جلا کر خاک کر دیا ہو اور جسپر تیر و سنان چل رہے ہین۔ مین نے اس کے جواب مین ایک اذیت رسان جملہ کہا یعنی یہ کہ بلاشبہ احمد رفقی اضنہ بانا کی شورش کا ہیرو تھا۔ اور اُس کی آنکھون مین شعریت پائی جاتی تھی۔

اس کے بعد مین نے کہا کہ "سمرنا کی کونسی ایسی بیٹی ہے جو ایک ایسے خوبصورت نوجوان کو دیکھکر متاثر نہ ہوگی جس نے ساری دنیا سے اپنے تعلقات کو منقطع کر کے اپنی جان کو وطن کی آزادی کی راہ مین لگا دیا ہو اور اس گرد و غبار سے بھرے ہوئے علاقہ مین لڑتے لڑتے شہید ہو گیا ہو اور پھر ایسی بیکسی و محرومی کی حالت مین اُسنے وطن پر اپنی جان کو قربان کیا ہو کہ اُس کے جسم پر قمیص بھی نہ ہو آہ احمد رفقی کا وہ سر کہان ہے؟ جو گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر ایک درخت کے نیچے جسم سے جدا پڑا تھا اور عائشہ کی گود مین ٹھنڈا ہوا تھا، آہ اُس کا وہ درخشان زخم کہان ہے جو اُس کے سفید دھوان سینہ مین سرخ زہرہ کی طرح چمک رہا تھا، آہ تمام چیزین میری نظرون سے پنہان ہو گئین، اور احمد رفقی پرندہ کی مانند ہم مین سے اُڑ گیا، آہ کبتک خون کی یہ ندیان بہتی رہین گی؟ اور کب تک ہم ان مصائب و آلام کو برداشت کرتے رہین گے، کب ہم وطن کی خاک کے اس ڈھیر کے مالک ہونگے اور کب ہم کو اس کا استحقاق حاصل ہوگا کہ ہم اُس چیز کو پا سکین جس کے لئے ہم اپنے نوجوانون کا خون اور آنکھون کے آنسو معمولی قیمت پر بہا رہے ہین۔

میرے ان الفاظ سے احسان کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اُس نے چونک کر کہا۔

پیامی بیشک احمد فی الحقیقت ایک پاک طینت لڑکا تھا لیکن اُس کے جسم پر تیس سال کا بوڑھا ہمارے جسمانی حرارت

کے مقابلہ میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

احسان کے الفاظ ختم ہوئے تھے کہ ایک سپاہی کمرہ میں داخل ہوا اور عرض کیا۔

حضور والا سیدہ عائشہ نے آپکو طلب فرمایا ہے۔

احسان تیر کی رفتار کے انتہا سرعت کے ساتھ اُٹھا اور آگے بڑھنے ہی کو تھا کہ سپاہی نے کہا۔

جناب والا آپکو نہیں پیامی بیک کو بلایا ہے۔

اِن الفاظ نے مجھ میں بھی وہی سرعت پیدا کی جو احسان میں پیدا کی تھی اور میں فوراً کمرہ سے تیر کی طرح نکلا اور عائشہ کی خدمت میں پہنچا۔ کمرہ میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ عائشہ نے پھر وہی سیاہ لباس پہن لیا ہے جو وہ آستانہ میں پہنا کرتی تھی اسوقت وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی میز کے سامنے بیٹھی تھی اور دیوار پر ہلکی روشنی کا ایک چراغ جل رہا تھا اُس کی آنکھوں سے تعب و تفکر کے آثار نمایاں تھے مجھکو دیکھکر عائشہ نے کہا۔

بھائی پیامی آؤ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

میں نے کرسی پر بیٹھکر جواب دیا کہو میں حاضر ہوں۔

اسوقت میں نے محسوس کیا کہ عائشہ کی نگاہوں میں بچوں کی سی سادگی اور طمانیت پائی جاتی ہے اور اُس کی نگاہیں میرے دل میں پیوست ہو رہی ہیں لیکن اُس کی یہ نگاہیں میرے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں رکھتی تھیں اور ان کی قدر و قیمت بالکل اتنی تھی جتنی کہ ایک بھوکے شخص کے نزدیک روٹی کے بجائے پتھر کی ہو سکتی ہے، میں اس امر سے اچھی طرح واقف تھا کہ میرا قلب عائشہ کی اخوت سے بھرا ہوا ہے، اور اُس کی پاکیزہ صداقت سے لبریز ہے لیکن میں کسی اور نظر کا متمنی تھا یعنی میرا دل اُن تیروں کا شکار ہونا چاہتا تھا جو اُس کی کمان ابرو سے نکلتے تھے یا یہ کہ میں اُن نظروں کا محتاج تھا جن کا تبادلہ احسان کیساتھ گاڑی کے پائدان پر ہوا تھا، ایک دفعہ اگر عائشہ کی نگاہیں مجھپر اسی طرح پڑتیں جس طرح احسان پر پڑی تھیں تو پھر میں اُس کی نیلگوں آنکھوں کے تیروں کی بوچھار ظلم و جفا اور نفرت و حقارت سب کو برداشت کر سکتا تھا

عائشہ نے میری طرف بدستور نظر اخوت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پیامی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں احسان کے فوج کے ساتھ بحیثیت ایک تیماردار کے رہوں۔

تمین۔ عائشہ اس صورت میں بہت سے خطرات ہیں۔

عائشہ۔ وہ کیا خطرات ہیں؟ کیا میں اُن خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکتی جن کا مقابلہ احسان کر سکتا ہو اگر اسوقت احسان سمیرنا میں ہوتا تو میں ضرور اُس کے پاس چلی جاتی۔ لیکن کسی شہر میں جا کر کیا کرونگی؟

تمین۔ احسان کے خیال میں یہاں اسقدر خطرات ہیں کہ ایک عورت کی طاقت اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی

اسوقت عائشہ کی آنکھیں اس طرح ساکن تھیں جس طرح پانی کے چشمے سبز پتوں کے نیچے ساکن خاموش لیٹے ہیں میرے الفاظ سنکر عائشہ کی آنکھوں کی سبزی نے شدید بحری آندھی کی صورت اختیار کر لی

اور اُسنے اضطراب و بےچینی کے لہجہ میں کہا۔

احسان نہیں چاہتا کہ میں اُس کی سپاہ کے ساتھ رہوں اُس کی خواہش یہ ہو کہ وہ تنہا ہو اور ہماری نظروں سے دُور دُور رہے۔ آج میں نے کذبان کی حقیقت اچھی طرح معلوم کر لی ہے۔

تمین۔ عائشہ تمہارے یہ الفاظ احسان کے متعلق کہنا اور ایسے خیالات ظاہر کرنا واقعہ یہ ہو کہ احسان پر ظلم کرنا ہے۔

عائشہ۔ ممکن ہو تمہارا خیال درست ہو لیکن اس امر میں تو شبہ ہی نہیں ہو کہ وہ میرا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا افسوس ہو اُس انسان پر جو اپنی خواہشوں کا بندہ ہے۔

تمین۔ عائشہ احسان کی غرض صرف تمہاری صیانت و حفاظت ہو۔

عائشہ۔ بری بیپا دیکھو میں اُس شخص کو بہت بُرا سمجھتی ہوں جو میری حفاظت و صیانت کا خواہشمند ہو یا مجھکو کوئی ایسی نازک چیز سمجھتا ہو جس کی نرم نرم بستروں اور گدوں پر حفاظت کی جائے، میں اگرچہ آزادیٔ سمرنا کے لئے بندوق نہیں اُٹھا سکتی اور نہ اتنی قوت رکھتی ہوں کہ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر عاصب یونانیوں کو سمرنا سے نکال باہر کروں لیکن ہاں میں ایک کام کر سکتی ہوں اور وہ یہ ہو کہ میں اُن لوگوں کا ماتم کیا کروں جو سمرنا کی راہ میں غریب الوطن شہید ہوں ہاں ایسے حال میں شہید ہوں کہ نہ تو اُن کے جسم پر پہننے کو قمیص ہو اور نہ پینے کو سگرٹ بلکہ کھانے کو روٹی بھی نہ ہو، اُن کی زندگی میں۔ میں اُن کے ساتھ رہوں، بیماری میں اُن کی خدمت کروں اور جب وہ شہید ہو جائیں تو ایک پیاری بہن کی مانند اُن کی آنکھوں کو بند کر دوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ مجاہدین وطن کے ساتھ رہوں سامان جنگ اُٹھانے میں اُن کو مدد دوں اور مصائب و آلام میں اُن کے شریک حال، احسان مجھے کیوں ان کاموں

سے روکتا ہے کیا اُس کی زندگی میں کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع ہوگئی ہے اور کیا اب وہ نہیں چاہتا کہ
وہ ایک ایسی زندگی بسر کرے جسکو میں دیکھ سکون اور طمانیت حاصل کر سکون اگر واقعہ یہی ہے تو ایسی زندگی
موجب عار و شرم ہے ۔ اگر احسان کا مقصد صرف میری صیانت و حفاظت ہے تو یہ ایک ایسا مقصد ہے جسکو
مین غصہ اور نفرت کی نظر سے دیکھتی ہون اور اُس سے دُور بھاگتی ہون جو مصائب آلام میرے حصے مین
آتے ہین وہ میرے لئے کافی نہین ہین اور مین اس سے زیادہ مصائب آلام کو چاہتی ہون ۔ مین اُس شخص
کو بہت زیادہ پسند کرتی ہون جو میرے مصائب آلام کو زیادہ کرے بلکہ یون کہنا چاہئے کہ جو شخص میرا ہاتھ
پکڑ کر مجھ کو آگ اور خطرات کے سمندر مین پھینک دے ، میرے جسم مین آگ کے شعلے بھڑک رہے ہین اور
جو شخص ان شعلون کو زیادہ بھڑکائے گا وہی میرا سچا دوست ہے ۔ آہ مسکین احمد رفقی ، مین اُس کو کبھی
نہ بھولون گی وہ جب دشمنون سے لڑنے یا اور کسی خطرناک مہم پر جاتا تو مجھے یہی مشورہ دیتا تھا کہ مین تیمار
داری کے لباس کو اُتار کر پھینک دون اور خطرات کے سمندر مین اُسکے ساتھ چلون ، لیکن آہ تم میرے
لئے امن و سلامتی چاہتے ہو ، ہان شہری عورتون کا سا امن و امان ، کیا تم نے تھوڑا عرصہ گذرا اُس
بیس سالہ استنبولی عورت کو نہین دیکھا جو کندھے پر بندوق رکھے اپنے شوہر کے ساتھ سمرنا کے راستہ پر
جا رہی تھی ۔ پھر کیا تم کو کنزبان بھی یاد نہین رہی جو تم سے بندوق مانگتی تھی ، آہ تم سب کچھ بھول گئے اور
زیادہ سے زیادہ تم اس امر کو پسند کرتے ہو کہ مین زخمیون کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرتی رہون اور بس
آہ ....

اس موقعہ پر عائشہ نے اپنی پُرجوش تقریر کو جسکو اُسنے ایک سانس مین پورا کیا تھا ختم کر دیا اور بچون
کی مانند ناک بھون چڑھا کر بیٹھ گئی ، مین اسوقت عجب مُشکل مین تھا کیا جواب دون اور کیونکر اُس سے
بات کرون آخر مین نے کہا۔

اگر تمھارا منشاء یہ ہے تو ٹھہرو مین احسان کو بلا لاتا ہون تم اُس سے اپنا مقصد بیان کر دینا۔

عائشہ ۔ نہین نہین اس کی کوئی ضرورت نہین ہے اب مین اُسوقت تک یہان نہ رہون گی
جب تک کہ احسان کے قلب مین یہ خیال جاگزین ہے کہ مجھ مین ایک ایسی عورت کی روح نہین ہے جو
اُن کے درمیان زندگی بسر کر سکے مین پہلی ٹرین سے عسکی شہر جاؤن گی اور خود اُس راستہ کو تلاش کرون
گی جو مجھکو سمرنا پہونچا سکے ۔

مین نے محسوس کیا کہ اسوقت عائشہ کی آنکھین عجیب و غریب منظر پیدا کر رہی ہین یعنی جس طرح سورج کبھی بادلون مین چھپ جاتا ہے اور کبھی بادلون سے نکلکر روشن ہوجاتا ہے اسی طرح اُس کی آنکھین کبھی چمکنے لگتی ہین اور کبھی بے رونق ہوجاتی تھین اور اُن سے حسرت و مایوسی ٹپکنے لگتی تھی - مین نے عائشہ کی اسوقت کیحالت سے یہ نتیجہ نکالا کہ آج پہلی مرتبہ اُسپر حب وطن کے بجائے نسوانی خودداری غالب آگئی ہے مین نے آج اُسکو بالکل بچون کی مانند ضدی پایا اور محسوس کیا کہ اگر اسوقت اُس سے زیادہ گفتگو کی گئی تو بہت ممکن ہے کہ اسکا نتیجہ خراب نکلے آخر مین بالکل خاموش ہوگیا اور عائشہ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا -

رات کا کھانا ہم تینون نے ساتھ کھایا احسان کی آنکھین اسوقت اُس کی مکدر پیشانی مین سہمی ہوئی تھین جس کے آثار چہرہ پر واضح طور پر نظر آرہے تھے وہ اسوقت اپنے خیال مین اس قدر مستغرق ہو رہا تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی عائشہ کے متعلق کوئی خیال اُس کے دل و دماغ مین پیدا نہ ہوا اور نہ اُس نے کھانے پر عائشہ کی روانگی سمرنا اور جمال کے اُس خط کا جو اُسنے اس خصوص مین لکھا تھا کوئی تذکرہ کیا -

میرے دلمین اسوقت یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص جو اس امر پر راضی ہوچکا تھا کہ اپنی روح کے دو ٹکڑے کر کے عائشہ کو اس خیال سے کہ اُس کی زندگی خطرات سے محفوظ رہے عسکی شہر بھیجدے - اب اس امر کا خواہشمند ہے کہ عائشہ اُس کے ساتھ یہین رہنے پر آمادہ ہوجائے لیکن عائشہ نے کوئی آمادگی ظاہر نہین کی اور کھانے کی پلیٹ سے نظر ہٹائے بغیر اُس سے دریافت کیا -

عسکی شہر کی گاڑی کسوقت جائے گی -

مین نے دیکھا کہ عائشہ کے اس سوال نے احسان کے چہرہ کے رنگ کو متغیر کر دیا گویا ان الفاظ نے اُسپر ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا آخر وہ اپنے خیال سے چونکا اور کہا -

کل رات کو عسکی شہر کی گاڑی جائے گی اگر تم صبح کو یہان سے روانہ ہو تو شام کو تفکہ کے اسٹیشن پر پہنچ جاؤ گی -

عائشہ - بہتر ہے - کیا رات کو تم میرے لئے گاڑی تیار کر دو گے -

احسان - تعمیل ارشاد کی جائے گی -

احسان اور عائشہ کی گفتگو ختم ہوگئی اور دونون مین سے ہر ایک اپنے اپنے فکر و آلام مین مبتلا ہوگیا اب رہا مین اس زندگی مین بجز اس کے کہ خون کی ندیون کو بہتا دیکھون اور آلام و مصائب کو برداشت

کردن اور کوئی کام میرے متعلق نہ تھا اور یا پھر مین عشق و محبت کے اُن مناظر کو دیکھتا تھا جن کا اظہار لوگ میرے سامنے کیا کرتے تھے رہا میرا عشق اور میرے آلام وہ ایک ایسی صورت رکھتے تھے جسکو بجز میرے کوئی دوسرا نہین دیکھ سکتا تھا۔

اس طفلانہ آندھی کے بعد عائشہ کو سکون حاصل ہوگیا لیکن اس سکون مین بھی خطرناک وجانگداز زہر کی تلخی شامل تھی چند منٹ کے بعد پھر عائشہ نے سر اُٹھایا اور ساکن نظرون سے احسان کی طرف دیکھکر دریافت کیا۔

پیامی کی نسبت تم کیا کہتے ہو وہ اناطولیہ مین کیا کام کریگا۔

احسان۔ کیا وہ تمھارے ساتھ نہین رہیگا۔

عائشہ۔ غریب پیامی! اُس نے اناطولیہ آنے کی تکلیف صرف اس لئے گوارا کی ہو کہ وہ اپنی خالہ زاد بہن کی اُس کی اس عمر مین تربیت کرے بلا شبہ یہ ایک عجیب بات ہو، پیامی یہان اس لئے آیا ہو کہ وہ دشمنون سے اسی طرح لڑے جس طرح تم لڑتے ہو اور سمرنا کو نجات دلانے کے لئے اسی طرح کام کرے جس طرح تم کرتے ہو اس لئے مناسب یہ ہو کہ اُس کو فوراً اُن لوگون مین شامل کردیا جائے جو سپاہ مین داخل ہین اور دشمن سے لڑتے ہین۔

عائشہ کے ان الفاظ نے باوجود اس کے کہ وہ میرے اور عائشہ کے درمیان جُدائی ڈالنے والے تھے مجھ پر کوئی بُرا اثر نہین ڈالا بلکہ مین ان کو سُنکر بہت خوش ہوا کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ عائشہ نے مجھکو اس قابل خیال کیا تھا کہ مین سمرنا کے مجاہدین مین شامل ہون اور وہ اُس دفتر وزارت کو بھول گئی تھی جس مین مین کام کرتا تھا اور جس کے زرد کاغذ اور خراب آب وہوا مین مین نے زندگی بسر کی تھی اگرچہ مین اُن نوجوان فوجی افسرون مین شامل نہ تھا جنھون نے عائشہ کے ہاتھ پر رات کو حلف اُٹھایا تھا۔

احسان عائشہ کے الفاظ سُنکر ہنسا اور کہا۔

محترمہ عائشہ تمھارا خیال درست ہو مین پیامی کو انگورہ بھیجدونگا تاکہ وہ وہان فوجی تربیت حاصل کرکے فوجی افسر بنجائے لیکن اُس کو تھوڑے دنون میرے پاس رہنا ضروری ہو۔ مین اس اَمر کی پوری کوشش کرونگا کہ تمھارے خالہ زاد بھائی کو موت کے ہاتھون سے محفوظ رکھون۔

عائشہ۔ کیا موت کو حقیر وذلیل خیال کرنا فوجیون کی خصلت نہین ہو۔

احسان۔ ہونہہ عائشہ بیشک تمہارا خیال درست ہے۔

میں نے کہا "اور تم بچارے کو کیا کہتے ہو جھگڑا مول لیتے ہو عائشہ کے ساتھ عسکی شہر جا رہا تھا اور اس کو جمال کے پاس پہنچا کر واپس آجاتا۔"

احسان نے کہا "عائشہ کے ساتھ میں شادیش محمد کو بھیجا ہے کیونکہ عائشہ اس امر کو پسند نہیں کرتی کہ کوئی شخص اس کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ رہے۔"

اس روز میں یہ معلوم نہ کرسکا کہ کیوں احسان نے شادیش محمد کو عائشہ کے ساتھ بھیجنا ضروری سمجھا تھا۔ آیا اس لئے کہ شادیش محمد مجھ سے زیادہ عائشہ کی حفاظت کرسکتا تھا یا اس لئے کہ احسان کو یہ گوارا نہ تھا کہ میں عائشہ کے ساتھ ہوں لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس نوجوان مسکین نے مجھے صرف اس لئے روک لیا تھا کہ میں بحیثیت ایک ایسے شخص کے جس کو عائشہ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اس کی تسکین و تشفی کرتا رہوں۔

---

(۶)

شادیش محمد

---

۲۷ نومبر ۱۹۲۱ء

عائشہ کی روانگی نے آزادی کی عجیب و غریب خواہش میرے قلب میں پیدا کردی تھی اور میں اس حقیقت پر غور کر رہا تھا کہ میں اناطولیہ میں صرف اس لئے نہیں آیا ہوں کہ عائشہ کی نگہبانی اور حفاظت کرتا رہوں بہت ممکن ہے کہ عائشہ کے قلب میں میرے لئے کوئی جگہ نہ ہو لیکن میں ہمیشہ اس امر کا آرزومند رہا کرتا تھا کہ عائشہ مجھ کو بھی اپنی نیلگوں آنکھوں سے اسی طرح دیکھے جس طرح وہ ہر اس شخص کو دیکھتی ہے جو آزادئ سمرنا کی راہ [illegible] ہاں جس طرح وہ ہر اس مجاہد کو دیکھتی ہے جو سمرنا کے لئے جیتا ہے اور سمرنا کی جد و جہد میں جان [illegible] آمادہ رہتا ہے اور پھر وہ اس امر کا اعتراف کرلے کہ میں بھی ایک ایسا ہی شخص

ہوں جو تمہارے لئے اپنی جوانی کو قربان کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اب میں فخر وزارت خارجہ کا وہ عہدہ نہیں چاہتا جو پہلے تھا۔

عائشہ جب تمہارے مبالغات کے ساتھ قصے سنتی تھی کہ تمہاری جوانی کے قصے سنا رہی تھی اور مناقب بیان کرتی تھی اور ان زخموں کا ذکر کرتی تھی جو تمہیں لڑائی میں لگے ہیں تو میرے دل میں غیرت کا جذبہ بے اختیار پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت میں اس کی آواز میں ایک ایسا نغمہ محسوس کرتا تھا جو اخوت کی خوبی سے زیادہ انسانی صفات کو رکھتا تھا۔

اب میں کیوں ہوں اور عائشہ کی جدائی کے خطرات و مصائب کے برداشت کی مشق کر رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح گھوڑے اور بندوق کو اپنا دوست بناؤں اور یہ کہ اس غیرت کا اور تجربہ میں اپنا وہ فرض ادا کروں جو میرے دوسرے بھائی ادا کر رہے ہیں اور ان کی طرح موت کے آغوش کی طرف اسی طریقہ پر روانہ ہوں جس طرح میدان میں تفریح کے لئے لوگ جاتے ہیں۔

عائشہ کی روانگی کے بعد احسان خاموش رہنے لگا تھا اور ہر وقت اس پر رنج و غم طاری رہتا تھا لیکن باایں ہمہ وہ اپنی خدمات کو اسی طرح ادا کرتا تھا جس طرح ایک نڈر اور بہادر افسر ادا کرتا ہے۔ جب ہم دونوں یکجا ہوتے تو میں دیکھتا کہ احسان کا برتاؤ میرے ساتھ کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ یعنی اس پر دو حالتیں طاری رہتی تھیں کبھی وہ اس شخص سے جس کو عائشہ سے کوئی خصوصیت حاصل ہوتی تھی نہایت اخلاق و نرمی کے ساتھ پیش آتا تھا اور کبھی وہ اس سے انتقام کے درپے ہو جاتا تھا اور عائشہ سے اس کی خصوصیت و قربت کو رشک و حسد سے برداشت نہ کر سکتا تھا جب اس پر پہلی حالت طاری ہوتی تھی تو وہ مجھے ایسا مہربان نظر آتا تھا جیسا کہ کوئی بچوں پر مہربان ہوتا ہے اور مجھے سردی اور گرمی سے بچانے کی کوشش کرتا تھا اس حالت میں جب کبھی وہ میرے کمرہ میں داخل ہوتا اور مجھ کو سوتا ہوا پاتا تو وہ مجھے چادر اڑھاتا اور آرام سے سوتے رہنے کا موقع بہم پہونچاتا تھا اور میں اس کی اس ہمدردی سے شرمندہ ہو جاتا تھا لیکن جب اس پر دوسری حالت کا غلبہ ہوتا تھا تو اس کی ساری مہربانیاں ختم ہو جاتی تھیں اور وہ تمام پابندیوں اور تعلقات کو خیرباد کہدیتا تھا اور مجھ کو ایسے ایسے خطروں میں بھیج دیتا تھا جنکو صرف وہی لوگ برداشت کر سکتے تھے جنھوں نے بیس سال تک پہاڑوں میں زندگی بسر کی ہو وہ

مجھے ایسے سخت سے سخت فوجی تجارب پر مجبور کرتا اور ایسی شدید شورش سے میرا مقابلہ کرا دیتا تھا جس سے عہدہ برآ ہونا کسی ایسے سپاہی سے غیر متوقع تھا جو ابھی تعلیم و تربیت حاصل کر رہا ہو، میں آخر احسان کے حکم سے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر ایسے ایسے خطرناک ورزشی کھیل میں حصہ لیتا تھا جن سے زندہ بچنے پر آج مجھکو تعجب ہو رہا ہے، احسان مجھ کو زندگی ہی دلگی میں نہایت بے دردی کی روش سے مجبور کرتا کہ میں پہاڑیوں، ٹیلوں، خندقوں اور پست و بلند زمینوں پر گھوڑے کو دوڑاؤں اور دیواروں کو پھاندوں بایں ہمہ جب میں ان تمام کاموں میں کامیاب ہو کر نیم جان واپس آتا تو احسان کی زبان سے میری تعریف میں ایک جملہ بھی نہ نکلتا تھا جس سے میرا دل خوش ہوتا۔ ہتھیاروں کے استعمال کا طریقہ بتلانے اور اسلحہ کو کام میں لانے کی تعلیم دینے کے لئے مجھ کو شادیش محمد کے حوالہ کر دیا گیا تھا اور وہ مجھ کو اسلحہ کے استعمال کی تعلیم دیتا تھا، شادیش محمد اناطولیہ کا ایک انتہا پسند سیاسی آدمی تھا اس نے اپنی زندگی کا ایک حصہ بلغاری ڈاکوؤں کی سرکوبی کی مہم میں صرف کیا تھا اور مقدونیہ کی شورشوں نے اس کو مضبوط اور تجربہ کار بنا دیا تھا۔ اس کا یہ مضبوط عقیدہ تھا کہ تمام اجنبی قومیں مسلمانوں کی فکر میں ہیں اور ان کو تباہ و برباد کر دینے کے لئے موقع ڈھونڈھ رہی ہیں پھر اس کا یہ بھی خیال تھا کہ بلغاری انسانی زندگی میں ایک اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں ایک اور خیال اس کے قلب میں یہ جاگزیں تھا کہ سلطان کی شخصیت قابل نفرت ہے اس سلسلہ میں وہ کہا کرتا تھا کہ

"یہ قوم کو چاہئے کہ اب حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور خود ملک کا انتظام کرے۔"

لیکن اس خصوص میں اس کے خیالات واضح نہ تھے اور نہ کسی کو یہ معلوم تھا کہ قوم سے اس کی مراد کیا ہے اور قوم کس طرح حکومت کا انتظام کرے گی بہر نوع وہ اس شخص کو قوم میں شمار نہ کرتا تھا جو ہتھیار نہ اٹھا سکے اور نہ دشمنوں سے جنگ کر سکے۔

جس وقت احسان پر حکومت کا نشہ غالب آجاتا تھا تو میں اس کی جانب سے منہ پھیر لیتا تھا اور شادیش محمد کو اپنے پاس بلا کر اس سے باتیں کیا کرتا تھا وہ مجھے حیرت انگیز واقعات اور تعجب انگیز قصے سناتا تھا وہ کبھی کبھی خیالی دنیا کی سیر کرتا اور کہتا کہ وہ ایک پاشا کے ساتھ درۂ خیبر کی راہ سے ہندوستان بھی ہو آیا ہے اور پھر کہتا کہ جب وہ مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ آتیفنز (دارالسلطنت یونان) پر قبضہ کرنے کے لئے جائے گا تو کیا کیا واقعات پیش آئیں گے لیکن بایں ہمہ وہ بعض اوقات حسرت کے ساتھ آہ بھرتا

مین داخل ہونے کی آرزو ظاہر کیا کرتا تھا۔

ترکی مقبوضات کے انتظام کے متعلق بھی وہ ایک خاص رائے رکھتا تھا اُس کا خیال تھا کہ قوم کے جو لوگ گھرون مین بیٹھے ہین اور میدان جنگ مین کام کرنے کے لئے نہین آسکتے وہ اس امر کے مکلف ہین، کہ مجاہدون کی ضروریات کی تمام چیزین اُن کے لئے بہم پہنچائین بجٹ اور مالی مسائل کے متعلق اُس کو کوئی خاص علم نہین تھا بلکہ یون کہنا چاہئے کہ میزانیہ (بجٹ) اور مالی معاملات سے وہ قطعاً آگاہی نہ رکھتا تھا، اُس کا یہ عقیدہ تھا کہ چونکہ کاروباری آدمی اور وہ لوگ جو ہتھیار نہین اُٹھا سکتے مجاہدون کی وجہ سے نجات حاصل کرین گے اس لئے اُن کا فرض ہے کہ وہ مجاہدون کی خوراک بہم پہنچائین اور پہننے کے لئے اُن کو کپڑا دین، وہ جب کبھی احسان کو کوئی چیز بنقد دیکر خریدتا ہوا دیکھتا تھا تو غضبناک ہوجاتا تھا اور اُس سے دریافت کرتا تھا تم یہ روپیہ کہان سے حاصل کرتے ہو کیا تم سے نہین لیتے؟ کوئی ضرورت نہین ہے کہ ٹیکس باندھے جائین اور فوجی پولس اور بزدل لوگون کی تنخواہین مقرر کی جائین کیا کاشتکارون کی فلاح وبہبود کے لئے یہ مناسب نہین ہے کہ ہم ٹیکس وغیرہ تمام باتون کو چھوڑدین اور اُن سے صرف خدا کا غلہ اور تمام ضروریات کو آئندہ مفت لے لیا کرین اور اُسوقت تک یہ انتظام قائم رہے جب تک، کہ جنگ جاری رہے جنگ ختم ہونے کے بعد ہم مین سے ہر شخص کوئی کام پسند کرلے اور اُس کے ذریعہ اپنی ضروریات کا انتظام کرے۔

شادلیش محمد کو یونانیون کے بعد سب سے زیادہ نفرت فوجی پولس کے لوگون سے تھی اور اُس کی دلی آرزو یہ تھی کہ وہ ایسی جگہ جاکر توطن اختیار کرے جہان نہ تو یونانی ہون اور نہ فوجی پولس کے آدمی۔

شادلیش محمد اگرچہ ٹیکس وغیرہ کے معاملہ مین نہایت، سخت اور خوفناک رائے رکھتا تھا لیکن باین ہمہ مین نے اُس کو دیکھا ہے کہ وہ بھوکا اور نیم جان دیہات مین اپنا کام کرتا پھر رہا ہے لیکن کسی سے کچھ نہین طلب کرتا البتہ تمباکو کبھی کبھی وہ کاشتکارون سے تھوڑا سا مانگ لیا کرتا تھا، یونانیون نے جب بروصہ پر قبضہ کرلیا تو کیوہ کے قریب مقام ”ارناوط کوئی“ کے رومی باشندون نے بغاوت شروع کردی، ان باغی جماعتون کے پاس بم کے گولے تھے جن سے وہ ہم کو دھمکایا کرتے تھے، موضع خندق کی شورش اور ”ارناوط کوئی“ کے باغیون کے مقابلہ مین احسان کی ماتحت سپاہ کام کررہی تھی اور اس شورش کو دبانے کی اہم خدمت احسان کے سپرد تھی لیکن یہ عجیب اتفاق اس مقابلہ کے زمانہ مین پیش آیا کہ ہمارا ذخیرہ جنگ

ٹھر گیا احسان ذخیرۂ جنگ کی کمی سے سخت پریشان تھا اور کھانا پینا یہاں تک کہ بات کرنا تک اُس نے چھوڑ دیا تھا لیکن بایں ہمہ وہ پوری قوت سے باغیوں کا مقابلہ کر رہا تھا اور تکلیفوں اور مصائب کی پروا نہ کرتا تھا - انھین ایام مین ایک روز صبح کے وقت جبکہ اُس کے چہرہ پر سنگدلی کے آثار نمایان تھے اُسنے مجھے اور شادیش محمد کو طلب کیا اور کہا -

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ذخیرۂ جنگ جو ابتدائی جدّوجہد کے زمانہ مین چھپا کر لایا گیا تھا مقام قنیدیرہ کے اطراف مین کسی جگہ مدفون ہے لیکن وہ جگہ کسی کو معلوم نہین ہے اُس علاقہ مین ایک نوجوان فوجی افسر یونہ باشی صفوت قومی جدّوجہد مین عرصہ سے مشغول ہے اور قسطنطنیہ سے بھاگ کر اناطولیہ مین آنے والے لوگون کو مدد دیتا ہے -

ان الفاظ کو ختم کر کے احسان نے ہم سے خواہش ظاہر کی کہ ہم یونہ باشی صفوت کو تلاش کرین اور اُس سے ملکر ذخیرۂ مذکور کو مناسب طریقہ پر یہان لے آئین تاکہ ہماری سپاہ مدافعت کو برابر قائم رکھے اور وطنی جہاد کو جاری رکھ سکے -

مین اور شادیش محمد دونون فوراً اس مہم کو انجام دینے کے لئے تیار ہو گئے اور اپنے اپنے گھوڑون پر سوار ہو کر علاقہ قنیدیرہ کی طرف روانہ ہوئے اسوقت شادیش محمد کی ہیئت بہت خوفناک تھی اسکی کلاہ بائین جانب سے اسطرح نکلی ہوئی تھی جیسے سینگ ہوتا ہے وہ اس سفر مین جب زمین پر لیٹتا تو اپنی کمر کو دیوار سے لگا لیتا اور آسمان کی طرف نظر رکھتا تھا اور بندوق کو اسطرح اپنے پہلو سے لگائے رکھتا تھا جس طرح بچے کو سینہ سے لگا لیتے ہین اگر اُس روز رات کو زمین پھٹ جاتی اور کوئی دیو اُس سے نکل کھڑا ہوتا تو اُس کا سر بھی اتنا خوفناک اور آنکھین اس قدر شرر ریز نہ ہوتین جس قدر کہ اسوقت شادیش محمد کی ہیئت خوفناک تھی - اناطولیہ کے وہ نوجوان شادیش محمد کی نظر مین ہم سے زیادہ محبوب تھے جو اپنے دین کی اور وطن کے پتھرون کی حفاظت و مدافعت کے لئے پہاڑون سے نکل کھڑے ہوئے تھے ان نوجوانون کی اس وطن پرستی کا یہ نتیجہ تھا کہ اناطولیہ کے تمام گیتون اور کہانیون مین اب انھین کا ذکر ہوتا تھا - یورپ نے جس وقت ہمارے سرون پر کاری ضرب لگائی تھی ہماری یہ حالت تھی کہ ہم حیران و پریشان کھڑے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہئے لیکن اناطولیہ کے نوجوانون کی کیفیت یہ تھی کہ وہ مدافعت کے لئے میدان مین نکل آئے تھے اور ہم کو اپنی دردناک صدا سے بیدار کر رہے تھے

بلاشبہ وہ پہلا ہاتھ جو مشرقی دنیا میں ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھا اور وہ اپنی طرح ظالموں سے مقابلہ
کے لئے تیار ہوئی اناطولیہ ہی کے نوجوانوں کا ہاتھ اور وہ تھی جنھیں نوجوانوں نے اپنے قربانی جام
سے مجاہدوں کی پہلی صف تیار کی اور ہمیشہ صف آگے۔ دشمنوں اور خطرات میں ثابت قدم رہی یہاں
تک کہ اب اناطولیہ کے دور دراز خطوں میں ہم منظم سپاہ کے قدموں کی آہٹ سن رہے ہیں جو بتدریج
ترقی حاصل کر رہی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ جب باقاعدہ سپاہ تیار ہو جائیگی تو ان بے قاعدہ جماعتوں
کو اُس میں شامل کر لیا جائے گا یا اُن کو تباہ و برباد کر کے ان کی بے جان نعشوں کو قدموں کے
نیچے روند ڈالا جائیگا۔

شادیش محمد کبھی کبھی اس حالت میں کہ ہم دونوں پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں یکایک خاموش ہو جاتا تھا
اور پھر کسی مقام پر رُک کر چاند کی سفید روشنی میں اپنی آنکھوں سے جو انگاروں کی مانند سُرخ تھیں اس
طرح کسی چیز کو دیکھنے لگتا تھا گویا وہ کسی خطرہ کو محسوس کر رہا ہے آہ وہ کس قدر شجیع و بہادر، اور
کتنا سادہ لوح تھا، وہ جو کام کرتا تھا وہ بچوں کی سی سادگی رکھتا تھا اور اُس کی سادگی کو ظاہر
کر دیتا تھا۔

ایک مرتبہ جب میں نے اُس سے یہ دریافت کیا کہ جدّ و جہد کی ابتدا میں لوگوں کو کس قسم کے اسلحہ
سے مسلح کیا گیا تھا اور وہ کیونکر ہتھیاروں اور سامان جنگ کو اُڑا لائے تھے تو میرے سوال نے اُس کو
خوش کر دیا اور اُس کے چہرے پر مسرت کے آثار چمکنے لگے اور اُسنے اناطولیہ کے سخت لہجہ میں مجھے اُن بم
گاڑیوں کا قصہ سنایا جو ہتھیاروں سے بھری ہوئی خفیہ طور پر اناطولیہ کے اندر لائی گئی تھیں ......

راستہ میں ابتدائے سفر سے ہماری سب سے بڑی مہم یہ تھی کہ ہم صفوت بیک کو تلاش کریں اور اس
سے ملنے کی سعی کریں جب ہم نہر سقاریہ کے کنارے پر پہنچے تو حالات نے مجبور کیا کہ ہم احتیاط سے کام لیں
چنانچہ میں نے شادیش محمد کو ایک گھاس کی گاڑی میں جسکو ایک مہاجر لئے جاتا تھا چھپا دیا مقدونیہ
کے دیہات کے مہاجروں کو میں نے اُن خطرات کے مقابلہ میں جو اناطولیہ کو گھیرے ہوئے تھے سب سے
زیادہ صابر پایا وہ وطنی قوت کو سب سے زیادہ مدد دے رہے تھے اور جن علاقوں پر دشمن نے قبضہ کر
لیا تھا وہاں سے اپنے کھیتوں کو دشمن کے حوالہ کر کے سب سے پہلے بھاگ کر آئے تھے ہاں ان مہاجرین
نے اپنے سبز زمینوں اور نمونۂ جنت کھیتوں کی پروا نہ کی گلاب کے اُن تختوں اور باغوں کا خیال بھی

نہیں کیا جن میں طبلون نے گھونسلے بنا لئے تھے اور پھر اُنھوں نے اُن خوبصورت اور سفید سفید مکانات کی بھی پروا نہیں کی جو صاف ستھرے اور سادہ تھے اور سب کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ آئے یہاں اُنھوں نے اُن مکانات کو بھی چھوڑ دیا جن میں اُن کے احباب اُن کی معصوم نوجوان لڑکیاں اور پردہ نشین دلہنیں قتل کی گئی تھیں اور جو خونی یادگاروں کی حیثیت رکھتے تھے یہ مقدونی مہاجر اسوقت تک اُس خونی آندھی کو نہ بھولے تھے جس نے اُن کو اپنا وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا اور جسنے اُن کو اناطولیہ میں لا ڈالا تھا یہ آندھی یورپ سے آنے والے دو سیاہ بادلوں سے پیدا ہوئی تھی اور اُن کے گرد سیاہ دھواں پھیلا ہوا تھا، اناطولیہ کے باشندے جن کی زمین پر اس سے پہلے کبھی کسی دشمن نے قدم نہ رکھا تھا ابتدا میں تو اس ہولناک واقعہ سے گھبرا گئے تھے لیکن پھر وہ جاگ اُٹھے اور خدا ہی جانتا ہے کہ کیونکر وہ جاگے۔ شادیش محمد جو مقدونیہ کے خونی معرکوں میں شریک رہ چکا تھا اپنے آپ کو اناطولیہ کے کاشتکاروں کا رہنما خیال کرتا تھا اور اپنے ہاتھ میں لاٹھی اور ہتھیار لے کر اُن کے پاس اس لئے آیا تھا کہ اُن کو اپنی حقیقت سے آگاہ کر دے اور جو خطرات رونما ہیں اُن سے اُن کو واقف بنا دے۔

نہر سقاریہ کو عبور کر کے ہم نے تھوڑی سی مسافت طے کی ہوگی کہ موضع قندیرہ میں پہنچ گئے اور وہاں کے ایک معزز و باا ثر شخص مرسل آغا کے ہاں ٹھہرے مرسل آغا نے ہمارے لئے اپنے مکان کا ایک آراستہ کمرہ کھول دیا اور وہ اور اُس کے دونوں بیٹے ہماری خاطر و مدارات اور خدمت میں مشغول ہو گئے۔

مرسل آغا اُس شورش اور خونریزی کو غور و فکر اور اضطراب کی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو اطراف میں جاری تھی لیکن اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہ کرتا تھا ممکن ہے وہ واقعات کی رفتار کو دیکھ رہا ہو تاکہ بعد کو کوئی رائے قائم کر سکے اور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے جیسا کہ عام طور پر اناطولیہ کے باشندوں کی حالت ہے کہ وہ فوراً کسی معاملہ پر رائے قائم نہیں کر لیتے۔

مرسل آغا کی ڈاڑھی شہابی اور بڑا سر تھا جس پر وہ عمامہ باندھے رہتا تھا وہ اپنے ہم نشینوں کو ایسی تبسم آمیز نگاہ سے دیکھتا تھا گویا وہ اس کے قلب کی تہ سے نکلی ہے لیکن وہ بہت کم اس طرح دیکھتا تھا۔

میں نے مرسل آغا کو دیکھکر اپنے دل میں کہا:- یہ بوڑھا بلاشبہ دانشمند ہے اور اُن باتوں سے آگاہ

ہے جن سے ہم واقف نہیں ہیں وہ ہم کو اس طرح دیکھتا ہو گویا کہ ہم اُس کی نظر میں تنکے ہیں"

مرسل آغا کے دونوں بیٹے طویل قامت موٹے اناطولی جوان تھے - چہرے گول اور بھرے ہوئے اور شیروں کے مانند تھے لیکن وہ اناطولیہ کے دوسرے شرفا کے بچوں کی طرح ڈھیلے ڈھالے اور پیوند لگے ہوئے پائجامے پہنے ہوئے نہ تھے بلکہ تنگ انگریزی پائجامے (پتلون) پہنے ہوئے تھے اور اُن میں اگرچہ پیوند لگے ہوئے تھے لیکن صاف ستھرے تھے یہ دونوں جوان جب اپنے بازوؤں پر آستینوں کو چڑھانا چاہتے تو نہایت باقاعدگی سے آستینوں کو چڑھاتے تھے اُن کے سروں پر ٹوپیوں کے اوپر رومال بندھا ہوا نہ تھا بلکہ ٹوپیاں اس وضع سے زیب سر تھیں کہ اُن کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دارالسلطنت کے وردی پوش سپاہی ہیں - میں نے جب مرسل آغا سے اُس کے بیٹوں کی اس وضع کے متعلق ایک سوال کیا تو مرسل آغا مسکرایا اور معاً اُس کے بیٹوں میں سے ایک دیو کی مانند کمرہ میں داخل ہوا اسوقت وہ سلطانی محافظ گارد کا سا لباس پہنے ہوئے تھا، میں نے اُس کو دیکھکر فوراً پہچان لیا کہ وہ اُس کا بیٹا ہے، اور معاً میرا خیال آستانہ کی طرف منتقل ہو گیا، میری نگاہوں کے سامنے "دواور تہ کوئی" کی صاف ستھری سلطانی سڑکیں آگئیں اور پھر اُن سلطانی محافظ گارد کے سپاہیوں کی شکلیں میری نظروں میں پھرنے لگیں جو پرندوں کی مانند سڑکوں پر سے گذر رہے تھے اور جن میں سے ایک کے سر پر سفید ٹوپی تھی اور وہ نیلا کوٹ اور سُرخ پائجامہ پہنے تھا اور اُس کی پشت سے فوجی یادداشتوں کی کتاب بندھی تھی

میں اسوقت غور سے شادیش محمدؐ کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جو مرسل آغا اور اُس کے بیٹوں سے مقدونیہ کے لب لہجہ میں اناطولیہ کے قضیہ کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اس سلسلہ میں شادیش محمدؐ نے نوجوانان اناطولیہ کی مدافعت حماست اور پامردی کا بھی ذکر کیا اور گفتگو کو پُر اثر بنانے کے لئے کسی قدر مبالغہ سے بھی کام لیا جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر ہوتا ہے -

ادہر تو شادیش محمدؐ باتوں میں مشغول تھا اور اُدہر میں اپنے دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے شادیش محمدؐ اپنے آقا کے کام کے متعلق کیا انتظام کرتا ہے پھر میں نے شادیش محمدؐ کی آنکھوں پر نظر ڈالی اور مجھے محسوس ہوا کہ اُس کے جسم میں ایک پاکیزہ روح کام کر رہی ہو جسنے اُس کے اہم عقائد کو گم کر دیا ہو اور اُن کی جگہ خاموشی رنج والم اور غیر متمرد اضطراب نے لے لی ہو -

دوسرے روز صبح کے وقت جب ہم یہاں سے روانہ ہوئے تو ہم نے دُور سے مرسل آغا کے ایک

پیچھے کو دیکھا جو راستے کے پہلو میں ایک ٹیلہ پر کھڑا تھا اور وہ دل ہلا ہلا کر ہم کو بتا رہا تھا کہ ہم اس کے پہنچنے کا انتظار کریں جب وہ ہمارے پاس پہنچ گیا تو آہستہ سے ہمارے ہمراہ چل کے ان لوگوں کا ایک کا اندیشہ ہے کہ تم میں تھوڑے سے ترک بھی ہوشیار رہنا ہم کو چاہیے کہ جب ہم اس گاؤں سے گذریں تو ہوشیار اور خبردار رہیں کیونکہ آجکل اس گاؤں میں آستانہ سے چار مشتبہ اشخاص آئے ہوئے ہیں اس کے بعد اس نے طبعی سادگی کے ساتھ کہا "صفوت بک" موضع قابلانہ میں چھپا ہوا ہے اگر تم موضع اکیرجہ سے صحت و سلامتی کے ساتھ گذر گئے تو تم صفوت بک کو وہاں پا لوگے، اچھا اب جاؤ فی امان اللہ۔

ہم کو حیرت و قلق کی حالت میں چھوڑ کر وہ چلا گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا بلاشبہ یہ نوجوان قومی حرکت میں شامل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کو ہماری مہم کا حال معلوم نہ ہوتا چونکہ ہم نے گذشتہ رات اس کے باپ مرسل آغا کے چہرہ پر احتیاط پسندی کی علامات نمایاں پائی تھیں اس لئے میں خوف زدہ ہو گیا تھا اور اسی باعث میں نے اس کے سامنے صفوت بک کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

رات بھر ہم سفر کرتے رہے اور اس وادی کو جو اکیرجہ تک چلی گئی تھی طے کر لیا یہ وادی شروع سے آخر تک گنجان درختوں اور خاردار جھاڑیوں سے بھری ہوئی تھی اور فضا میں چونکہ ابر غلیظ پھیلا ہوا تھا اسوجہ سے ماہتاب کی روشنی ہم تک نہ پہنچتی تھی، وادی کے خاردار درخت اس تاریکی میں جو دور تک پھیلی ہوئی تھی، بعض انسانی بازوؤں کے مانند نظر آتے تھے اور بعض مردوں کی رانوں کی طرح۔ درختوں اور جھاڑیوں کی کثرت اور شدید تاریکی نے گھوڑوں کے لئے سخت مشکلات پیدا کر دی تھیں اور وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔ کانٹوں نے ہمارے ہاتھوں اور چہروں کو چھلنی بنا دیا تھا ہم جسقدر آگے بڑھتے تھے چاندکی روشنی کم ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ہم ٹیلہ پر پہنچے تو چاند کی روشنی کا پتہ نہ تھا اب ہم خاردار درختوں سے گذر چکے تھے اور ٹیلہ پر کھڑے ہوئے وادی کے ان گنجان درختوں کو دیکھ رہے تھے جو تاریکی میں ایسے معلوم ہوتے تھے گویا وہ ایک دوسرے سے معانقہ کر رہے ہیں اور بعض بعض سے وابستہ ہیں۔ جس ٹیلہ پر ہم کھڑے تھے وہاں سے منتہائے نظر تک لیست وادی کے خاردار درخت ایسے محسوس ہوتے تھے گویا ان درختوں میں انگلیاں نکل آئی ہیں اور ٹہنیوں پر انھوں نے نشو و نما حاصل کیا ہے۔ تاریکی میں اسوقت ہم یہ معلوم نہ کر سکتے تھے کہ جنگل کدھر ہے اور پہاڑ کی چوٹیاں کس جانب البتہ اس نہر کے سفید سفید جھاگ جو وادی میں پھیلی ہوئی تھی صاف نظر آ رہے تھے، اس سفید

اور طویل نہر کے کنارہ پر اسوقت آگ روشن تھی جس کی روشنی تاریکی کے قلب مین گھسی چلی جاتی تھی، آگ کی سرخی نے اپنے اطراف کی شدید تاریکی کو بھگا دیا تھا اور تمام علاقہ روشن ہوگیا تھا۔ ہم نے اس آگ کو دیکھا اور اضطراب و شک ہمارے قلب مین پیدا ہوگیا، شک کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جب ہم اس مقام سے گذرے تھے تو وہان کوئی بھی نہ تھا آخر ہم احتیاط کے ساتھ اُس گانون کی طرف بڑھے جس کے سفید سفید مینارے پہاڑی میدان کے دائین جانب نظر آرہے تھے، ہمارا ارادہ تھا کہ ہم گانون کے قریب سے چپ چاپ گذر جائین لیکن جب ہم گانون کے قریب پہنچے تو وہ ابر جو ماہتاب کے گرد چھایا ہوا تھا چھٹ گیا اور چاند کی شعاعین چراغ کی روشنی کی طرح گانون کے اوپر پھیل گئین، یہ گانون نہایت خوبصورت تھا اور خاص دلکشی اپنے اندر رکھتا تھا، اُس کے سفید سفید مکانات اور دومنزلہ عمارتین جن کی کھڑکیان صاف نظر آرہی تھین، چاندنی مین چمک رہے تھے گانون کے بائین جانب اُس وسیع راستہ پر جس پر سرخ مٹی پھیلی ہوئی تھی ایک دُبلا پتلا شخص کھڑا تھا یہ شخص دراز قد تھا، مونڈھے چوڑے تھے اور چرکسی لباس پہنے تھا، آہستہ آہستہ یہ شخص آگے کی طرف جا رہا تھا اور غور سے ادہر اُدہر دیکھتا جاتا تھا راستہ کے کنارہ پر ایک دومنزلہ مربع مکان تھا جس کے بالائی کمرہ مین ایک خوبصورت عورت لوہے کے سبز جنگلے سے پُشت لگائے کھڑی تھی اور اُس گہرے سکون مین جو اس وقت دُنیا پر محیط تھا ہلکی سُرخ روشنی مین کسی دُور کی چیز کو دیکھ رہی تھی اس سکون اور چاند کی ہلکی روشنی مین یہ عورت بالکل پُرانے قصّون کی روح معلوم ہوتی تھی اور خوفناک نظر آتی تھی۔

اسوقت یعنی شعر و جمال کی اس جذبہ انگیز ساعت مین میرے قلب مین بعض فلسفیانہ خیالات پیدا ہوئے جن کو مین اس موقع پر لکھتا ہون، مین نے اپنے دل مین کہا کہ

ہم چرکسون کی چھوٹی سی جماعت کے جُدا ہوجانے اور قومی تحریک مین اُس کے شریک نہ ہونے سے کیون غضبناک ہین کیا ہم مین سے ایک شخص بھی ایسا نہین ہے جو اُس کو اس امر کا اطمینان دلائے کہ ہمارے ملک مین اُسکو حکومت دینے کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ محض لغو اور بیہودہ ہے کیا ہماری جماعت مین چرکسی لوگ شامل نہین ہین جو وطنی جدوجہد مین پوری قوت سے کام کر رہے ہین اور وطن کی راہ مین قربانی دینے والے لوگون کی پہلی صف مین داخل ہین پھر یہ کہ دشمنان وطن کی صفون مین کیا ہمارے بعض وطن فروش واحسان فراموش ترک بھائی شریک نہین ہین، ہمارے یہ بھائی اپنے

ہاتھوں سے ہمارا خون بہا رہے ہیں حالانکہ کبھی اُن میں بھی وطن پرستی کے جذبات اور ملکی خدمات کا شوق تھا، اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ اُنھوں نے ہمارے پہلو بہ پہلو ملک کی حفاظت کے لئے جنگ کی تھی اور اپنی شجاعت و بسالت اور وطن پرستی کا ثبوت دیا تھا اسی طرح بہت سے بڑے بڑے پاشا تھے جنھوں نے ملک کے لئے بہت سے مواقع پر جنگیں کی تھیں اور مدافعتِ حقوق کے لئے دشمنوں سے نبرد آزما ہوئے تھے لیکن پھر وہ قوم سے جدا ہو گئے اور دشمنوں سے جا ملے اور سیکڑوں برس سے ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔

اُس خوبصورت پیارے نقشوں کی روح نے جسکو میں نے سبز جنگلے سے پشت لگائے چاند کی روشنی میں کھڑے دیکھا تھا اور جو کبھی نظروں سے غائب ہو جاتی تھی اور کبھی سامنے آجاتی تھی اور اُس دُبلے پتلے آدمی نے جسکو میں نے سرخ غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر جاتے دیکھا تھا میرے قلب کو ملکی محبت سے بھر دیا تھا یہاں تک کہ میرے دل میں بے اختیار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش قدرت نے مجھے بھی ایسے مضبوط بازو دئے ہوتے کہ میں اُن سے کام لیتا اور اپنے خوبصورت بھائیوں کی صفوں میں شامل ہو کر دشمنوں سے لڑتا اور اپنا خون بہاتا اور اُس روز جبکہ قوم کے بہی خواہ اور وطن پرست قفقاز کی پہاڑیوں کے اوپر وطن کی بنیاد رکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور اُن اقوام کی تقلید کی تھی جنھوں نے غاصبوں سے اپنے حقوق کو واپس لیا تھا میں بھی اُن کے ہمراہ اور اُن کے کاموں میں شریک ہوتا۔

جب میں ان خیالات و افکار سے چونکا تو میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور گانوں کی طرف بڑھا اور ارادہ کیا کہ سرخ گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ کو طے کر کے اُس مکان تک پہنچوں جو سرِ راہ واقع تھا کہ یکایک میں نے شادلیش محمد کو مضطرب لہجہ میں یہ کہتے ہوئے سُنا

دوست پیامی کہاں جا رہے ہو کیا تمھاری عقل جاتی رہی ہے۔

میں نے شادلیش محمد کے الفاظ کو سُنا بھی نہیں اور برابر گانوں کی طرف بڑھا چلا گیا، خاموشی چھائی ہوئی تھی اور بجز گھوڑے کے قدموں کی آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی آخر میں اور شادلیش محمد دونوں گانوں میں داخل ہوئے، گانوں کی گلیاں اسوقت بالکل سنسان تھیں اور زندگی کی کوئی علامت بجز کتوں کے بھونکنے کی آواز کے نظر نہ آتی تھی، گانوں کی گلیوں سے گذر کر ہم ایک وسیع میدان میں پہنچے جہاں گانوں کی مسجد تھی، یہاں پہنچکر میں نے دیکھا کہ گانوں کے بعض مکانات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، چاند پھر بدلی میں آگیا اور ہم تاریکی میں گھوڑوں پر سوار برابر آگے بڑھتے رہے۔ ہم محسوس کر رہے تھے

کہ گویا ہم چٹیل میدان میں چل رہے ہیں لیکن تاریکی میں ادہر اُدہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ابر کے ٹکڑے فضا میں چکر لگا رہے تھے اور زمین سے بہت قریب آگئے تھے۔ تھوڑی ہی دور ہم گئے ہونگے کہ ہمارے ہاتھوں اور چہروں پر چند قطرے ٹھنڈے پانی کے گرے اسوقت میں بالکل محو خیال تھا نہ کسی چیز کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا اور نہ میرے کانوں میں کوئی آواز آتی تھی یکایک شادیش محمد نے گھوڑے کو روک لیا اور فوراً گھوڑے کی پشت سے زمین پر کود پڑا میں نے بھی مجبوراً یہی کیا اور بغیر اس امر کو معلوم کئے کہ شادیش محمد گھوڑے سے کیوں اُتر پڑا ہے میں بھی گھوڑے سے نیچے اُتر آیا نہیں معلوم شادیش محمد نے اس تاریکی میں جو موت کی سی سکنت و خاموشی رکھتی تھی کیا محسوس کیا تھا، پھر فوراً ہم نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور مٹی کے ایک تودے کے پیچھے جو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی پتھر زمین پر سو رہا ہے چھپ گئے اور پھر آنکھوں کی پوری قوت سے ادہر اُدہر دیکھنے لگے۔ میں نے پہاڑ کے دامن میں ایک سیاہ چیز کو دیکھا جو آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ پھر میں نے کسی کو بلند آواز میں یہ کہتے ہوئے سُنا۔

یہاں کون ہے

اس آواز نے میرے دلمیں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اس متحرک اور گہری تاریکی میں کوئی فوج ہے پھر یہ محسوس کر کے میں ڈر گیا کہ کہیں شادیش محمد میرے قلب کی دھڑکن کو نہ سُن لے فوراً میں نے اپنے آپکو سنبھالا اور مصنوعی شجاعت اور گلوگیر آواز سے کہا۔

اور تم... تم کون ہو؟ خبردار قدم آگے نہ بڑھانا ورنہ ہم تم پر فائر کر دینگے، میری آواز سُنتے ہی اُس گہری تاریکی کا ایک حصہ جُدا ہوا اور تیزی سے ہماری جانب بڑھا اور کسی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا فوراً جواب دو تم کون ہو... ورنہ میں گولی مار دونگا۔

یہ الفاظ ختم نہ ہوئے تھے کہ میں نے سرعت و اضطراب کے ساتھ بندوق کو سنبھالا لیکن شادیش محمد نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بندوق کو میرے ہاتھ سے لے لیا گویا اُس کو اس امر کا اطمینان ہو گیا ہے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پھر اُسنے کہا۔

ہم دو مسافر ہیں۔

ان الفاظ کے جواب میں یہ آواز آئی۔

اچھا اُٹھو اور ادھر آؤ۔

فوراً ہم مٹی کے تودے کے پیچھے سے نکلے اور آواز کی طرف بڑھے جب ہم اس بڑی شکل کے قریب پہنچے جو متحرک تاریکی میں آگے بڑھتی نظر آتی تھی تو ہم نے دیکھا کہ ایک دراز قد شخص کھڑا ہے جس کے سر پر ٹوپی ہے ہم کو دیکھکر اُسنے کہا۔

برادران تم کہاں سے آرہے ہو۔

ہم نے کہا۔ کیوہ سے۔

شخص۔ کیا تم لوگ قومی تحریک میں شامل ہو۔

فوراً شاد بیش محمد آگے بڑھا اور کہا۔ جی ہاں جناب والا۔

شخص۔ تعجب ہے۔ . . . کیا تمھارا نام شاد بیش محمد ہے۔

شاد بیش۔ جناب بک ہاں میرا نام شاد بیش محمد ہے۔

شاد بیش محمد کے آخری لفظ سُنکر یہ دراز قد شخص غور سے دیکھتا ہوا میری جانب بڑھا اور گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملاکر کہا۔

اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے میں آپ کو دشمن سمجھا تھا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنی شخصیت سے آگاہ فرماکر مجھے معزز فرمائیں۔

میں۔ مجھ کو بیامی کہتے ہیں۔

شخص۔ اور میں "یوزباشی صفوت" ہوں۔

صفوت کے الفاظ سُنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور کہا۔

صفوت بک تم نے تو ہم کو ڈرا دیا۔ ہم واقعہ یہ ہے کہ بہت خوفزدہ تھے اور قریب تھا کہ تم اُن دونوں آدمیوں کو مار ڈالتے جو تم کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

صفوت بک۔ غالباً آپ استنبول کے رہنے والے ہیں۔

میں نے صفوت بک کو بتلایا کہ مجھ کو احسان نے تمھارے پاس بھیجا ہے اور پھر وہ غرض بیان کی جس کے لئے ہم نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ صفوت بک نے میرے بیان کو سُنکر کہا۔

میں بھی ایک ہفتہ سے اسی معاملہ میں سرگرداں ہوں اور سامان جنگ کو پہنچانیکی فکر کر رہا ہوں

اچھا اب چلیئے راستہ مین باتین ہونگی اور آج رات ہم ایکزجہ مین مہمان ہونگے۔
شاد بخش محمد۔ کہا جاتا ہو کہ ایکزجہ ہمارے لئے خطرے سے خالی نہین ہو۔
صفوت بک۔ ایکزجہ مین ہمارے آدمی موجود ہین اس لئے ہم کو کسی خطرہ کی پروا نہین ہو۔
اس چھوٹے سے چرکسی گانون مین پہنچکر ہم تمام لوگون کی موجودگی کا حال معلوم کرکے مین بچون کی مانند خوش ہوگیا، صفوت بک ہم کو گانون کے وسط مین ایک صاف ستھرے مکان مین لے گیا اور مالک مکان نے ہمارا استقبال کیا، مکان کا مالک ایک ادھیڑ شخص تھا جس کی ڈاڑھی سیاہ تھی اور چہرہ سے سنگدلی و شقاوت ٹپکتی تھی اسوقت یہ چرکسی لباس پہنے ہوئے تھا۔
جب ہم روشنی مین پہنچے تو مین نے صفوت بک کو غور سے دیکھا جس کے سر پر سیاہ لمبی ٹوپی تھی اور جسم پر خاکی رنگ کا شکاری کوٹ۔ کوٹ کے نیچے خاکی قمیص تھی اور سرخ بنگالی قمیص پر باندھے تھا صفوت بک کے جسم اور ظاہری صورت سے ہرگز اس امر کا گمان نہین ہوسکتا تھا کہ یہ شخص پہاڑون کی چوٹیون پر کسی شورش پسند جماعت کی رہنمائی و قیادت کرتا ہوگا اس کی آنکھین زرد تھین جو معمولی سی معمولی چیزون کو دیکھتی تھین اور اس کے سفید دانت تبسم کے وقت ہمیشہ نمایان ہوجاتے تھے جب صفوت بک نے میرے سامنے سگرٹ کی ڈبیا پیش کی تو مین نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کے ناخن نہایت صاف ستھرے اور باقاعدہ ترشے ہوئے ہین اور بلور کی طرح چمک رہے ہین مختصر یہ کہ یہ نوجوان افسر جسنے روسی باغی جماعتون کی نیند حرام کردی تھی اور جس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس کی ایک گولی بھی ضائع نہین جاتی اور وہ بے فائدہ ایک گولی بھی نہین چلاتا ایک ایسے امیر کی طرح زندگی بسر کرتا تھا جو جنگل مین سیر و تفریح کے لئے نکل گیا ہو لیکن صفوت بک کا کھیل کوئی معمولی کھیل نہ تھا بلکہ اس کا کھیل شورش، اور آزادی کی واپسی کی جدوجہد پر مبنی تھا۔
کمرہ کے اندر پہنچکر صفوت بک نے مجھ سے کہا کل شام کو تم سامان جنگ اور ہتھیارون کو لے کر روانہ ہوجاؤ لیکن سفر مین اس بات کا خیال رکھنا کہ دن کو کبھی سفر نہ کرنا رات بھر سامان کی گاڑیون کو بحفاظت تمام سفر کرنے دینا اور دن کو احتیاطاً اس سامان کو کہین چھپا کر ٹھہر جانا۔
مین نے دریافت کیا سامان کی کتنی گاڑیان ہونگی۔
صفوت بک نے جواب دیا تقریباً تیس گاڑیان۔

اس شخص نے مجھے حیرت میں ڈال دیا اور آج مجھے آدمیون کی قدر معلوم ہوئی اب سے چند روز پہلے میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ جب میں سخت جدوجہد کے بعد اسلحہ اور سامان جنگ کو لے کر کنیرہ پہنچون گا تو احسان کو راستہ کے سارے واقعات سناؤن گا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرونگا کہ اب مین اس قسم کے خطرات کی پروا نہیں کرتا پھر مین ان تمام واقعات کو لکھکر عائشہ کے پاس بھیجون گا اور مجھے اُمید ہے کہ عائشہ ان واقعات کو پڑھ کر میرے شاندار کارنامون پر اظہار فخر و مباہات کریگی لیکن صفوت بک سے ملاقات کے بعد میرے سارے ارادے فسخ ہو گئے اور میری آنکھین کھل گئین اور پھر مین نے کسی سے کچھ نہین کہا۔

صفوت بک نے میری لوح دل پر اپنی محبت کا نقش کندہ کر دیا اور مین نے ایسا محسوس کیا کہ گویا میری رُوح اس خاص کشش رکھنے والے شخص کی رُوح سے خوشہ چینی کر رہی ہو ہان اُس شخص کی رُوح سے جو خوفناک تاریکی مین موت کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا اور پھر اس حالت مین کہ اسکا ہاتھ تک حرکت نہ کرتا تھا اس حصّہ مین صفوت بک چارون طرف سے دشمنون مین گھرا ہوا تھا اور اُس کے ساتھ صرف دس پندرہ آدمی تھے لیکن کبھی اُس پر خوف و ہراس طاری نہین ہوا۔

دوسرے روز غروب آفتاب کے بعد چاند کی روشنی مین جب ہم ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو مین نے صفوت بک کی آنکھون پر نظر ڈالی اور اُسنے بھی مجھ سے آنکھین ملائین دونون اگرچہ خاموش تھے لیکن ہر ایک اپنے دل مین یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیے ہم مین سے کون پہلے دوسرے کی خبر شہادت سنتا ہے اس کے بعد گاڑیان روانہ ہو گئین اور رات بھر ہمکو گاڑیون کے پہیون اور بیلون کے قدمون کی آواز کے سوائے اور کوئی آواز سنائی نہین دی۔

ہمنے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ صبح کو ذخائر جنگ کے صندوقون کو گاڑیون سے اُتار کر کہین چھپا دیتے تھے اور پھر شام کو ان صندوقون کو اپنی پُشت پر لاد کر گاڑیون مین چڑھاتے تھے اور رات بھر سفر کرتے تھے پھر ہم راستون کو برابر بدلتے رہتے تھے اور تمام ضروری احتیاطی تدابیر پر نظر رکھتے تھے رات کو جب تاریکی دنیا پر چھا جاتی اور مین اور شادیش محمد دونون گاڑیون کے ادہر اُودہر چلتے ہوتے تو شادیش محمد مجھے آستانہ سے ذخائر اور اسلحہ کو اُڑا لانے کی ابتدائی داستان اناطولیہ کے لہجہ مین سُناتا اور مین حیرت و تعجب سے اس واقعہ کو پوری توجہ سے سُنتا تھا۔

۱۹ ر نومبر ۱۱۲۱ء

موضع "صاریلہ" کے قریب پہنچکر شادیش محمد سے ذخائر جنگ کو چھپا دینے کے مسئلہ پر طویل بحث و گفتگو ہوئی اور آخر باہمی مشورہ سے یہ قرار پایا کہ ذخیرہ جنگ کے صندوقون کو ایک خالی مواشی خانہ مین جو گاؤن کی پشت پر واقع تھا چھپا دیا جائے، یہ مواشی خانہ اوپر سے پٹا ہوا تھا اور اس کی دیوارون پر گھاس اور خاردار جھاڑیان پھیلی ہوئی تھین آخر ہمنے صندوقون کو چھپا دیا اور گاڑی والون سے کہا کہ وہ اپنی اپنی گاڑیون کو لے جائین اور رات مین واپس لے آئین۔

ان تمام امور سے فارغ ہوکر مین نے یہ ارادہ کیا کہ احسان کے لشکرگاہ کا پتہ لگاؤن کیونکہ ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ احسان نے اپنے لشکرگاہ کو تبدیل کر دیا ہے یا سابق مقام پر ہے اور پھر جب احسان مل جائے تو مین اسکو بتلاؤن کہ ہم سامان جنگ کو لے آئے ہین۔

یہ ارادہ کرکے مین نے قرار دیا کہ موضع صاریلہ سے تحقیقات شروع کرون اور وہان کے کاشتکارون سے دریافت کرون کہ ان کو احسان یا اس کے آدمیون کی کوئی خبر ہے چنانچہ مین اور شادیش محمد گھوڑون پر سوار ہوگئے اور زمین کو گھوڑون کی ٹاپون سے روندتے ہوئے صاریلہ کی طرف چلے اور ان گنجان بید کے درختون کے اندر پہنچے جو کبھی ہماری سیر و تفریح کا مرکز تھے، درختون کے اندر داخل ہوکر مجھ پر ایک عجیب غریب خود رفتگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی ان گنجان درختون مین جنھون نے مجھ پر یہ کیفیت طاری کی تھی اسوقت چند لطین (بطخین) بیٹھے کو زمین پر بیٹھی تھین ہم کو دیکھکر ان بطون نے بازو پھڑپھڑائے اور اڑ گئین، آج کا دن بہت گرم تھا اور گرد و غبار اڑ رہا تھا ان گنجان درختون کے اندر سے جب مین نے اُس مکان کو دیکھا جسکو عائشہ نے شفاخانہ بنا لیا تھا تو مین نے محسوس کیا کہ میرا دل دھڑک رہا ہے پھر میرے ذہن مین یہ تصور بندھا کہ عائشہ سفید کپڑے پہنے بالاخانہ پر کھڑی ہوا اور اب جبا لکر ہم کو دیکھنے والی ہو ابھی

تصور نے میرے خود فراموشی میں اضافہ کر دیا اور میں اس قدر غافل اور کھویا ہوا سا ہوگیا کہ گرد و پیش کی چیزیں تک بھی مجھے نظر نہ آتی تھیں اور نہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ گھوڑا مجھے کدھر لئے جا رہا ہے۔

چند قدم آگے بڑھ کر میری نظر ایک نوجوان لڑکی پر پڑی جسکو دیکھ کر خیال ہوا کہ میں نے اسکو کبھی پہلے بھی دیکھا ہے۔ یہ لڑکی کسی چیز کو گود میں لئے ہوئے بیٹھی درخت سے پشت لگائے ایسی ہیئت سے بیٹھی تھی جو دیہات کی عورتوں کی مرغوب ترین ہیئت ہے اور اس کی آنکھیں اُس مکان پر لگی ہوئی تھیں جسکو میں خود محویت کے ساتھ دیکھ رہا تھا، اس چھوٹی سی کسان کی لڑکی کی صورت اسوقت تک میری نگاہوں میں پھر رہی ہے وہ پاؤں کی انگلیوں پر خاموش درخت سے سہارا لگائے بیٹھی تھی اور اُس کے دونوں گھٹنے جن میں سرخ پاجامہ تھا کھڑے تھے، پاؤں اور اُن کی جلی اور پھٹی ہوئی انگلیوں کو وہ ایک عجیب انداز سے چھپائے ہوئے تھی کہنیاں گھٹنوں پر تھیں اور دونوں ہاتھوں سے اُسنے سر کو جس پر ایک سفید میلی پٹی بندھی ہوئی تھی سکوڑ رکھا تھا، اُس کے قریب پہنچکر میں نے کہا۔

کذبان تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

میرے الفاظ سنکر کذبان اس تیزی سے اٹھی گویا اُسکو کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا ہے اور میرے گھوڑے کے پاس پہنچکر اُس کی لگام کو پکڑ لیا، ابھی اُس واقعہ کو گذرے ہوئے پورا ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا جبکہ وہ ہم سے رخصت ہو کر گرد و غبار سے بھرے ہوئے راستہ پر احسان کے لئے روتی ہوئی واپس ہوئی تھی لیکن اس قلیل مدت نے کذبان میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی تھی، آج کذبان وہ چھوٹی سی لڑکی نہ تھی جو پہلے تھی بلکہ آج وہ ایک جوان عورت تھی جسکا قد بڑھ گیا تھا اور جسم میں شباب کی تر و تازگی پیدا ہوگئی تھی اُس کے جسم کو دیکھکر ایک ایسے بڑے اور گول پھل کا تصور بندھتا تھا جو پکنے کے قریب ہو اُس کے خوبصورت چہرے میں خاص لطافت اور نزاکت پیدا ہوگئی تھی مختصر یہ کہ آج اُس میں نسوانی روح کی وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک مرد کے قلب میں اثر پیدا کرنے کا خاص جوہر رکھتی ہیں۔

کذبان نے جس وقت مجھکو دیکھا اُس کی روح جسم سے سمٹ کر آنکھوں میں جمع ہوگئی گویا میری آواز نے اُس میں اُس نوجوان لڑکی کی روح پیدا کر دی جس سے احسان نے گذشتہ مہینے میں ایک خود مختار حاکم کی طرح گفتگو کی تھی اور وہ احسان کے سخت لب و لہجہ سے پگھل گئی تھی اور گردن جھکائے کانوں کو بند کئے ہوئے چلی گئی تھی، کذبان کو اسوقت احسان کی وہ آواز میری آواز سنکر یاد آگئی اور اُسنے مجھکو دیکھا

میرا خیال ہی کہ جناب تاما احسان نے آپکو بھیجا ہو اور مجھے طلب فرمایا ہے کیا ایسا نہین ہی؟ کل مین موضع "الک" کی طرف گئی تھی وہان ایک عورت نے مجھے بتلایا ہی کہ اب عورتین بھی سپاہ مین داخل ہونے لگی ہین۔

مین نے اس امر کو گوارا نہین کیا کہ امید کی جو چمک کزبان کی آنکھون مین پیدا ہو گئی ہی اُسکو بجھا دون چنانچہ مین نے امید افزا الفاظ مین کہا۔

کزبان انشاء اللہ کسی وقت ہم تمکو لشکرگاہ مین لے چلین گے اسوقت مین جناب تاما کے پاس سے نہین آرہا ہون اور اسوقت صرف یہ دریافت کرنے آیا ہون کہ لشکرگاہ یہان سے کہین قریب ہی واقع ہو یا کچھ دور ہی

کزبان نے جواب دیا "سنا جاتا ہی کہ لشکرگاہ "دوغان چائے" کے قریب کہین کسی مقام پر ہی لیکن خاص "دوغان چائے" مین نہین ہی"

اس کے بعد کزبان یا اس مسکین نوجوان لڑکی نے اپنا قصہ سنایا اور بیان کیا کہ کیونکر وہ دوغان چائے گئی (موضع صاریلر اور دوغان چائے کے درمیان چار گھنٹے کی مسافت ہی) اور وہان اُسنے کس طرح حیران پریشان احسان کو تلاش کیا اور پھر کیونکر وہ وہان سے موضع صاریلر کو واپس آئی۔ پھر اُسنے بیان کیا کہ جب وہ "دوغان چائے" سے واپس ہو کر صاریلر پہنچی تو اُس کی چچی نے اُس کو بہت مارا اس کے بعد اُسنے کہا کہ احسان کے ماتحت سپاہیون مین اُسکا بڑا بھائی بھی ہی اور ایسی حالت مین اُس کے سپاہیون کے ساتھ رہنے مین کوئی حرج نہین ہی۔ بہرحال وہ احسان کے ساتھ رہنے پر بہت مصر تھی۔ پھر اُسنے ظاہر کیا کہ جب احسان کی جماعت مین عورتین موجود ہین تو کیا وجہ ہی کہ مین اس جماعت مین شامل نہ ہون پھر اُسنے بیان کیا کہ جب سے اُسکا بڑا بھائی مجاہدین مین داخل ہوا ہے اُس کی چچی اُس پر ظلم و ستم کرتی اور مارتی پیٹتی رہتی ہی اور جب تک وہ خود اپنے ہاتھون سے کوئی کام نہ کرے اُسکو پیٹ بھر کھانا ملنا مشکل ہی اس کے بعد کہا کہ اب وہ بالکل تنہا ہی اور یہ چاہتی ہی کہ اُن دشمنون سے جنگ کرے جنھون نے اُس کے باپ کو مار ڈالا ہی اور اُسکو بھوکا ننگا چھوڑ دیا ہی۔

کزبان نے دونون ہاتھون سے میرے گھوڑے کی باگ پکڑلی اُسکا چھوٹا سا چہرہ زرد ہو گیا، اور اُس کی آنکھون مین خطرہ کی ایسی روشنی پیدا ہوئی جیسی کہ وحشی درندون کی آنکھون مین اُسوقت پیدا

ہوتی ہو جیسے وہ حملہ آور ہونے کے لئے اُچھلتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اسوقت کذبان اور عائشہ کے چہروں اُن کی سبز آنکھوں اور ٹھوڑیوں کے تناسب میں کامل مشابہت محسوس کی، صرف اتنا فرق پایا کہ کذبان کے مُنہ کا دہانہ بچوں کی مانند چھوٹا تھا جس سے اُس کی خوبیاں اور دلکشی ابتک واضح نہیں ہوئی تھی عائشہ کے ہونٹ بڑے بڑے تھے جن کے کھلنے پر ایک بے مثل گلاب کی سی سرخی پھوٹ نکلتی تھی لیکن وہ سبز چمک جو بجلی کی طرح سیاہ آنکھوں کے حلقوں میں کوندتی رہتی تھی اور اُس کے آتشین شعلوں سے حرص و خطرہ کے معانی واضح ہوتے تھے، اس اناطولی نوجوان لڑکی کذبان کی آنکھوں کے ساتھ مخصوص تھی اور اس کے مقابلہ میں عائشہ کی آنکھیں ایک ایسی روح کا پتہ دیتی تھیں جو کامل تجربہ کار، خطرات سے بے خوف اور نہایت گہری نظر رکھنے والی ہو۔ کذبان سے جب مجھے لشکرگاہ کے حالات معلوم ہوگئے تو میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُس کو اُن مصائب آلام میں پڑا چھوڑ دوں جو اُسکو گھیرے ہوئے تھے لیکن میں کیا کرسکتا تھا، میری حالت خود ایسی تھی کہ میں احسان سے ڈرتا تھا، اور اسی وجہ سے میں اُس کو ساتھ لیجانے کی جسارت نہ کرسکا۔

میں اور کذبان اسی قسم کی باتوں میں مشغول تھے کہ میں نے درختوں کے درمیان ایک کریہہ آواز سنی یہ آواز ایک غضبناک عورت کی تھی جو کذبان کو بلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

بے حیا خدا تجھ پر بلا نازل کرے، سپاہیوں میں تیرا کیا کام ہے۔

کذبان نے گھبرا کر جواب دیا "ابھی میں آرہی ہوں" اور پھر مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تھوڑی دیر آپ میرا انتظار کیجئے کیا یہ ممکن ہے؟"

کذبان کا نظروں سے غائب ہونا تھا کہ میں نے گھوڑے کی باگ موڑی اور شادلش محمد سے کہا۔

کذبان کے واپس آنے سے پہلے میں دوغان چیائے جانا چاہتا ہوں اگر مجھے لشکرگاہ کا پتہ چل گیا تو میں ایک آدمی کو تمھارے پاس بھیجدونگا جو لشکرگاہ تک تم کو لیجائے گا اور یہ امر ضروری ہو کہ تم اس لڑکی کے واپس آنے سے قبل اس جگہ کو چھوڑ دو کیونکہ اگر یہ لڑکی ہمارے ساتھ ہولی اور لشکرگاہ تک پہنچ گئی تو ہم جناب قائد کے مورد عتاب ہونگے۔

شادلش محمد کے جواب کا انتظار کئے بغیر میں نے گھوڑے کو ایڑ دی اور روانہ ہوگیا لیکن مجھے اب تک وہ حالت یاد ہو جو میری روانگی کے وقت شادلش محمد کی تھی اُس کی آنکھیں خون کبوتر تھیں

ہوئی تھیں اور وہ اس طرح ہانپ رہا تھا جس طرح گھوڑا سرپٹ دوڑنے کے بعد ہانپتا ہے۔ مختصر یہ کہ میں لشکر گاہ
میں پہنچ گیا، لشکر گاہ ایک موضع کے جو "دوغان جایسے" کے قریب تھا گنجان درختوں میں واقع تھا،
لشکر گاہ میں داخل ہونے پر مجھے بتلایا گیا کہ احسان ایک دستہ سپاہ کو لے کر گیا ہے اور شکستہ راستے کا کونا
میں دشمن سے لڑ رہا ہے لشکر گاہ میں میں نے دیکھا کہ باقاعدہ سپاہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور رفقہ
قبیل کی تعداد سے اس میں معقول اضافہ ہو گیا ہے۔ باقاعدہ سپاہ جو روز بروز بڑھ رہی تھی ہر جگہ بے قاعدہ
جماعتوں سے اس کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اور اس علاقہ میں بھی اس کے جوہر نمایاں نظر آتے تھے جس
طرح بچہ انڈے سے نکلتا اور پھر ہوشیار ہو جاتا ہے اسی طرح میں نے شورش کی باقاعدہ سپاہ کو دیکھا
جو قدیم ترکی سپاہ کے ساتھ بتدریج میدان عمل میں بڑھ رہی تھی اور فوجی کاموں میں حصہ لے رہی تھی
لیکن یہ جدید سپاہ قدیم ترکی سپاہ سے زیادہ پرجوش اور قومیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔

ہم متوقع تھے کہ احسان کل واپس آ جائیگا اس بنا پر میری یہ خواہش تھی کہ ذخیرۂ جنگ کل
ظہر کے وقت تک آ جائے، رات کو میں صرف تین گھنٹہ سویا اور شفق کے نمایاں ہونے پر گھوڑے پر
سوار ہوا اور ذخیرۂ جنگ کو لانے کے لئے دوغان جایسے کی طرف روانہ ہوا، دوپہر کے وقت گاڑیاں
آتی ہوئی نظر آئیں جن کے آگے آگے شادلیش محمد تھا، گاڑی والوں میں میں نے ایک لڑکے کو بھی
دیکھا جس میں شباب کی تر و تازگی نمایاں تھی وہ اگرچہ بہت دور تھا لیکن میری نظروں کو اس نے اپنی
طرف متوجہ کر لیا تھا، یہ لڑکا کھال کا ایک پرانا کوٹ پہنے ہوئے تھا جو اس کے جسم سے کسی قدر ڈھیلا
تھا پاؤں میں دیہاتی پائجامہ سیاہ رنگ کا تھا اور وہ بندوق کو عمدگی کے ساتھ نہیں اٹھا سکتا تھا مجھے
خیال ہوا کہ چونکہ ابھی نوجوان ہے اور بندوق اٹھانے کا پہلا موقع ہے اس لئے ایسا ہونا ممکن ہے پھر
مجھے یاد آیا کہ اس لڑکے کو میں نے کہیں دیکھا ہے لیکن یہ یاد نہ آتا تھا کہ کہاں دیکھا ہے۔

تھوڑی دیر میں شادلیش محمد میرے قریب پہنچ گیا اضطراب کے آثار اور خطرہ کی علامتیں اس کے
چہرے سے نمایاں تھیں اور وہ کچھ خود رفتہ سا معلوم ہوتا تھا آخر ہم دونوں آگے بڑھے، راستہ بھر شادلیش
محمد اس قسم کی باتیں کرتا رہا کہ اناطولیہ کی شورش کی دوسری جماعتوں میں عورتیں کام کر رہی ہیں پھر
اس نے اپنے خاص لب لہجہ اور اصطلاح میں بیان کیا کہ بلغاریہ کی وطنی جدوجہد کی جماعتوں میں
عورتیں بھی حصہ لیتی ہیں اور پھر مشہور ترکی خاتون شادلیشہ (سارجنٹ) رحیمہ جو شہید ہو چکی تھی شادلیش

عائشہ اور شادلیشہ عطیہ کے حالات سنائے جو دشمنوں سے لڑ رہی تھیں اور اُن کی زندگی کے بعض اہم و خطرناک واقعات بتلائے شادلیش محمد نہایت فصاحت سے ان واقعات و حالات کو بیان کر رہا تھا اور میں پوری توجہ سے سُن رہا تھا لیکن اُسوقت مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عورتوں کے اس تذکرہ سے شادلیش محمد کی کیا غرض ہے البتہ بعد کو اس کا راز کھلا۔ جب احسان واپس آیا تو دیکھا گیا کہ اُس کے چہرہ پر شکستگی و سختی کے جو آثار نمایاں رہتے تھے وہ اب نہیں ہیں اُسکا شگفتہ چہرہ آج پژمردہ نظر آتا تھا اور آنکھوں میں بجلی کی سی چمک تھی، میں اور شادلیش محمد جب ذخائر جنگ کے آجانے کی خبر دینے کے لئے اُس کے پاس پہنچے تو اُسنے ہم کو ناآشنا اور اجنبی نگاہوں سے دیکھا اور باوجودیکہ میں نے اُس کے ہاتھ پر پٹی بندھی دیکھی جو اس امر کا ثبوت تھا کہ وہ مجروح ہے لیکن میں اُس سے گفتگو کی جرأت نہ کر سکا، اول اول تو میں نے یہ خیال کیا کہ احسان کی نگاہوں میں جو بے توجہی شادلیش محمد کی جانب سے پائی جاتی ہے وہ صرف شادلیش محمد کے ساتھ مخصوص ہے لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ احسان کی یہ بے توجہی اُن تمام لوگوں سے ہے جو اس نوع میں داخل ہیں جس سے شادلیش محمد کا تعلق ہے احسان کی روح اور قلب میں اُن تمام لوگوں سے جو غیر منتظم اور بے قاعدہ فوج سے تعلق رکھتے تھے غیظ و غضب بھرا ہوا تھا اور ان لوگوں سے وہ بہت جلتا تھا اُس کی روح کا یہ غیظ و غضب اور اُس کے قلب کی یہ نفرت اُس کی آنکھوں سے صاف نمایاں تھی اور وہ بے قاعدہ سپاہ یا متفرق و غیر منتظم جماعتوں کو ایک آنکھ دیکھنے کا روادار نہ تھا۔

غیر منتظم جماعتوں کے افراد کی نسبت جو باوجود کثرت جرائم و تقصیرات کے صاف باطن اور نمائش سے بے پروا تھے، احسان کی روح نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اُس کی آنکھوں سے نمایاں تھا گویا وہ زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا "اب وہ دن قریب آگیا ہے جبکہ ہم ان تمام غیر منتظم جماعتوں کا خاتمہ کر دیں گے"۔

احسان نہیں معلوم کن خیالات میں محو بیٹھا ہوا تھا کہ اُس سے شادلیش محمد نے کہا۔

موضع صارلیسے جو یہاں سے قریب ہی واقع ہے ایک شخص میرے ساتھ آیا ہے اور رضاکاروں میں داخل ہونے کی خواہش رکھتا ہے اُس کے متعلق آپکا کیا حکم ہے۔

احسان نے صحیح و سالم ہاتھ کو میز کی طرف بڑھایا اور جو پستول اُسپر رکھا ہوا تھا اُس سے شغل کرتے ہوئے بے توجہی سے شادلیش محمد کی طرف دیکھا اور کہا۔

اگر وہ شخص عورت اور کم سن بچہ نہ ہو تو اُسکو رضاکاروں میں داخل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ہم

اُس کو مجسٹریٹ کے پاس لیجاؤ۔ وہ اُسکا نام درج رجسٹر کرلیں گے۔"

مین نے دیکھا کہ وہ سُرخی جو شاد بخش محمد کی آنکھون مین پائی جاتی تھی احسان کے الفاظ سنکر اُسمین چھپا ہوگیا اور اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اپنے دلمین مین نے کہا کہ یہ صرف احسان کی روش کے بدلجانے کا نتیجہ ہے کیونکہ شاد بخش محمد جیسے لوگ جو اپنے افسرون سے بے پروا رہنے کے عادی ہوچکے ہین اور جو افسرون کو بھائیون کے مانند خیال کرتے ہین اب اُن سے اس کی توقع فضول ہے کہ وہ باقاعدہ فوجی نظام کے ماتحت آکر افسرون کی اطاعت کے خوگر ہوسکین گے۔

شاد بخش محمد کے چلے جانے کے بعد مین نے احسان کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لیا اسوقت وہ میز پر جھکا ہوا کچھ لکھ رہا تھا میری طرف دیکھکر وہ مسکرایا اور کہا۔

کل ہم نے ایک متمرد اور سرکش گاؤن کی کافی سرکوبی کردی ہے اور یہ تادیب و سرکوبی بعضل عنایات سے بے ضابطہ جماعتون کے طریقہ پر تھی لیکن جب ہم فوجی روح کو جو ہر ایک حکم کی اطاعت کی بنیاد پر قائم ہوگی کافی مضبوط بنالین گے تو مین ان لوگون کو جن مین اشتراکیت کا جذبہ عام ہوگیا ہے اور جو ہمارے احکام کو تمرد و سرکشی سے ٹال دیتے ہین ایک ایسے مرکز پر لے آؤنگا جہان سے وہ ہٹ نہ سکین گے اور پھر اُن کو ایسا سبق دونگا جو دوسرون کے لئے عبرت کا موجب ہوگا۔

احسان کے جواب مین مین یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان لوگون کی حالت جندرمہ (فوجی پولس) کے سپاہیون سے بُری نہین ہے جو طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے ہین لیکن احسان نے مجھے اسکا موقع نہین دیا اور میری طرف ایسی نظر سے دیکھا جس سے استہزا کے معنی پیدا ہوتے تھے پھر اُسنے اس طرح سر کو حرکت دی جس سے خوفناک مفہوم ظاہر ہوتا تھا۔

رات بھر مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری رہی اور مین ایک لمحہ کے لئے بھی نیند کا لطف نہ اُٹھا سکا، میرا خیمہ احسان کے خیمہ کے قریب ہی تھا رات کو ہم نے ساتھ چائے پی اور وہ دردناک الفاظ مین آستانہ کو یاد کیا لیکن احسان نے اپنے متعلق جو باتین کین وہ تسکینِ قلب کا پہلو لئے ہوئے تھین اور غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ مین نے احسان کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔

مین ہمیشہ سے فوجی آدمی رہا ہون جس طرح مجھ مین پہلے فوجی روح تھی اب بھی ہے مین ایک زمانہ مین سادہ مزاج نوجوان تھا پھر یورپین معاشرت اور تہذیب و تمدن کا دلدادہ ہوا اور اب بھی عجائبات

تمدن اور خوبصورت چیزین مجھے مرغوب و محبوب ہین اور ہمیشہ رہین گی لیکن اب ہم ان چیزون سے دُور جا پڑے ہین اسوقت میری رائے یہ ہو کہ ہم صرف اُن لوگون سے لڑنے ہی پر قناعت نہ کرین جو وسط اناطولیہ سے ادہر آئین کیونکہ یہ ملک و وطن کی مدافعت کے لئے کافی نہین ہو بلکہ ہمارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ ہم صاحب مملکت و سلطنت بھی ہون جس طرح ہمارے دشمن مالک تخت و تاج اور صاحب ملک و حکومت ہین اسوقت تک ہم افراد قوم سے اس طرح جدا ہو رہے ہین جس طرح پانی تیل سے جدا رہتا ہے لیکن اب ہمارا یہ فرض ہو کہ ہم افراد قوم سے متحد ہو جائین سیامی عنقریب تم دیکھو گے کہ جو سپاہ ہم تیار کر رہے ہین وہ قوم کو ملک کا حقیقی مالک بنا دیگی۔

مین نے اس کے جواب مین کہا۔ احسان! ابھی ان خیالات کے اظہار کا وقت نہین ہو پہلے ہم کو سمرنا پہونچنا چاہیے کیا تمہارے لئے کافی نہین ہو؟

احسان۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جن خیالات کی کھچڑی میرے دماغ مین بہت دنون سے پک رہی ہے آجکی رات مین اُن کا خاکہ کھینچ دون تاکہ میرے مافی الضمیر سے لوگون کو آگاہی ہو جائے، سیامی وہ قصہ یہ ہے کہ صرف سمرنا کی واپسی ہمارے لئے کافی نہین ہو بلکہ اپنے سارے ملک کو دشمنون سے پاک کرنا ہمارا فرض ہو۔ مین نے جب کبھی عائشہ سے اس موضوع پر گفتگو کی تو ہمیشہ اُسنے مجھ سے سمرنا کی سرسبزی و شادابی اور رونق و خوبی کا ذکر کیا مختصر یہ کہ مین نے اور عائشہ نے اس امر پر اتفاق رائے کر لیا ہے کہ جب ہم یونانیون کو سمرنا سے نکال دین گے اور ترکی سپاہ اناطولیہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک آباد کر لے گی تو ہم سمرنا مین اقامت اختیار کر لین گے اور پھر کبھی آستانہ، نہ جائین گے۔

مین۔ احسان! میرے خیال مین تم سے آستانہ نہین چھوٹ سکتا۔

احسان۔ سیامی! تم دیکھ لوگے اور تم بھی تو ہمارے ساتھ ہی سمرنا چلو گے ہم وہان تمھارے لئے زراعت کا دوبارہ شروع کرا دین گے، کیون کیا میرا خیال غلط ہو۔

ان دنون یہ افواہ گرم تھی کہ یونانیون کے ایک عام فوجی حملہ کا امکان پایا جاتا ہے۔ ادہر تو یہ افواہ اُڑ رہی تھی اور اُدہر باقاعدہ ترکی سپاہ اور بے قاعدہ جماعتون کے درمیان آویزش شروع ہو گئی تھی اور یہ اختلاف روز بروز بڑھ رہا تھا غرض یہ ایسا نازک وقت تھا کہ ہم ہزارون اندرونی و بیرونی مصائب مین گھرے ہوئے تھے اور پھر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اناطولیہ کی باقاعدہ سپاہ کی طاقت محدود تھی

لیکن باین ہمہ مشکلات و مصائب احسان ایک ایسے نوجوان کی طرح گفتگو کرتا تھا جو آیندہ زمانہ کی سپاہ کی فوجی کمیٹی کا رکن ہو ہان اُس سپاہ کی فوجی کمیٹی کا رکن جو عنقریب صاف وشفاف آبشار کی مانند پہاڑ سے اُترے گی اور پوری قوت و جوش کے ساتھ اُن تمام خطرات و مصائب کو بہا لیجائیگی جو اُس کی راہ مین حائل ہونگے۔ احسان شاید اکثر عائشہ کے خیال مین محو رہتا تھا اور اپنی خیالی دنیا مین یہ محسوس کرتا تھا کہ سبز آنکھون والی عائشہ اُس کے سامنے کھڑی ہو اسوقت بھی مجھ سے گفتگو ختم کردینے کے بعد اُسکی محویت کا یہی عالم تھا، اُس کی آنکھون سے محویت و استغراق کے آثار نمایان تھے اور اُس کا چہرہ سُرخ ہوگیا تھا اور وہ اس طرح فکر مین محو و بیخود تھا جس طرح وہ شخص فکرمند ہوتا ہے جو بخار مین مبتلا ہو جب مین نے احسان کی یہ حالت دیکھی تو اپنے خیمہ مین چلا آیا خیمہ مین داخل ہوکر میری عجیب حالت ہوگئی رقت مجھ پر طاری تھی اور بچون کا سا خوف و مایوسی مجھ پر محیط۔ احسان کے دل و دماغ مین جو خوش آیند خیالات پیدا ہوتے تھے وہ اگرچہ قبل از وقت تھے لیکن انھون نے مجھ مین رد عمل کا اثر پیدا کیا تھا اور میرے قلب مین بُرے بُرے خیالات و اوہام پیدا ہوتے تھے۔

خیمہ مین پہنچکر فرش پر پڑے پڑے مین انھین خیالات مین دیر تک محو رہا اور پھر یہ خیال کرکے کہ آجکی رات مجھے نیند نہ آئے گی مین بستر سے اُٹھنے ہی والا تھا کہ قریب کے خیمہ سے مین نے احسان کی آواز سنی جس سے بظاہر غصہ ٹپکتا تھا لیکن نرمی اور ضعف کا نغمہ بھی پیدا تھا وہ کہہ رہا تھا "تم یہان کس چیز کو ڈھونڈ رہی ہو؟"

یہ جملہ سُنکر مین فوراً بستر سے اُٹھ بیٹھا اور تاریکی مین ٹھیکر احسان اور اُس کے مخاطب کی باتین سُننے لگا۔ مین نے ایک نرم و نازک اور دلکش آواز سنی جو ایک ایسی لڑکی کی آواز سے مشابہ تھی جو رو رہی ہو احسان کی آواز اب نہایت کمزور ہوگئی تھی اور جب وہ کچھ کہتا تھا تو لڑکی کے رونے کی آواز مین بالحزن والم کا اضافہ ہوجاتا تھا اس حالت نے مجھے مضطرب بنادیا اور مین نے اپنے دل مین کہا یہ عورت یا لڑکی کون ہوسکتی ہو، بہرحال وہ کوئی ہو احسان کی بلا اجازت یا بلا علم اُس کے خیمہ مین داخل ہوگئی ہے اور احسان شروع مین تو اُس پر غصہ ہوا ہے اور اُس سے سخت لہجہ مین گفتگو کی ہو اور پھر اپنے آپ پر قابو حاصل کرکے نرم پڑ گیا ہے اور اُس کی آواز مین نرمی پیدا ہوگئی ہو اور اب اُسکو اخلاق و مہربانی کے ساتھ خیمہ سے باہر نکال دینے کی کوشش کر رہا ہے معاً میرے دل مین کذبان کا خیال آیا لیکن پھر مین نے

یہ رائے قائم کی کہ وہاں نہیں ہے کیونکہ وہ لشکر گاہ میں موجود نہ تھی۔

اسوقت میں حیران و پریشان تھا اور غور کر رہا تھا کہ یہ غیر متوقع نزاع عشق و محبت جو میرے پہلو میں ہو رہا ہے آخر کیسا نزاع ہے مثلاً میری آنکھوں میں عائشہ کی سبز آنکھیں پھرنے لگیں اور میں نے محسوس کیا کہ اس تاریکی میں اس کی آنکھیں چمک رہی ہیں، میں اسی خیال میں محو تھا کہ احسان کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا۔

غریب چھوٹی سی عائشہ، مسکین چھوٹی عائشہ اپنی آنکھیں کھولو ہاں عائشہ اب گریہ وزاری ختم کرو۔

یہ الفاظ سنکر میں نے اپنے دل میں کہا یہ خیمہ کے اندر احسان کی کوئی معشوقہ ہے جسکا نام عائشہ ہے وہ رات کی تاریکی میں دوغان چائے سے آئی ہے اور خیموں کے پہرہ دار کی آنکھ بچا کر احسان کے خیمہ میں داخل ہو گئی ہے اور اس کو عاجزی و خوشامد سے راضی کر رہی ہے اس حقیقت نے مجھے مسرور بنانے کے بجائے مضطرب بنا دیا فوراً میں یہ محسوس کرتا ہوا کہ میرا دم گھٹا جاتا ہے خیمہ سے باہر نکلا اور ان درختوں کو جو سامنے کھڑے تھے دیکھنے لگا اسوقت سکون چھایا ہوا تھا تاریکی دنیا کو گھیرے ہوئے تھی آسمان ابر آلود تھا گرم ہوا چل رہی تھی اور نسیم ساکن تھی، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس خاموشی اور تاریکی کے عالم میں کیونکر میں یہ محسوس کر سکا کہ میرے قریب ایک شخص کھڑا ہے فوراً میں نے جیب سے دیاسلائی کو نکال کر جلایا اور اس کی روشنی میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہاتھ میں ایک لمبی بندوق لئے ہوئے کھڑا تھا یہ شخص احسان کے خیمہ سے تقریباً تیس قدم کے فاصلہ پر ہوگا وہ بے فکری کے ساتھ بندوق سے شغل کر رہا تھا لیکن اس کے کان احسان کے خیمہ کی طرف لگے ہوئے تھے اور خیمہ میں جو گفتگو ہو رہی تھی وہ اسکو پوری توجہ سے سن رہا تھا جسوقت میں نے دیاسلائی کو جلایا ہے اس شخص کا چہرہ میری جانب تھا میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرہ پر کسی حادثہ سے تاثر اور غم و غصہ کی ایسی علامتیں نمایاں ہیں جن کی تفصیل کے لئے ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے، یہ شخص شادیش محمد تھا، شادیش محمد کو دیکھ کر میں ساری حقیقت سے آگاہ ہو گیا اپنی عمر میں میرے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے بجلی کی سی تیزی کے مانند ایک فیصلہ کیا تھا، میں آہستہ آہستہ شادیش محمد کی طرف بڑھا اور اپنے طبعی لہجہ میں بے پروائی کے ساتھ کہا۔ شادیش محمد کیا کر رہے ہو؟

شادیش محمد۔ پیاسا یک کیا تم ہو۔

کذبان - ہاں مین بھی جاگتی ہوں۔

ہماری یہ بات کسی طرح طلسم و سحر سے کم نہ تھی مین یہانتک کہہ سکتا ہوں کہ اس بات مین رحیمین کوشش کر رہی تھین کہ منہ کا دہانہ کھولکر بات سے باتین اور جسم سے باہر نکل جائین شادیش محمد کی سادگی، اور بیچینی نو مولود بچہ کی سی تھی اُسنے یہ کہکر مجھکو اپنے قریب بُلایا، نیپامی یک مجھکو تم سے کچھ باتین کرنی ہین مین بے خوف اُس کے پاس چلا گیا، اُسنے جیب سے تمباکو کی ڈبیا نکالی اور سگرٹون کے کاغذ مین تمباکو ڈالکر سگرٹ بنانے لگا، مین نے کہا۔

شادیش محمد کیا بات ہو گیا تم کو آج رات نیند نہین آئی۔

جب دوبارہ سگرٹ روشن کرنے کے لئے مین نے دیا سلائی جلائی تو اُس کی روشنی مین مین نے شادیش محمد کے چہرہ کو خوفناک پایا مونچھون کے نیچے اُس کے ہونٹ اسوقت ترچھے نظر آرہے تھے اُسنے جب میرے ایک سوال کا جواب دیا تو مجھے معلوم ہوا کہ واقعہ اتنا خطرناک نہین ہے جتنا کہ مین سمجھا تھا، بایں ہمہ اُسکے خطرات کے اسباب صاف و واضح تھے اُسنے مجھے بتلایا کہ کذبان میرے چلے آنے کے بعد اُس سے موضع صابرین ملی اور اُسنے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بحیثیت ایک عورت دالنیٹر کے لشکرگاہ مین جانے کا ارادہ رکھتی ہے پھر اُسنے اُس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اُسکو ساتھ لے چلے اور وہ اُس کی خواہش کو رد نہ کر سکا اور اُسکو مردانہ لباس مین اپنے ساتھ لے آیا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادیش محمد نے کذبان سے یہ کہا ہوگا کہ احسان اُس کی بات بہت مانتا ہے لیکن ذخیرہ جنگ کو لے آنے کے بعد جب ہم احسان سے ملے ہین تو شادیش محمد کی خواہش کے خلاف احسان نے جواب دیا اور اس جواب نے اُس کی بات بگاڑ دی اور پھر وہ کذبان کا نام درج رجسٹر کرانے کی جرات نہ کر سکا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اودھر تو کذبان کو اپنے بھائی کا ڈر ہوا اور اودھر لشکرگاہ کے لوگون سے خطرہ، ان وجوہ سے کذبان نے یہ ارادہ کیا کہ وہ خود احسان سے ملے اور اس کی خوشامد کرے اس عرصہ مین شادیش محمد کو کذبان سے محبت ہو گئی اور اُسنے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دیا اور اُس سے خواہش کی کہ وہ اُس کی بیوی بننا قبول کر لے، شادیش محمد نے کذبان کو آمادہ کرنے کے لئے یہ بھی کہا کہ میرے پاس کافی دولت ہے اور اگر وہ اُس سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے تو وہ اُس کے لئے جس جگہ وہ چاہے ایک مکان بنا دے گا اور تمام ضروری سامان خانہ داری وغیرہ بہم پہنچا

دیگا اور اُسکو کوئی کام نہ کرنا پڑیگا، لیکن کذبان نے اُس کی بات پر کان نہ دھرا اور ظاہر کیا کہ اگر اُس کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور احسان نے اُسکو رضا کاروں مین قبول نہ کیا تو وہ کسی نہر مین ڈوب مرے گی۔ آخر شادلیش محمد نے کذبان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ آدھی رات گذر جانے کے بعد احسان کے خیمہ مین جائے اور منت وسماجت سے اُسکو راضی کرے ادہر تو کذبان احسان کے خیمہ مین داخل ہوئی اور اُدہر اس خیال سے کہ کذبان ناکام ہوکر کہین اپنی جان نہ گنوا بیٹھے وہ اپنی بندوق کو لیکر احسان کے خیمہ کے قریب کذبان کے انتظار مین کھڑا ہوگیا۔

شادلیش محمد نے مجھ سے کہا کہ اُس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ مجھ سے اجازت طلب کرے اور اُمید رکھتا تھا کہ مین اُس کی سفارش احسان سے کرون تاکہ وہ کذبان کو اس امر پر آمادہ کرے کہ وہ اُس سے نکاح کرلے لیکن چونکہ احسان اور کذبان کی باتون کے سُننے مین وہ محو تھا اس لئے وہ میرے خیمہ مین نہ آسکا، پھر شادلیش محمد نے کہا کہ جب کذبان احسان کے خیمہ مین داخل ہوئی تو پہلے تو احسان اُسپر بہت خفا ہوا پھر مین نے سُنا کہ کذبان رو رہی ہو اور بہت بُری طرح رو رہی ہو اور اب بہت دیر سے خاموشی کا عالم ہے اور کوئی آواز خیمہ سے نہین آتی حالانکہ کذبان کو خیمہ مین داخل ہوئے بہت عرصہ گذر گیا ہو۔

شادلیش محمد نے یہ الفاظ نہایت سخت ودرشت لہجہ مین ادا کئے، پھر یکایک وہ خاموش ہوگیا، اُس کی خاموشی نے میرے قلب مین بندوق کی اُس گولی کی سی آواز کا اثر پیدا کیا جو کہ بندوق سے نکلکر کسی نوجوان افسر کے دماغ مین ایسے وقت جاکر پیوست ہوگئی ہو جبکہ وہ اپنے خیمہ مین بیٹھا ہوا کچھ رہا ہو۔ مین نے نہایت طمانیت کے ساتھ شادلیش محمد سے کہا۔

احسان اتنا سنگدل نہین ہو جتنا کہ وہ ظاہر مین معلوم ہوتا ہے ممکن ہو کذبان اسوقت یہ بیان کررہی ہو کہ تم اُسکو اپنے نکاح مین لانے کی خواہش رکھتے ہو، احسان کذبان کو بہت عرصہ سے جانتا ہے اور اُسپر یہ معلوم کرکے بہت مہربان ہو کہ اُس کا باپ ایک سپاہی تھا جو قومیت کی راہ مین شہید ہوچکا ہے۔

شادلیش محمد نے میرے الفاظ کو سُنکر سر کو حرکت دی اسوقت شادلیش محمد ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ایک ایسی روح ہے جو احسان کے پیچھے لگی ہوئی ہو اُسنے اس بات کو تسلیم نہین کیا کہ ایک وہ شخص جو باقاعدہ اور منظم سپاہ سے تعلق رکھتا ہو کسی ایسے شخص کا خیر خواہ ہوگا جو بے قاعدہ جماعتون مین شریک

ہو، شاد لیش محمدؐ کو منتظم سپاہ کے آدمیوں پر عموماً اور فوجی کمیٹی کے ارکان پر خصوصاً کسی قسم کا اعتماد نہ تھا، پھر اُس نے اِس بات کو بھی تسلیم نہیں کیا کہ کذبان جسکو احسان نے خیمہ مین بند کر رکھا ہو اُس کی محبت کا ذکر کر رہی ہو۔ شاد لیش محمدؐ کی نفرت باقاعدہ سپاہ کے لوگون سے اِس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ اُنپر سخت سخت اتہام لگاتا اور طرح طرح کے الزامات اُن پر عائد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ "جو کچھ ہونا تھا ہو گیا" لیکن بایں ہمہ بے اعتمادی و نفرت مین اُس سے جو بات کہتا تھا وہ اُسکو مان لیتا تھا۔

ہم اِسی قسم کے خیالات مین محو کھڑے تھے کہ ہم نے مرغ سحر کی آواز سُنی اور فوراً مین نے کہا۔

شاید کذبان اُس مقام پر واپس چلی گئی ہو جہان گاڑیان کھڑی ہین تم وہان جا کر اُس سے ملو اور اُسکو مشورہ دو کہ آج دن بھر مخفی رہے مین احسان سے ملکر اُسکو راضی کر لونگا اور پھر ہم مجلس نکاح کو ترتیب دینگے۔

میرے الفاظ سنکر شاد لیش محمدؐ عجیب غریب طریقہ پر ہنسا اُس کی آواز اسوقت بھرا گئی تھی اور وہ بہت متاثر نظر آتا تھا، آخر اُسنے کہا۔

احسان راضی ہو یا نہ ہو مجھے اسکی پروا نہین ہے، مین نے قسم کھائی ہے کہ مین اِس لڑکی کو ضرور حاصل کرونگا خواہ وہ زندہ ملے یا مردہ۔

مین اپنے خیمہ مین واپس چلا آیا اور احسان کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا چونکہ معاملہ خطرناک درجہ تک پہنچ گیا تھا اِس لئے ضرورت تھی کہ جلد سے جلد شاد لیش محمدؐ کو خوش کیا جائے تا کہ خطرہ وقوع مین نہ آنے پائے جسکا وقوع پذیر ہونا یقینی تھا۔ دوپہر کو احسان بیدار ہوا اور اپنے خیمہ مین دیر تک ایک فوجی افسر سے تقسیم ذخائر جنگ اور سامان کو دوسری سمتون مین روانہ کرنے کے مسئلہ پر گفتگو کرتا رہا، مین انتظار مین تھا کہ یہ فوجی افسر خیمہ سے باہر آئے تو مین احسان سے جا کر ملون لیکن فوجی افسر کے باہر آنے سے قبل شاد لیش محمدؐ خیمہ مین داخل ہو گیا۔ مین نے اسوقت شاد لیش محمدؐ کے چہرہ سے یہ محسوس کیا کہ وہ احسان کا بلوایا ہوا آیا ہے۔ خیمہ مین داخل ہو کر شاد لیش محمدؐ خاموش کھڑا ہو گیا امید کی علامتین اُس کے چہرہ پر نمایان تھین اور جب اُسنے مجھ کو بھی خیمہ کے قریب ہی پایا تو اُس کے مضطرب قلب کو کامل طمانیت حاصل ہو گئی، احسان کے چہرہ پر اسوقت بھی تلخی و درشتی کے آثار پائے جاتے تھے اور وہ بدستور محویت کے سے عالم مین تھا آخر اُسنے شاد لیش محمدؐ کو حکم دیا کہ وہ اطراف کیوہ مین جائے اور وہان سے فلان فلان

چیزیں خرید کر لے آئے۔ اس کام کی انجام دہی میں چونکہ ایک رات شادیش محمد کو لشکر گاہ سے باہر رہنا پڑتا تھا اس لئے وہ یہ حکم پاکر فکر میں پڑ گیا احسان نے شادیش محمد کے چہرہ پر نظر ڈالی یہ پہلا موقع تھا کہ میرے قلب میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا شادیش محمد جیسا شکستہ دل شخص بھی اپنے جذبات کی اس سخت آندھی کو ہماری طرح چھپا سکتا ہے جو اس کے دل و دماغ میں چل رہی ہے، شادیش محمد کا چہرہ زرد تھا وہ بار بار کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا چاہتا تھا لیکن اس کے خوفناک دانت چمک کر رہ جاتے تھے اور بولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بہر نوع شادیش محمد نے احسان کے حکم کو سکون کے ساتھ سنا اور خیمہ سے باہر نکلنے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ احسان نے کہا۔

ہمارے سپاہیوں میں جو ایک شخص مصطفےٰ نامی ہے اس کی ایک بہن ہے جو موضع صا ریلر کی رہنے والی ہے اس کا نام کذبان ہے وہ ذخیرہ جنگ کی گاڑیوں کے ساتھ لگ لی تھی اور یہاں آگئی ہے تم مصطفےٰ سے کہو کہ وہ گاڑیوں کے ساتھ اس کو گاؤں بھیج دے۔ میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے اسکو یہاں دوبارہ لانے کی جرأت کی تو میں اسکو پھانسی پر چڑھوا دونگا۔ شادیش محمد اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

جب میں اور احسان اکیلے رہ گئے اور میں نے اسکو مخاطب کرنا چاہا تو اس نے میری طرف تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

"ایسی حالت میں کہ ہم ایک زبردست جنگ سے دوچار ہونیوالے ہیں میں بچوں کی سی باتیں سننا پسند نہیں کرتا"

لیکن بعد میں اسکو معلوم ہوا کہ بچوں کی سی ان باتوں کا انجام نہایت دردناک ہوا۔ اسی روز احسان نے مجھکو بھی ایک سخت کام سپرد کیا اور پھر میں اتنا وقت نہ پا سکا کہ کذبان کے مسئلہ پر دوبارہ غور کرسکوں اگرچہ کذبان کے مسئلہ کے متعلق میں بہت بے چین تھا لیکن کیا کر سکتا تھا، احسان نے رات کا کھانا سویرے ہی کھالیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی فوج کے دستہ کو ہمراہ لیا اور یہ کہکر کہ وہ صبح کو واپس آجائیگا ایک طرف روانہ ہوگیا۔

پانی کا چھینٹا پڑجانے سے اسوقت فضا مرطوب تھی اور مٹی کی خوشبو لطیف و خوشگوار ہوگئی تھی۔ ستاروں سے روشن شامیں نمودار تھیں جن کی روشنی میں ان درختوں کے پتوں کو بآسانی دیکھا

جا سکتا تھا جو ہمارے قریب کھڑے تھے دیر تک مین اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا یہ سوچتا رہا کہ کیا لشکرگاہ سے کذبان چلی گئی اسوقت بے اختیار میرے قلب مین یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش احسان واپس آجائے اور اُسکو مین ساری حقیقت سے آگاہ کر دون۔ آخر مین سوگیا اور چونکہ مین بہت تھک گیا تھا اس لئے دیر تک گہری نیند سوتا رہا۔ مین سو رہا تھا کہ کسی شخص کے قدمون کی آہٹ سے جو میرے خیمہ مین داخل ہوا تھا میری آنکھ کھل گئی چاند جو دیر سے طلوع ہوا تھا اُس کی ہلکی ہلکی روشنی خیمہ کے سوراخون سے خیمہ کے اندر داخل ہو رہی تھی پھر مین نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا لیکن یہ معلوم نہ کر سکا کہ کہنے والا کون ہے۔

پیاری بک.... پیاری بک۔

کون ہے۔ مین نے جواب دیا۔

آواز۔ مین ہون....

مین۔ میرے قریب آؤ تاکہ معلوم کرسکون تم کون ہو۔

فوراً مین نے چراغ روشن کیا جو قریب ہی تھا روشنی ہوتے ہی مجھے ایک شکل نظر آئی جو آہستہ آہستہ میرے قریب آرہی تھی لیکن وہ اسوقت بہت خوفزدہ تھی، قریب آجانے پر مین نے اُسکو پہچان لیا وہ وہی لڑکا تھا جسکو مین نے ذخیرۂ جنگ کی گاڑیون کے ساتھ دیکھا تھا اور پھر اُس کی سیاہ ٹوپی کے نیچے اُس کے چہرہ کی زردی کو دیکھے بغیر مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ کذبان ہے مین نے پوچھا۔

کذبان تم کیا چاہتی ہو۔

میرے الفاظ ختم نہ ہوئے تھے کہ اُسنے دردانگیز آواز مین رونا شروع کیا اور دیر تک روتی رہی اُس کا یہ رونا اُس کی موجودہ شکل کے بالکل منافی تھا کیونکہ اسوقت اُس کی شکل ایسی تھی جسکو دیکھکر بے اختیار ہنسی آتی تھی اور دل مین اُس سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا بڑی کوشش کے بعد مین نے اُس کی گریہ وزاری کو روکا اور اُس کے آنے کا سبب دریافت کیا جس کے جواب مین اُسنے آجکی رات اپنا پورا قصہ سُنایا جس طرح شادلیش محمد نے کل رات اپنی داستان سنائی تھی۔

سب سے پہلے اُسنے بیان کیا کہ وہ احسان سے محبت رکھتی ہے اور باوجود اپنی سادگی، طفولیت اور نسوانی خصائص کے اُسے احسان سے کامل محبت ہے اور اگرچہ بعض مبہم امور وقوع مین آئے ہین

لیکن اُس کی محبت مین کسی قسم کی کمی نہین ہوئی ہے پھر اُسنے بتلایا کہ احسان سے اُس کی محبت کا آغاز اُس شفقت حمایت سے ہوا ہے جو احسان نے یہ معلوم کرکے خاص طور پر کی تھی کہ اُسکا باپ آستانہ مین، دولی خلفاء کے قبضہ کے روز شہید ہوگیا ہے، احسان کی یہ عادت تھی کہ وہ شہداء کے بچون اور بیکسون پر خاص مہربانی کرتا تھا، مختصر یہ کہ احسان کی مہربانی و شفقت نے اُس کے دل مین محبت کا تخم لگایا پھر یہ تخم پھوٹا اور احسان کی جرأت شجاعت نے اُس کی آبیاری کرکے اُسکو تر و تازہ درخت بنایا اور نشو و نما کا موقع بخشا۔

اس کے بعد کذبان نے بتلایا کہ اگرچہ وہ احسان کی محبت مین خوف و یاس کے درمیان گھری ہوئی تھی لیکن اُسنے باین ہمہ یہ محسوس کیا کہ احسان کی ہستی اُس کے لئے ایک عزیز ترین ہستی ہے اور یہ کہ احسان اُس کی زندگی اور اُس کی دنیا ہے۔

پھر اُسنے بتلایا کہ احسان کے موضع صارلیر سے چلے آنے کے بعد اُسنے سخت تکالیف برداشت کی ہین اور جب شاہ ویلش محمد نے اُسکو آمادہ کیا کہ وہ اُسکے لشکرگاہ کو چلے تو وہ محض اس خیال سے اُس کیساتھ ہولی کہ لشکرگاہ مین اُسکو احسان کی زیارت کا موقع نصیب ہوگا۔

پھر اُسنے کہا کہ اُس کی صرف ایک آرزو تھی اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ وہ احسان کی خدمت مین پہنچ جائے تاکہ اپنے آپ کو اُس کے قدمون مین ڈال دے اور پھر وہ اس امر پر راضی ہے کہ احسان اپنے قدمون سے اُسکو کچل ڈالے۔

اس کے بعد کذبان نے اُس مدنی عورت کا جسکا نام عائشہ ہے غیرت و حسد کے ساتھ ایسے الفاظ مین ذکر کیا جس کی توقع مجھے اس سن کی لڑکی سے نہین ہوسکتی تھی عائشہ کے متعلق جو الفاظ اُسنے کہے اُن مین یہ بھی تھا کہ یہ عورت احسان سے اتنی محبت نہین کرسکتی جتنی کہ مین کرتی ہون۔ کذبان کے یہ الفاظ سنکر مین نے اُسکو اطمینان دلانے کے لئے کہا۔ عائشہ کو احسان سے محبت نہین ہے اور احسان بھی دوسرے لوگون کی طرح عائشہ کو بمنزلہ بہن کے خیال کرتا ہے۔

کذبان نے سر کو ہلایا اور کہا۔

"وہ بہادر عورت ہے" ان الفاظ کے سوائے اُس کے لئے مین اور کوئی جملہ استعمال نہین کرسکتی مین یہ نہین کہتی کہ وہ فاحشہ ہے لیکن یہ ضرور کہونگی کہ وہ مردون مین اس طرح بیٹھتی ہے جس طرح فاحشہ عورتین اور اُس کے سبب سے بہادر مردون کی جانین ضائع ہوتی ہین، تم کو معلوم ہے احمد رفقی آیلان

قتل کیا گیا ہاں وہ ندرو رنگ لڑکا کیوں مارا گیا محض اسوجہ سے کہ اُسکو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس شہری عورت کے دل میں احسان کے لئے خاص سوزو گداز ہے جیسا کہ میرے دل میں ہے۔

کذبان کی ساری داستان سُنکر میں نے کہا، ان تمام باتوں کا مجھ سے کیا تعلق ہے۔

میرے الفاظ سُنکر کذبان زار زار رونے لگی اور پھر مجھ سے کہا کہ وہ کل رات احسان کے پاس گئی تھی شروع میں تو وہ بہت خفا ہوا اور اُس کا ہاتھ پکڑکر باہر نکال دینے کی کوشش کی لیکن اُسنے اس کی پروا نہ کی اور زمین پر لیٹ گئی اور اُس کے جوتوں کو پکڑکر رونے اور عاجزی کرنے لگی آخر اُسکو رحم آیا اور وہ تسکین دینے کی کوشش کرنے لگا، اُس کی گریہ وزاری کی آگ پر اس ہمدردی نے تیل کا کام کیا اور وہ بے اختیار ہوکر رونے لگی، اسی حالت میں اُسنے اپنی خوش قسمتی کے ستارہ کو چمکتا ہوا پایا لیکن اُسنے اپنے تاثر کو چھپانے کی پوری کوشش کی اگر وہ اپنے تاثر کو نہ چھپاتی تو بہت ممکن تھا کہ اُس کے قلب میں ہلچل پیدا ہو جاتی آخر احسان نے اُس کی ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالکر اُسکو اُٹھایا اور اُس کی طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھا اُس کا نام عائشہ رکھا اور پھر بے اختیار اُسپر رقت طاری ہوئی اور وہ رونے لگا، احسان بچوں کی طرح رو رہا تھا اور وہ بھی اُس کے ساتھ رو رہی تھی۔

اس کے بعد کذبان نے کہا کہ عائشہ نے احسان کی ڈاڑھی کو نوچ لیا ہے اور اب وہ اُس کے سحر سے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔

بہرحال کل رات اُن چند ساعتوں کے اندر جو کذبان کو احسان کی ہمدردی کی حاصل ہوئی تھیں اُسنے جنت کی نعمتوں کو سستے داموں خرید لیا یعنی "وہ قربانی" جسکا اُسنے اضطراب و بیچینی کی حالت میں ارادہ کیا تھا اور جو اُس کی زندگی کی کڑی کو عذاب جہنم کی کڑیوں سے قریب پیوستہ کردے گی۔

صبح کو شادیش محمد کذبان سے ملا اور اپنی درخواست کو قبول کرنے پر اُسے مجبور کیا، کذبان سمجھ گئی کہ شادیش محمد کا مجبور کن اصرار خطرناک نتائج پیدا کریگا اور ممکن ہے کہ احسان کو بھی اس سے گزند پہنچے کذبان اب شادیش محمد سے اس طرح ڈرنے لگی تھی جس طرح پرندہ سانپ سے ڈرتا ہے اور اُس کا نام اُسنے سرکش جن رکھدیا تھا اُسنے اس خوف سے کہ کہیں شادیش محمد احسان کو گزند نہ پہنچائے شادیش محمد کی درخواست کو منظور کرلیا تھا اور اس امر کا وعدہ کرلیا تھا کہ وہ عنقریب گاؤں چلی جائے گی اور اُس سے نکاح کرلے گی، مگر دل میں اُسنے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ موقع پاکر اُس سے نجات حاصل کرنے کے لئے

کہین بھاگ جائے گی لیکن اُسنے یہ نہین بتلایا کہ وہ کیونکر ایسا موقع حاصل کریگی یا کیونکر شادیش محمد سے نجات پائے گی۔

کذبان نے اگرچہ شادیش محمد سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ وہ ذخیرۂ جنگ کی خالی گاڑیون کیساتھ گاؤن کو واپس چلی جائے گی لیکن وہ واپس نہین گئی اور لشکرگاہ ہی مین چھپی رہی اُسکا ارادہ تھا کہ آخری مرتبہ احسان کو وہ پھر دیکھ لے جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ احسان لشکرگاہ سے باہر چلا گیا ہو تو وہ میرے پاس آئی اور مجھے وصیت کی کہ مین احسان کی حفاظت کرون کیونکہ شادیش محمد کے دل مین رقابت کی آگ بھڑک رہی ہی اور غیرت ورشک کے بچھو اُس کے جسم مین ڈنک مار رہے ہین، شادیش محمد احسان کی کمزوریون سے واقف ہی اور بہت ممکن ہی کہ وہ جلد یا کچھ دنون بعد خیانت کرے۔

آخر مین کذبان نے مجھسے یہ خواہش کی کہ وہ آخری مرتبہ احسان کے خیمہ مین جانا چاہتی ہی اور مین اُس کی اس خواہش کو پورا کرنے کا ذریعہ بہم پہنچادون تاکہ وہ باسانی خیمہ مین داخل ہوسکے اور پہرہ دار اُسکو نہ روکین، اس خواہش کو ظاہر کرتے ہوئے اُسنے کہا۔

کیا حرج ہی اگر مین گاؤن جانے اور اُس سرکش جن (شادیش محمد) کے ہاتھون مین پڑنے سے قبل ایک نظر پھر اُس خیمہ کو دیکھ لون جسمین احسان رہتا ہو۔

کذبان کے ان الفاظ سے مین بہت متاثر ہوا اپنے خیمہ کا دروازہ مین نے کھولا اور احسان کے خیمہ کے پہرہ دار کو مخاطب کرکے کہا۔

مین اس لڑکے کے ہاتھ جناب قائد کے خیمہ مین اخبارات بھیجرہا ہون تم اُسکو اندر جانے دینا روکنا نہین۔

پہرہ دار نے جواب مین کہا۔ بہت اچھا جناب والا۔

مین نے فوراً اخبارات کا پیکٹ کذبان کے حوالہ کیا اور کہا۔

یہ کاغذات لیکر خیمہ مین جاؤ اور وہان انکو رکھکر فوراً واپس چلی آؤ۔

کذبان خیمہ مین چلی گئی جب بہت دیر ہوگئی اور وہ باہر نہ نکلی تو مین اُٹھا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کذبان کیون اب تک نہین واپس آئی احسان کے خیمہ کی طرف بڑھا آہ کمرہ کے اندر داخل ہوکر مین نے دیکھا کہ غریب کذبان احسان کے پلنگ کی پائنتی دوزانو بیٹھی ہی احسان کے جوتے اُسنے گلے مین ڈال

لٹکے ہین - جگنون کے چہرے کو رخسارون سے گل رہی ہو اور اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھون سے آنسو ڈھلک ڈھلک کر زمین پر گر رہے ہین۔ مین نے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ آہستہ اُسکو خیمہ سے باہر لایا ۔ پھر ہمراہ لیکر اس خیال سے آگے بڑھا کہ لشکرگاہ سے اُسکو باہر پہنچا دون اور لشکر کی حدود سے نکال دون اور اس کے بعد اُسکو شادیش محمد کے تباہ کن عشق کے گڑھے مین گرنے کے لئے چھوڑ دون -

مین اور کذبان دونون پہلو بہ پہلو خیمون کے درمیان سے گذر رہے تھے کذبان کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ زمین کی طرف دیکھتی ہوئی اس طرح چل رہی تھی گویا وہ خواب دیکھ رہی ہو، لشکرگاہ سے باہر نکلکر جب ہم دو خان چائے کے قریب پہنچ گئے جہان سے وہ بآسانی صنا دلیر کو تنہا جا سکتی تھی تو مین نے اُسکو رخصت کر دیا اور واپس لوٹتے وقت مین نے کچھ زر نقد اُسکو دینا چاہا وہ ایک درخت سے پشت لگا کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی -

مین نہین لون گی . . . مین نہین لون گی -

مین نے مجبور کرکے اصرار کیا لیکن وہ برابر انکار کرتی رہی آخر زر نقد اُس کی چھوٹی سی ہتھیلی پر رکھکر مین لوٹنا ہی چاہتا تھا کہ گولی کی آواز سُنائی دی اور معًا مین نے اپنے بازو مین بجلی کا سا دھکا محسوس کیا پھر میرے جسم سے زمین پر کوئی چیز پانی کے قطرات کی مانند ٹپکتی نظر آئی ، کذبان یہ دیکھکر پریشان ہو گئی اور ادہر اُدہر دوڑنے لگی پھر مین نے شادیش محمد کی شکل دیکھی جو چیتے کے مانند درختون کے درمیان دوڑ رہا تھا ، کذبان کے قریب پہنچکر اُسنے اُس کی کمر کو گرفت مین لے لیا اور کہنے لگا مین نے تجھکو گانون مین تلاش کیا لیکن تو وہان نہین ملی مجھے معلوم ہو گیا ہو کہ تو نے مجھے دھوکہ دیا ہو ، فاحشہ ، تو عنقریب دیکھے گی کہ مین کیونکر اس شخص کے قلب اور احسان کے جگر کو اپنی گولی کا نشانہ بناتا ہون ،

گولی کی آواز سُنکر لشکر کے پہرہ دار دوڑ پڑے اور اُن کو دیکھکر شادیش محمد نے کذبان کو کندھے پر ڈال دیا اور بھاگ گیا ، پہرہ کے سپاہی سے مین نے کہا -

دوست کوئی خطرہ نہین ہو یہ گولی جو کہین دُور سے آئی تھی غلطی سے میرے بازو پر لگی ہو مین اپنے خیمہ مین چلتا ہون تم ڈاکٹر اور مرہم پٹی کے سامان کو فوراً بھیجدو -

دوسرے روز احسان نے واپس آکر بیان کیا کہ باقاعدہ سپاہ اور بے قاعدہ جماعتون کے درمیان اختلاف نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہو اور اب منتظم سپاہ کی بقاء و زندگی کی صورت صرف یہ ہو کہ

بے قاعدہ جماعتون کو بالکل تباہ کر دیا جائے۔ تمام فوجی افسر جن مین سب سے آگے احسان تھا اور اسی طرح تمام منتظم سپاہ اب بے قاعدہ جماعتون کو یونانیون کی طرح اپنا دشمن خیال کرنے لگی تھی۔ کچھ دنون بعد احسان نے یہ تجویز پیش کی کہ مین اپنے زخم کا علاج کرانے اور تبدیلِ آب و ہوا کے لیے عسکی شہر چلا جاؤن اور اسپر اُسنے اپنی پوری قوت سے اصرار کیا۔

(۸)
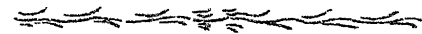
کابوس
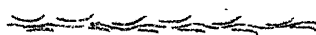
یکم دسمبر ۳۱ء

میرے قصہ کے سلسلہ کی کڑیون مین ایک کڑی مفقود ہو بلکہ یون کہنا چاہیے کہ میری سرگذشت کے اوراق مین ایک ورق آتشزدہ اور سوختہ ہو گیا کیونکہ ان اور شاد کیش محمد کو اس کے بعد کہ وہ اُسکو کاندھی پر ڈالکر خشک جنگلون کے اندر تاریک رات مین لے بھاگا تھا پھر کبھی مین نے دیکھا ہے میرا خیال ہو کہ مین نے دونون کو اُن شعلون کی روشنی مین جو میرے دماغ کے اندر بھڑک رہی ہین دیکھا ہو اور پھر میدانِ جنگ کی آتشباری، گولیون کی آواز اور شورش کے نعرون مین اُن کو دیکھا ہو میری زندگی کا یہ دَورِ مختصر بلاشبہ ایک خوفناک دماغی کابوس کا دَور ہو۔

اب کہ ان سطرون کو لکھتے وقت مین اس واقعہ پر غور کر رہا ہون میری پیشانی سے سرد پسینہ ٹپک رہا ہے جسم مین آگ کے شعلے بھڑک رہے ہین، ہونٹ خشک ہو گئے ہین، اور آنکھین اس طرح گردش کر رہی ہین گویا مین سخت بخار مین مبتلا ہون، کیا جو کچھ مین دیکھ رہا ہون یا دیکھتا رہا ہون وہ صرف میرے دماغ کی اثر آفرینی ہو؟ مین اس کو تسلیم نہین کر سکتا البتہ مین اُن لوگون اور خود اپنی ذات کے متعلق بھی شک و شبہ مین ضرور پڑا ہوا ہون، بلاشبہ یہ کابوس ہو (روحانی و دماغی صدمہ یا دماغی امراض مین جو حالت تخیل انسان پر طاری ہو جاتی ہو اُسکو کابوس کہتے ہین) ہان حقیقی کابوس اب

میں اپنے مشاہدہ کی کیفیت جو اب قلم کرتا ہوں اور جس صورت میں اُن کو میں نے دیکھا ہے اسکو پیش کرتا ہوں۔

ہم اُس سپاہ میں شامل تھے جو قونیہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے گئی تھی احسان کے آدمیوں کے ساتھ ہم ایک گاؤں کے قریب جسکا نام مجھے اسوقت یاد نہیں آتا اترے ہم کو معلوم ہوا کہ اس مقام تک ابھی باغی نہیں پہنچے ہیں اس علاقہ کا ایک مختصر وفد احسان کی خدمت میں اظہار اخلاص و وفاداری کے لئے حاضر ہوا اور احسان سے اُسنے وعدہ کیا کہ وہ کسی باغی کو اپنے علاقہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیگا، بشرطیکہ ترکی سپاہ کا کوئی آدمی اُن کے علاقہ میں داخل نہ ہو کیونکہ ترکی سپاہ کو یا اُس کے آدمیوں کو دیکھکر علاقہ میں جوش پیدا ہوجاتا ہے۔

پھر وفد نے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ افسر سپاہ (احسان) تنہا علاقہ کے اندر داخل ہوسکتا ہے اس لئے ہم جناب قائد کو علاقہ کے معائنہ کی دعوت دیتے ہیں اس کے بعد وفد کے ارکان نے کہا کہ وہ جناب قائد کو علاقہ کے معائنہ کی دعوت دیتے ہیں، اس کے بعد وفد کے ارکان نے کہا کہ وہ جناب قائد کی تشریف آوری کی خوشی میں دنبوں کو ذبح کرینگے اور اظہار مسرت میں شہر کو آراستہ کرینگے اس وفد میں دو سن رسیدہ شخص تھے جن کے سروں پر عمامے تھے اور اُن کے ساتھ موضع کے دو زمیندار تھے احسان ان لوگوں سے مطمئن ہوگیا اور اُن کی محبت اُس کے قلب میں جاگزین ہوگئی بایں ہمہ احسان نے حفاظت کی تمام تدابیر اختیار کیں مجھکو اپنے ساتھ لے چلنے کے لئے بُلایا اور پانچ سواروں کو ساتھ لیا اور اپنی سپاہ کے ایک دستہ کو محسن بک کی قیادت میں دیکر حکم دیا کہ وہ علاقہ کے قریب تیار کھڑا رہے، احسان نے ارادہ کیا تھا کہ اگر علاقہ کے لوگوں پر اُسکو کوئی شک و شبہ ہوگا تو وہ اپنے ہمراہی سواروں میں سے ایک کو اطلاع دینے کے لئے محسن بک کے پاس بھیجدیگا تاکہ محسن بک فوراً اپنی ماتحت سپاہ سے گاؤں پر حملہ کردے۔

محسن بک احسان کی اس رائے کے خلاف تھا اُسنے ظاہر کیا کہ دیہاتی لوگ جو آج اظہار خلوص و وفاداری کر رہے ہیں کل اُن پر بھی اُس بغاوت کا بھوت سوار ہوجائیگا جو آندھی کی طرح قونیہ کی جانب سے بڑھتی چلی آرہی ہے۔

یہ گاؤں جس کے قریب ہم پڑے تھے تین سو مکانات پر مشتمل تھا اور زرد رنگ کی شور زمین میں واقع تھا، مکانات اسی زرد مٹی کے تھے اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر ان کا زیادہ حصہ تھا، ٹیلے کے

سامنے سبز میدان تھا دوپہر کی دھوپ نے اس زرد مٹی کا رنگ نقشئی بنا دیا تھا ہلکی ہلکی ہوا جو سبز میدان میں چل رہی تھی اُسنے طبل و فریاد کی آواز کو تمام اطراف میں پھیلا دیا تھا ٹھیک اسی وقت میں اور احسان اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار گاؤن کی طرف جا رہے تھے اور کذبان و شادیش محمد کے متعلق باتوں میں مشغول تھے بعض لوگوں نے بیان کیا تھا کہ کذبان اسوقت تک گاؤن میں واپس نہین پہنچی اور شادیش محمد اُس بے قاعدہ جتھے میں شامل ہوگیا ہے جو چرکسیون اور ترکون سے مرکب اور حمزہ بک کے ماتحت ہے اس جتھے نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا، مین شادیش محمد کے واقعہ پر حیرت و محویت کے عالم مین غور کرتا چلا جا رہا تھا اور اُس کی نفسانی خواہشات نے مجھکو تعجب مین ڈال رکھا تھا اُسنے کذبان کی سبز آنکھون سے متاثر ہوکر اپنی گذشتہ بہترین زندگی کو تباہ کر دیا تھا احسان نے محویت کے عالم مین مجھ سے کہا۔

غریب چھوٹی سی کذبان ... آہ وہ مسکین لڑکی۔

جب ہم سبز میدان کے قریب پہنچے تو ہم نے ایک اجتماع کثیر دیکھا ان کو دیکھکر مین نے اپنے دل میں کہا شاید یہ لوگ ہمارے استقبال کو آئے ہین لیکن یہ اژدحام اتنا زیادہ کیون تھا اور سارے لوگ خاموش کیون کھڑے تھے ؟

جب ہم سبز میدان مین داخل ہونے لگے تو ہم نے اپنے سامنے ایک گہری اور طویل خندق کو دیکھا احسان نے گھوڑے کو ایڑ دی اور وہ خندق کے پار تھا گویا احسان کا گھوڑا ایک پرندہ تھا جو دونون بازون کو حرکت مین لاکر اُڑ گیا۔ احسان کے بعد مین نے اور پانچ ہمراہی سوارون نے خندق کو عبور کیا اور آگے روانہ ہوئے اس سبزہ زار مین ہم دس قدم سے زیادہ آگے نہ بڑھے ہونگے کہ ایک جماعت ہمارے بائین پہلو سے ایک شکستہ پن چکی کی عمارت سے برآمد ہوئی اور ہمارے پیچھے آکر اُچھلنے کودنے لگی اس جماعت کو دیکھکر احسان نے تیزی کے ساتھ اپنے گھوڑے کی باگ اُس کی طرف پھیر دی اور معاً کا بوس کا دور شروع ہوگیا، ہمارے اور ان باغیون کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہمارے پانچ سوار پچاس باغیون سے لڑ رہے تھے جو ہم پر پتھرون۔ لاٹھیون، کلہاڑون اور گالیون سے حملہ آور ہوئے تھے چند منٹ کے بعد مین نے دیکھا۔ کہ ہمارے ساتھی سوارون مین سے دو سوار گھوڑون کی پُشت سے گرے اور باغی کاشتکارون نے اُن کو خندق مین ڈالدیا پھر مین نے اپنی پشت پر بہت سے قدمون کی خوفناک آواز سنی اور ایسا محسوس ہوا کہ یہ آواز زمین کی تہ سے آ رہی ہے یہ آواز اُس دیہاتی ہجوم کی تھی جو آندھی کی طرح جوش مین بھرا چلا

آرہا تھا، اب وہ باغی کاشتکار جو ہمارے آدمیوں سے لڑ رہے تھے کمزور پڑ گئے تھے اور مغلوب ہو چکے تھے لیکن جب کاشتکاروں کی نئی جماعتیں آ گئیں تو ہم پھر ایک جھتے میں گھر گئے جو گویا مادہ انقلاب کی بیماری میں مبتلا اور دیوانہ کتوں کی مانند جوش میں بھرا ہوا تھا اُس روز مجھ کو خوف کی پوری حقیقت معلوم ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ خوف ایک زرد رنگ کی چیز ہے جسکی دو آنکھیں ہیں اور وہ جسم بھی رکھتا ہے اور اُس کے اندر اختلاج کا دورہ ہوتا ہے۔

اب میں اُس سخت جان اور رقیق القلب جوان کا ذکر کرتا ہوں جسکا نام احسان ہے جنگ کی حالتمیں وہ پستول ہاتھ میں لئے ہوئے تھا جسکے دہانہ سے برابر دھواں نکل رہا تھا اُس کی سُرخ ٹوپی ایک جانب کو جھکی ہوئی تھی اور نہایت طمانیت و بے خوفی کے ساتھ وہ مجمع کو منتشر کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اپنی پوری کوشش اس امر پر صرف کر رہا تھا کہ اُس کی گولی سے کوئی شخص ہلاک نہ ہو اور باوجود یہ کہ چاروں طرف سے باغی اُسکو گھیرے ہوئے تھے لیکن وہ کسی کو اپنے قریب نہ آنے دیتا تھا باغی کاشتکار احسان کی شجاعت و بسالت کو حیرت و تعجب سے دیکھ رہے تھے اور اُن کی نظریں اس صاحب قدرت شخص کی آنکھوں پر تھیں جن سے بجلی کی سی چمک نکل رہی تھی اور جو اُن کو ٹھنڈی نظروں سے دیکھ رہا تھا سب سے زیادہ عجیب بات اس ہنگامہ میں یہ تھی کہ یہ باغی لوگ جنھوں نے چلا چلا کر آسمان کو سر پر اٹھا رکھا تھا جو ہم کو گالیاں دے رہے تھے۔ جن کے جسموں سے پسینہ جاری تھا اور جو کلہاڑوں اور لاٹھیوں کو ہلا رہے تھے مجھ سے وہ کوئی تعرض نہ کرتے تھے گویا میں اُن کی نظروں میں اُنھیں میں کا ایک آدمی تھا اور کسی طرح وہ مجھے کسی قسم کی تکلیف و اذیت پہنچانے کے روادار نہ تھے پھر میں نے سُنا کہ باغی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں۔

تم نے اس کی مونچھیں نہیں دیکھیں۔

اسکو زمین پر گرا دو۔

اسکو مار ڈالو۔

اجی پھانسی پر چڑھا دو۔

ادہر تو یہ ہنگامہ آرائی جاری تھی اور اُدہر میں نے ڈھول کی آواز سُنی پھر ایک جماعت کو دیکھا جو کتوں کی طرح ادہر سے اُدہر دوڑ رہی تھی سنگریزے ہوا میں اُڑ رہے تھے اور آفتاب ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ خوفناک

ایک طباق ہو جو افق سے نیچے کی جانب آہستہ آہستہ جا رہا ہے تاکہ صحرا کے گوشہ مین چھپ جائے۔

میرے اور احسان کے درمیان ایک جماعت حائل ہو گئی میں نہیں کہہ سکتا کہ اسوقت یہ جماعت کیا کر رہی تھی انمین سوار بھی تھے اور پیدل بھی کوئی فخر و غرور سے تالیان بجا رہا تھا کوئی شور مچا رہا تھا، کوئی پتھر مار رہا تھا اور کوئی اچھل کود رہا تھا مختصر یہ کہ سب کے سب جوش و خروش مین تھے۔

یہ انسانی آندھی سرخی آمیز تاریکی مین گانون کی طرف روانہ ہوئی انکے آگے آگے مشعل بردار لوگ تھے اور ان مشعلون کی دھوئین آمیز روشنی مین ان لوگون کے چہرے بہت خوفناک نظر آ رہے تھے، احسان اور ہمارے دو ساتھی سوار اس جماعت کے حلقے مین تھے جنکو وہ زنجیرون سے کھینچے لئے جا رہے تھے ان کو دیکھکر مین نے اپنے دل مین کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ احسان وغیرہ زندہ ہین اگر خدانخواستہ یہ مارے جاتے تو باغی ان کو بھی خندق مین پھینکدیتے جیسا کہ انھون نے دو مقتول سوارون کو پھینکدیا ہے۔

دو دیہاتی جو میرے پہلو مین چل رہے تھے مین نے سنا کہ وہ آہستہ آہستہ کچھ باتین کر رہے ہین مین نے توجہ کے ساتھ سنا اور انکو یہ کہتے ہوئے پایا۔

ایک ایسا بہادر شیر سا جوان ہو دریا نیل پر یہ ہمارا افسر تھا جب وہ حملہ کے وقت آگے بڑھتا تھا تو ہمارے قلوب کانپ اٹھتے تھے اور ادہر تو دیکھو وہ خبیث کون ہو جسکو لوگ حمزہ بک کہتے ہین۔

دوسرا۔ تم شاید اس کو جانتے ہو یہ تمام ہنگامہ اسی کی شرارت کا نتیجہ ہے۔

پہلا۔ لیکن ہمارا یہ کاشتکار رہنما تو بالکل گدہا سا معلوم ہوتا ہے۔

آخر ہم ان باغی کاشتکارون کے ساتھ گانون مین داخل ہوئے اور پھر مین نے ان دونون آدمیون کو باتین کرتے سنا پہلے نے کہا بہادر افسر (احسان) کیساتھ کیا برتاؤ کیا جائیگا۔

دوسرا۔ اسکو قیدخانہ مین بند کر دین گے۔

مین اس خونی مجمع کے ساتھ ساتھ تھا جو مشعلون کی روشنی مین چل رہا تھا عورتون کے دیہاتی گانے کی آواز گانون کی چارون سمتون سے آ رہی تھی جو مختلف قسم کے گیت گا رہی تھین، ڈھول کی جھنجھی آواز کانون کے پردون کو پھاڑے ڈالتی تھی مینڈک الگ چلا رہے تھے اور کبھی کبھی اس پرشور ہنگامہ مین بندوقون کی آواز بھی آجاتی تھی جو فضا کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی۔

آخر ہم گانون کی ایک گلی مین پہنچے جو غبار سے بھری ہوئی تھی اور متعدد جگہ اس مین پیچ و خم تھے

گلی کی ایک موڑ پر مین نے ایک گاڑی کو دیکھا جو نہالی پڑی تھی اور بیل اُس مین جُتے ہوئے نہ تھے، گاڑی
کے سامنے ایک بڑا کچا مکان تھا جسکا دروازہ کھلا ہوا تھا کاشتکارون نے احسان اور دونون ساتھی
سوارون کو اس مکان مین داخل کیا اسوقت کاشتکارون کا جوش بہت بڑھ گیا تھا اور وہ شور مچا
رہے تھے اور گالیان دے رہے تھے. مین گاڑی کے پاس کھڑا ہوگیا اور دیر تک وہان کھڑا رہا آخر مین نے
ایک شخص کو دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سُنا۔

اس شخص کو قتل کیون نہین کر دیتے۔

دوسرا۔ مین اسکا سبب نہین بتلا سکتا۔

پہلا۔ لوگون کا خیال ہو کہ کوئی پاشا انگورہ سے آنیوالا ہو کیا اس لئے تو ان آدمیون کو نہین
روکا گیا ہو کہ وہ ان کے پاس یرغمال کے طور پر رہین۔

دوسرا۔ جوان! مین نہین کہہ سکتا کہ تمھارا خیال درست ہو۔

گلی مین بھیڑ ہجوم ہوگیا دیہاتی کاشتکار اِدھر اُدھر کودنے اور دوڑنے لگے مشعلین روشن کی
گئین اور ڈھول پٹنے لگے پھر مین نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔

اُن کو پھانسی دی جائے گی ہان وہ اُن کو پھانسی پر چڑھائین گے۔

یہ الفاظ سُنکر مین نے محسوس کیا کہ سرد پسینہ میری کنپٹیون سے ٹپک رہا ہے میرے ہاتھ کانپنے لگے
اور قلب اُس گڑیا کی مانند جو فضا مین ناچ رہی ہو زور زور حرکت کرنے لگا۔

پھر مین نے قدمون کی آہٹ اور دیہاتی لہجہ مین ایک تقریر سنی جس سے میرے کان آشنا تھے اور
فوراً مین گاڑی کے پاس سے ہٹ کر ایک گوشہ مین کھڑا ہوگیا اور دیکھا کہ اُس دروازہ کے اندر جسمین
احسان کو لیجایا گیا تھا مشعلین روشن ہین اور اُن کے شعلے دھوئین اور تاریکی مین بلند ہو رہے ہین
پھر مین نے ایسے لوگون کے خوفناک چہرے دیکھے جو برابر گفتگو کر رہے تھے اور شور مچا رہے تھے مین یہ
دیکھنے کے لئے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہین اور آگے بڑھا۔ پھر مین دروازہ کے اندر جا کر کھڑا ہوگیا جہان دس
پانچ دہ کاشتکار بھی آکر کھڑے ہوگئے تھے جو راستہ سے گذر رہے تھے اور تماشہ دیکھنے لگے تھے۔

دروازہ کے اندر داخل ہو کر مین نے مکان کے اندر نظر ڈالی سامنے ایک بدنما پائخانہ نظر آیا جسکے
پہلو مین زینہ تھا۔ صحن کا فرش کچا اور غلیظ تھا اور اس کے ایک گوشہ مین آہنی طوق اور زنجیر دیکھے

ڈھیر لگے پڑے تھے۔ دائین جانب ایک اور دروازہ تھا جسمین لوہے کے کواڑ چڑھے ہوئے تھے دروازہ کے سامنے دو مشعلین روشن تھین جو زمین مین نصب کر دی گئی تھین مکان کی اس ہئیت کو دیکھکر مین سمجھ گیا کہ یہ اس علاقہ کا دار الحکومتہ ہے اور لوہے کے کواڑون والا حصہ قید خانہ ہے۔

احسان لوہے کے دروازہ والے مکان مین کھڑا تھا خون اُس کے سر سے ٹپک رہا تھا ایک لمبی آہنی زنجیر اُس کے ہاتھون مین پڑی تھی جو پاؤن تک لٹک رہی تھی اور گلے مین طوق تھا۔ دروازہ کے باہر وہ بدصورت شخص جسکا نام شاد لیش محمد ہے لوگون کو جوش دلا رہا تھا اور اس امر پر آمادہ کر رہا تھا کہ وہ قید خانہ کا دروازہ توڑ ڈالین اور احسان کو قتل کر دین وہ لوگون سے کہہ رہا تھا "تمنے حاکم علاقہ اور جندرمہ کے سپاہیون کو مار ڈالا لیکن اس ناپاک اور جاہل شخص کو قتل کرنے مین تم تامل کر رہے ہو آخر وہ کیا بات ہے جس سے تم متاثر ہو اور خاموش بیٹھے ہو۔"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیہاتیون کی جماعت اپنے اُن مجنونانہ جرائم پر جن کا ارتکاب اُسنے آج شام کو کیا تھا پشیمان تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اُسنے شاد لیش محمد کی باتون پر کان نہ دھرا اور خاموش بیٹھی رہی۔

میری نظرین اور میرا قلب اسوقت احسان کے گرد اس طرح گھوم رہا تھا جس طرح پروانہ شمع کے گرد گھومتا ہے نہ تو میری نظر اُس کی جانب سے ہٹتی تھی اور نہ قلب کسی دوسری جانب مائل ہوتا تھا آہ اُس کا چہرہ کتنا دلکش اور نورانی تھا اور وہ کتنا باہمت اور صاحب عزم و حوصلہ تھا احسان کی اُن بڑی بڑی آنکھون سے جن کے اوپر "سرخ رنگ" سر سے خون ٹپک رہا تھا اسوقت بجائے خوفناک، جلال و جرءت کی کسی قدر تلخی۔ کراہت اور نفرت آمیز شفقت و ہمدردی ٹپک رہی تھی، اب میری سمجھ مین یہ راز آگیا کہ کیون احسان کے جوتون کو خشوع و اشتیاق کے ساتھ اپنے رخسارون سے مس کر رہی تھی اور چوم رہی تھی اور اپنی زندگی کی انھین چند ساعتون مین مین نے یہ راز بھی پالیا کہ عائشہ یا ہر وہ عورت جو احسان کو دیکھتی تھی اُس کی آنکھون کے جادو سے محفوظ نہین رہ سکتی تھی بشرطیکہ عائشہ نے اُسکی آنکھون کو کبھی ایسی حالت مین دیکھا ہو جیسی حالت کہ اسوقت تھی ... لیکن نہین ....

اس شخص کی روح کو جو اسوقت طوق پہنے کھڑا تھا، جسکے ہاتھون مین لمبی آہنی زنجیر بندھی تھی اور

جو ابھی دروازہ کے اندر کھڑا جلادوں کی طرف استقامت، شجاعت اور مضبوط ایمانی قوت سے دیکھ رہا تھا اب سے بہت پہلے اپنی نمروین آنکھوں کے خاص نور سے پہچان لیا تھا۔ میرے ہاتھوں میں کپکپی پڑ گئی اور سرد پسینہ پیشانی سے رخساروں پہ ٹپکنے لگا۔ شادبخش محمد دیہاتی مجمع کی کمزوری سے واقف ہو گیا تھا اور جس ضعف نے اس کے قلب میں جگہ پکڑ لی تھی اُسنے اسکو پا لیا تھا چنانچہ دیہاتی مجمع کو مخاطب کرکے اُسنے بیان کرنا شروع کیا کہ اگر احسان اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا تو وہ اُن کے گاؤں میں آگ لگا دیگا اور گاؤں کے سارے آدمیوں کو یہانتک کہ عورتوں اور لڑکیوں کو بھی پھانسی پہ چڑھوا دیگا۔

شادبخش محمد کے ان الفاظ نے دیہاتیوں کو تردد میں ڈالدیا اور وہ اُس کی باتوں سے متاثر ہوکر اُس سے نفرت کے بجائے محبت کرنے لگے اُن کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اُنھوں نے شادبخش محمد کی طرف اعتماد کی نظروں سے دیکھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احسان کی زندگی چند لمحوں کی نظر آنے لگی۔

ہم ابھی تردد و انتشار میں تھے کہ ہمارے کانوں میں گھوڑوں کے سرپٹ دوڑے آنے کی آواز پڑی جو دمبدم قریب ہوتی جاتی تھی اس آواز کو سن کر شادبخش محمد کے کان کھڑے ہوگئے اور دیہاتیوں کے مجمع کی حالت یہ ہوئی کہ وہ گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر یہ مجمع حالت انتشار میں بیرونی دروازہ کی طرف بڑھا اور چند لمحوں میں میں نے دیکھا کہ لوگ سخت اضطراب میں مبتلا ہیں اور ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں اور اُن کے پیچھے باقاعدہ ترکی سپاہ کا دستہ ہے جو تیزی سے گھوڑوں پر سوار آرہا ہے۔

چند منٹ کے بعد حالت بدل گئی اور جب میں نے اپنی آنکھوں سے احسان کو محسن بک کے سواروں میں دیکھا جس کے سر سے بدستور خون جاری تھا تو میرے دماغ سے کابوس کی ظلمت رفع ہوگئی میرے دل پر جو بھاری بوجھ رکھا تھا وہ ہٹ گیا لیکن جو واقعات آج میں نے دیکھے تھے میں اُن سے اسقدر متاثر تھا کہ قریب تھا مجھ پر عورتوں کی سی غشی طاری ہو جائے۔ احسان قیام گاہ پہ پہنچکر اپنے خیمہ میں جاکر بیٹھا پٹی اُس کے سر پر بندھی ہوئی تھی اور وہ فوجی افسروں سے گذشتہ واقعہ کے متعلق اس طرح گفتگو کر رہا تھا گویا وہ کوئی اہم حادثہ نہیں ہے۔

محسن بک نے احسان کو مخاطب کرکے کہا۔

ہم سب لوگ سو رہے تھے کہ پہرہ دار کو ایک باریک زنانہ آواز نے متنبہ کیا گویا وہ کسی بچہ کی آواز ہے، یہ

آواز ایک خوبصورت سولہ سالہ لڑکے کی تھی جو چرکسی لباس پہنے تھا، اُسنے کہا

لے جناب افسر۔۔۔۔لے حضور والا

فوراً لڑکے کو میرے پاس لایا گیا اسوقت اُس کی حالت نہایت خراب تھی اور وہ نیم جان ہو رہا تھا دانت سے دانت بج رہے تھے اور ٹھوڑی کانپ رہی تھی اُسنے مجھ سے کہا کہ مین حمزہ بک چرکسی کی جماعت کا آدمی ہون

پھر اُسنے بیان کیا۔

لوگون نے احسان کو گرفتار کرلیا ہے اور وہ اُس کو قتل کرنے والے ہین فوراً اُس کی مدد کو پہنچو لڑکے کا یہ بیان سُنکر ہم فوراً گھوڑون پہ سوار ہوئے اور گاؤن کی طرف چلدئے روانگی کے وقت ہم کو اتنا وقت نہ ملا کہ ہم مزید حالات دریافت کرتے، اگر آپ چاہین تو پہرہ دار سے زیادہ حالات دریافت فرماسکتے ہین کیونکہ وہ ہم سے زیادہ واقف ہے۔

پہرہ دار کو بلایا گیا اور اُسنے اس طرح حالات کو بیان کرنا شروع کیا گویا وہ عدالت کے سامنے بیان دے رہا ہے اُس کی آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے تھے اور آواز مین گھبراہٹ نمایان تھی اُسنے بیان کیا جناب محسن بک کی روانگی کے بعد لڑکا تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھا رہا اُسنے مجھے بتلایا کہ احسان بک نے موضع صاریلہ مین اُس کے ساتھ بڑا احسان کیا تھا پھر وہ (لڑکا) شادیش محمد کے پنجہ مین پھنس گیا اور حمزہ بک چرکسی کی جماعت مین داخل ہوگیا، شادیش محمد احسان بک کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا لیکن یا ین ہمہ دیہات کے اکثر آدمی آستانہ کے لشکر خلافت کے مقابلہ مین ہمارے ساتھ تھے شادیش محمد نے اُن کو بہکایا اور اپنے ڈھنگ پر لے آیا جب اُسکو (لڑکے کو) اُس کمین گاہ کا علم ہوا جسکو دیہاتیون نے احسان بک کو گرفتار کرنے کے لئے تیار کیا تھا تو وہ وہان سے بھاگ کھڑا ہوا اور چھ گھنٹے کی مسافت پیدل طے کرکے یہان ایسی حالت مین پہنچا کہ تکان سے نیم جان اور اضطراب خوف سے مثل مُردہ کے تھا۔

احسان نے پوری توجہ سے پہرہ دار کا بیان سُنا اور اُس کا چہرہ زرد ہوگیا پھر اُسنے کہا۔

وہ لڑکا کہان ہے۔

پہرہ دار۔ وہ نہر کے کنارے جا کر لیٹ گیا تھا اور وہین سوگیا تھا پھر اُسکو بہت تلاش کیا گیا لیکن اُس کا پتہ نہ چلا البتہ نہر کے کنارے ایک چرکسی کوٹ اور جوتے پڑے ملے۔

جب احسان گاؤن کی سرکوبی و تادیب کے لئے سپاہ لے کر گیا ہے اُسوقت مین اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا

سر مین گرانی تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے بظاہر ایسا دیکھتا ہو کہ تادیب سرکوبا کا کام تین دن تک جاری رہا
ایک روز رات کو احسان آیا وہ آہستہ آہستہ آرہا تھا اور اُس کے چھیری کی آواز مین سُن رہا تھا قریب
اُسکے چہرہ پر تکدر کے آثار نمایان تھے اور پٹی پیشانی پر بندھی ہوئی تھی خیمہ مین داخل ہوکر وہ میرے پاس
فرش پر بیٹھ گیا اُس کی آنکھون سے سخت تکان اور اضطراب ظاہر ہو رہا تھا اور وہ کچھ گھبرایا ہوا سا تھا میرے
پاس جُھکر اُسنے کہا۔

گاون کو ہمنے پاک کردیا اور شاداتی مجھ کو اس مقام پر جہان ہمنے اپنے تینون سپاہیون کو دفن کیا
ہے پھانسی پر چڑھادیا۔

مین نے دریافت کیا - اور کدبان ... کدبان کا کیا ہوا۔

احسان - پیامی مین نہین جانتا کہ اُس کا کیا حشر ہوا وہ تمام سبز آنکھون والی عورتون کی مانند ایک
سربستہ راز ہے بلاشبہ وہ ایک حور تھی جو تاریکی مین سے آئی تھی اور تاریکی ہی مین چلی گئی۔

اس کے بعد احسان نے کہا - پیامی ادہر دیکھو تمھارے اعصاب بہت کمزور ہوگئے ہین اور تمھارے
بازو کا زخم اب تک اچھا نہین ہوا ہے اس لئے مین تم کو عسکی شہر بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہون لیکن شرط یہ
ہے کہ تم اپنی عزت کا حلف میرے سامنے اُٹھاؤ۔

مین - احسان کس بات پر حلف اُٹھاؤن -

احسان - اس امر کا حلف اُٹھاؤ کہ جو کچھ یہان پیش آیا ہو اُس سے عائشہ کو آگاہ نہ کرنا۔

مین لیکن احسان وہ شخص جو تم جیسے کام کرے اس امر کو بہت پسند کرتا ہو کہ اُس کے [illegible] کارنامون
کو شہرت دیجائے اور لوگون مین بیان کیا جائے اور خصوصًا اس امر کا بہت شائق ہوتا ہے کہ عورتون
کو اس قسم کے کارنامون کی خبر دیجائے -

احسان - کیا تم اس امر پر حلف اُٹھانے کے لئے تیار نہین ہو۔

مین - کیون نہین احسان مین ضرور حلف اُٹھاؤنگا۔

اس کے بعد مین نے احسان کے سامنے قسم کھائی کہ مین عائشہ کے سامنے کسی بات کا ذکر نہ کرون
گا حلف اُٹھانے کے بعد مین نے احسان کی طرف دیکھا ہان اُس احسان کی طرف جو طمانیت و استقامت
کے ساتھ موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار رہتا تھا اور جو خائن و غدار کو بغیر کسی قسم کی رعایت و چشم

پوشی کے فوراً قتل کر دیتا تھا اسوقت احسان نے دونون ہاتھون سے سر کو پکڑ رکھا تھا اور بچون کی طرح بے اختیار زار زار رو رہا تھا۔

(۹)

داستان کا درمیانی وقفہ

۵ دسمبر ۱۹۲۱ء

آج ڈاکٹر آیا اور دیر تک میرے پاس بیٹھا باتین کرتا رہا اُس کی باتون سے مجھے معلوم ہوا کہ اس ہفتہ کے آخر مین میرا اپریشن (عمل جراحی) کیا جائیگا، آجکل مین ضعف و گرانی اپنے جسم مین محسوس کر رہا ہون اور میرا خیال ہو کہ جس چیز کو میری ہستی کہا جاتا ہو اُس سے مُراد صرف وہ چند تصاویر ہین جو میرے دماغ مین مرتسم و منقوش ہین اور اب اُن کا کوئی ذکر دماغ مین نہین ہو۔ جب وہ حالات جو میرے دماغ مین ہین اس یادداشت مین جسکو مین مرتب کر رہا ہون حوالۂ قلم کیے جاچکین گے اور یہ یادداشت مکمل ہو جائے گی تو میرا دماغ بھی اُسی وقت خالی ہو جائیگا۔

اب مجھے کچھ زیادہ لکھنا باقی نہین ہو صرف سقاریہ کے واقعات لکھنے ہین جو حقیقت مین نہایت اہم واقعات ہین اور اُن کا ذکر اس داستان کا آخری پردہ ہوگا۔

آج جب مین نے اپنی یادداشتون کو دوبارہ دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ بہت سے ایسے واقعات ابھی لکھنا باقی ہین جن کو اُن واقعات کے درمیان داخل کیا جاسکتا ہو جو اب تک لکھے جاچکے ہین اور جو آئندہ لکھے جائین گے یعنی جن کو ایام شورش کی گذشتہ داستان اور سقاریہ کے آیندہ واقعات کے درمیان درج کیا جاسکتا ہو لیکن اب مجھے بجز داستان کے درمیانی حالات کے اور کچھ زیادہ لکھنا نہین ہو، آخری واقعات کے علاوہ جو حالات مجھے اب لکھنا ہین وہ چونکہ داستان کے درمیانی وقفہ کے مشابہ ہین اس لئے مین اس وقفہ مین صرف بعض پُرجوش نغمون کا ذکر کرتا ہون جنہین سب سے زیادہ اہم

عائشہ کے وہ خطوط ہیں جو اُسنے اُس زمانہ میں لکھے تھے۔

آج میں اپنی سرگذشت پر غور کرتا ہوں تو وہ مجھے تعدد کے بجائے ایک ڈراما سے زیادہ مشابہ نظر آتی ہے، کیونکہ ہم نے اپنی زندگی کو اس طرح بسر کیا ہے گویا ہم تھیٹر کے اسٹیج پر تھے کبھی ایک جگہ کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی برابر چلتے رہتے تھے اور پھر کبھی ہم باتیں کرتے اور چلاتے تھے اور کبھی ایک جگہ سے اس لئے اُٹھتے تھے کہ کسی دوسری جگہ جا کر ہیں اور پھر اپنی جان کو فرشتہ موت کے حوالہ کر دیں، یہی وہ واقعات ہیں جنکو داستان کے درمیانی وقفہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

وہ شخص جو بازو پر پٹی باندھے عسکی شہر کے اسٹیشن پر ریل گاڑی سے اُترا میں ہی تھا کیا ایسا نہیں ہے؟ تم اُن مضحکہ خیز خیالات کا کیا اندازہ کر سکتے ہو جو اسوقت میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے، میں اسٹیشن پر کھڑا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سبز آنکھوں والی میری خالہ زاد بہن (عائشہ) میری پٹی بندھے بازو کو کس نظر سے دیکھے گی، معاً میرے قلب میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ زخم جو میرے بازو پر آیا ہو کسی معرکہ میں آیا ہوتا؟ گاڑی سے اُتر کر میں نے ارادہ کیا کہ اسٹیشن سے نکلکر سیدھا ہلالِ احمر کے دفتر میں جاؤں اور دلمیں کہا کہ اگر عائشہ وہاں نہ ہوگی تو دفتر ہلالِ احمر کے آدمیوں کو یہ تو معلوم ہوگا کہ وہ کہاں ہے۔

اسٹیشن سے باہر نکلکر میں نے دیکھا کہ منتظم سپاہ سڑک پر سے گذر رہی ہے اور راستہ بند ہے۔ میں یہ دیکھکر ٹھہر گیا، گرم ہوا جو گرد و غبار اُڑا رہی تھی اُسنے میری نگاہوں سے اُس طویل و متحرک انسانی خط کو جو سڑک پر تھا نیز اُن مکانات کو جو میرے سامنے تھے اوجھل کر دیا میں نے جب غور سے سپاہیوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ پُر جوش نوجوان اور دراز قد بہادر ہیں اور اُن کے آگے آگے باجہ بجتا جا رہا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے جب میں بچہ تھا تو محلہ شیشلی میں یہ معلوم کر کے کہ یہاں سے کسی اجتماع میں شرکت کے لئے فوج گذرنے والی ہے اپنے مکان کے دروازہ پر آ کھڑا ہوتا تھا اور فوج کو دیکھ کر میرے دلمیں ایک عجیب و غریب جذبہ پیدا ہوتا تھا، آج بھی جب میں نے اسٹیشن سے نکلکر عسکی شہر میں اپنی جدید سپاہ کو دیکھا تو میرے دل میں پھر وہی پُرانا جذبہ پیدا ہوا جسکو میں بچپن میں محسوس کرتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ شفاخانہ کے دروازہ پر عائشہ سفید کپڑے پہنے کھڑی ہے اور سر پر سیاہ دوپٹہ اوڑھے ہوئے ہے اور ہمہ تن سپاہ کو دیکھنے میں محو ہے اسوقت اُس کی محویت کا یہ عالم تھا کہ بجز سپاہ کے وہ اور کسی چیز کو نہ دیکھتی تھی، میں قریب گیا اور کہا عائشہ میں آ گیا ہوں۔

عائشہ نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

اہا بیا می تم ہو دیکھو سمرا کی آزاد کرانے کے لیئے مجاہدون کی تعداد کسقدر بڑھ گئی ہے اور اب ہمارے پاس کافی لشکر فراہم ہوگیا ہے۔ ہائین یہ تمھارے بازو کو کیا ہوا؟ تم کہان زخمی ہوئے۔

یہ کہکر عائشہ نے اضطراب انگیز نگاہون سے میری طرف دیکھا اور اظہار تعجب کیا، میرا ارادہ ہوا کہ اپنی ساری حیرت انگیز داستان سُنا دون لیکن مین بدستور سابق خاموش رہا اور جواب مین صرف یہ کہا۔

ایک چھچلتی ہوئی گولی میرے بازو مین لگی ہے اور صرف گوشت اُڑ گیا ہے اور چونکہ زخم کی زیادہ پروا نہ کی اس لئے وہ بڑھ گیا، یہان مین علاج کرانے کی غرض سے آیا ہون اور شفا پانی کے بعد مین انگورہ کے مدرسہ مین چلا جاؤنگا۔ ہان جمال کہان ہے۔

عائشہ۔ جمال یہین ہے شام کا کھانا ہم طاویہ کے ہوٹل مین کھائین گے تاکہ سب وہان یکجا ہو جائین تم بھی ہمارے ساتھ ہوگے اچھا اب آؤ اندر چلین، ہان اور احسان کیا کر رہا ہے؟

مین۔ احسان باغیون اور سرکشون کی بغاوت فرو کرنے مین مشغول ہے۔

عائشہ۔ آہ، وہ غریب الوطن نوجوان احسان! کیا تم کو اُس چھوٹی سی کدبان کی بھی کوئی خبر ملی خدا جانے اس غریب لڑکی پر کیا گذری۔

عائشہ کے آخری سوال نے مجھے مشکل مین ڈال دیا کیونکہ مین اصل واقعہ بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا تھا اور نہ جھوٹ بولنے کی جسارت کر سکتا تھا، مین ایک ایسے شخص کی طرح خاموش ہوگیا جو کسی بُری خبر کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، میری خاموشی نے عائشہ کے مطمئن و ساکن چہرے پر اضطراب کے آثار پیدا کر دیئے اور اُس کی یہ حالت دیکھکر مین نے اپنے دلمین کہا، عائشہ اُن اُمور سے کیون اسقدر پریشان و بدحواس ہو جاتی ہے جنکا تعلق احسان کے قلب سے ہے۔

شام کو ہم ایک میز کے گرد جمع ہوئے جو ہوٹل طاویہ کے ایک گوشہ مین ہمارے لئے خاص طور پر لگائی گئی تھی، جمال نے مخلص دوستون کی طرح حسب عادت میرا استقبال کیا اور ہاتھ ملاتے وقت میرے ہاتھ کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ قریب تھا میرا بازو اُکھڑ جائے پھر اُسنے میرے رخسارون پر دوست صادق اور حقیقی بھائی کی طرح بوسے دیئے لیکن جب ہم کھانے پر آہستہ آہستہ باتین کر رہے تھے تو مین نے جمال کی آنکھون مین غم و الم کا ایک پردہ دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ رنج و غم کے بوجھ مین دبا ہوا ہے بعد مین مجھے معلوم ہوا کہ جس

زمانہ میں یونانی سمرنا کے اطراف میں قبضہ کر رہے تھے اُس وقت اناطولیہ کی شورش میں ایک جماعت ظاہر ہوئی جو دوسرے قصبہ
کے باشندوں نے برضا و رغبت اپنے اپنے گاؤں اور آبادیوں کو یونانیوں کے حوالہ کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت
اور اُس کے شرکاء کار سب کے سب یونانیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے یونانیوں نے سب کو قیدخانہ میں ڈال دیا اور
پھر ایک ایک کو نکال کر گولی مار دی لیکن جمال کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ قیدخانہ کے محافظوں کو ایک
بڑی رقم رشوت میں دیکر بھاگ نکلا اور غیر معمولی چالاکی و مہارت سے یہاں پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں مدافعت اناطولیہ
کا کام بے قاعدہ جماعتوں کے ہاتھوں سے تدریجاً باقاعدہ منظم سپاہ کے ہاتھوں میں آ جا رہا تھا جو حال میں تیار
کی گئی تھی میں پہلے اس جانب اشارہ کر چکا ہوں کہ باقاعدہ سپاہ کے افسر اور خود سپاہ شورش کی بے قاعدہ جماعتوں
سے سخت نفرت رکھتے تھے یہاں تک کہ وہ اُن کو یونانیوں کی طرح اپنا بدترین دشمن خیال کرتے تھے اور اُن پر
دہشت انگیزی، تمرد، سرکشی اور فساد کا الزام بھی لگاتے تھے جب منظم و باقاعدہ سپاہ نے کافی طاقت حاصل کر لی اور
وہ قومی دفاع کے کام میں اس قدر مضبوط و طاقتور ہو گئی کہ اُس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی تو مدافعت اناطولیہ
کا کام ایک دور سے دوسرے دور میں داخل ہو گیا اور باقاعدہ سپاہ نے شورش کی بے قاعدہ جماعتوں اور اُن کے
رہنماؤں کے استیصال پر کمر باندھ لی اور اُن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

ایام شورش اور باقاعدہ سپاہ کی جدوجہد کے درمیانی وقفہ میں جمال اور اُس کے ساتھیوں نے اپنی پوری
قوت اور کامل یقین کے ساتھ وطن کی مدافعت کی خدمت انجام دی اور دور جدید کو وجود میں لانے اور اسکو
قابل طمانیت بنانے میں اُسنے کافی قربانیاں دیں لیکن باین ہمہ وہ اور اُس کے شرکاء کار اس خوف میں مبتلا
تھے کہ کہیں اُن کو خدمت وطن سے علیحدہ نہ کر دیا جائے یا اُن کو آزادی کی اُس سپاہ میں جو یونانی لشکر سے
لڑنے کے لئے تیار ہو رہی تھی داخل ہونے سے منع نہ کر دیا جائے اور پھر وہ فوجی خدمت سے محروم ہو جائیں۔

عائشہ اس زمانہ میں بھی بدستور سابق شورش کے اُن افسروں کی مانند جو آجکل کسی قدر پریشان اور شکستہ
دل تھے نسوانی دور کی نمائندگی کر رہی تھی اُس کے خیال میں شورش کی بے قاعدہ جماعتیں اور باقاعدہ سپاہ
دونوں ایک چیز تھیں اور وہ کہا کرتی تھی کہ سپاہ شورش پسندوں سے پیدا ہوئی اور شورش کو سپاہ نے پیدا کیا گویا
دونوں عنصر اُس کے خیال میں لازم و ملزوم اور ایک دوسرے میں اس طرح داخل تھے کہ اُن کو ایک دوسرے
سے جدا کرنا یا علیحدہ علیحدہ سمجھنا ناممکن تھا۔ دونوں عنصروں کا موجودہ اختلاف اُس کی نسبت عائشہ کی رائے
یہ تھی کہ یہ اختلاف وقتی اور دو بھائیوں کا سا اختلاف ہے اور جب فوجی بگل کی آواز فضا میں پھیلیگی تو سب کے سب

اپنے اپنے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے بلا اختلاف دوڑ پڑینگے۔

عائشہ نے اپنے بھائی جمال کو مخاطب کرکے کہا۔

جمال تم قائد اعظم (افسر اعلیٰ) کے پاس جاؤ وہ کل ہمارے ہاں آیا تھا اور شفاخانہ کا معائنہ کیا تھا میں نے اُس کے چہرہ پہ پریشانی اور طمانیت کے آثار دیکھے وہ تم لوگوں کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے تم اُس سے جاکر ملو اور اپنی حالت صاف صاف بیان کردو، جمال ہاں تم افسر اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کردو کہ تم سب کے سب اپنے وطن کی بہادر بہ پہلو رہ کر مدافعت کروگے۔

عائشہ کے الفاظ نے ہم سب کو خوش کردیا ہم ہوٹل گئے اور وہیں مٹھائی اور فواکہات کی میز پر بیٹھے تھے کہ ہمنے ایک فوجی افسر کے مہمیز کی آواز سنی جو ہماری جانب آرہا تھا دروازہ کھلا اور حشمت بک جس کے ہاتھ میں چابک تھا اندر داخل ہوا اُس کا فوجی لباس اُسی طرح تھا جس طرح میں نے قبل ازیں دیکھا تھا البتہ اُسکی کنپٹیوں کے بال پک گئے تھے اور چہرہ کا رنگ [illegible] سے پختہ ہوگیا تھا۔

کمرہ میں داخل ہو کر حشمت بک نے عائشہ کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور جمال کو خوش کرنے کے لیے اُس کے شانہ پر ہاتھ رکھا پھر ہمارے ساتھ مٹھائی اور قہوہ میں شریک ہوگیا حشمت بک بہت زندہ دل شخص تھا میرے بازو کے زخم کو دیکھکر اُسنے ہنسی مذاق کی کچھ باتیں کیں وہ اسوقت بہت خوش تھا اور مجھے اُس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ جمال اور عائشہ دونوں بہن بھائیوں کا مخلص دوست تھا جب اُس کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ جمال قائد اعظم کے پاس جاکر اپنی خدمات سپاہ میں پیش کرنا چاہتا ہے تو اُسنے کہا کہ وہ بھی اس امر میں کوشش کریگا، اس کے بعد ہم سب ہوٹل سے نکلے۔ عائشہ کو ہم نے شفاخانہ میں پہونچادیا اور پھر ہم اُس طویل سڑک سے جس سے میں مانوس ہوگیا تھا روانہ ہوگئے دونوں پہلوؤں میں دونوں سپاہی (جمال اور حشمت بک) تھے اور میں اُنکے درمیان چل رہا تھا۔

اس کے بعد میری زندگی تھیٹر کے اسٹیج کے اُس وقفہ سے مشابہ بسر ہوئی جو موسیقی کی خاموشی اور کھیل کے درمیان ہوتا ہے کیونکہ میں دفتر میں کام کرنے لگا تھا اور کبھی ایک صیغہ میں کام کرتا تھا اور کبھی دوسرے محکمہ میں منتقل ہوجاتا تھا پھر میں انگورہ کی وزارت جنگ میں ایک منصب پر مامور ہوا اور اس طرح زندگی بسر کرنے لگا کہ کبھی ایک میز پر کام کرتا تھا اور کبھی دوسری میز پر چلا جاتا تھا پھر کبھی ایک جگہ سے دوسری جگہ کو تبدیل کردیا جاتا تھا میرا کام صرف یہ تھا کہ میں سرکاری کاغذات کو الٹ پلٹ کرتا رہوں۔

عائشہ مجھے بہت کم خط لکھتی تھی لیکن دوسرے ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ جمال کو قائم آلائی (افسر جمعیت)
کا منصب مل گیا ہے اور حشمت بک بھی قائد فرقہ (افسر دستہ) کے عہدہ پر مامور کیا گیا ہے عائشہ ابھی تک عسکی شہر
ہی میں تھی اور لوگ اسکو وہاں بہن عائشہ، بہن عائشہ کہا کرتے تھے پھر معلوم ہوا کہ احسان کو بھی قائم آلائی
(افسر جمعیت) کا منصب تفویض ہوا ہے۔

ان ایام میں میرے۔ اور میری حقیقی زندگی کے درمیان ایک کثیف حجاب حائل ہو گیا تھا، میں پردہ
کے اِدھر تھا اور وہ اشخاص (رجال۔ عائشہ اور احسان) پردہ کے اُدھر تھے۔ معلوم پردہ کے اُدھر وہ سبز
آنکھیں کیا کر رہی تھیں جو زندگی کا مرکز وحید اور روح کے قیام کا واحد حامل تھیں، گرمیاں گذر گئیں اور
موسم سرما آ گیا لیکن میں اُسی طرح اُن سے جدا ہوں جس طرح پہلے تھا۔

ان ایام میں "این ادنی" کا پہلا معرکہ وقوع میں آیا اور وزارت جنگ نے ایک خاص مہم پر مجھے اینا
بولی روانہ کیا عرصہ تک میں اینابولی کے ساحل پر خبریں حاصل کرنے کے کام پر مامور رہا لیکن ایک ایسے
کام کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جسکا دارومدار محض اخبارات کو الٹ پلٹ کرنے اور کاغذوں کو سیاہ کرنے پر ہو
جب میں اینابولی کے سواحل سے واپس ہو کر انگورہ پہونچا ہوں تو مجھ پر اناطولیہ کے محاسن اور عجائبات کا
کوئی اثر نہ تھا اس لئے کہ میرا قلب اُن لوگوں کی یاد میں محو و مشغول تھا جو میرے سامنے والے پردہ کے
اُدھر تھے۔

"این ادنی" کے دوسرے معرکہ کے زمانہ میں تنہا میں اپنے سفر سے واپس آ گیا تھا واپسی پر مجھے معلوم ہوا
کہ احسان اور جمال انگورہ آئے تھے اور واپس چلے گئے اس زمانہ میں عائشہ نے جو خطوط مجھے لکھے وہ
خشک اور پھیکے یا بیجان جسم کے مانند تھے کیا آجکل عائشہ بھی میرے مانند خالی الذہن تھی این ادنی کے
دوسرے معرکہ کے زمانہ میں عائشہ نے مجھے دو خط تھیٹر کی اُس تجربہ گاہ سے لکھے جہاں آزادی کا ڈراما کھیلنے کی
لوگ مشق کر رہے تھے یہ دونوں خط اُن شگافوں سے بہت مشابہ تھے جو تھیٹر کے پردوں میں اس لئے رکھے
جاتے ہیں کہ ایکٹر اُن سے تماشائیوں کو دیکھ سکیں انہیں شگافوں سے آج میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ اُن
واقعات کو دیکھوں جو پردہ کے اُدھر وقوع میں آ رہے ہیں۔

عائشہ کے خطوط

(۱) از عسکی شہر "این ادنی" کا دوسرا معرکہ شروع ہوا اور ختم ہو گیا اور اس طویل مدت میں مجھے تمھارا

کوئی خبر نہ ملی مجھ سے کسی نے بیان کیا تھا کہ تم سفر میں ہو میری حالت یہ ہے کہ ابن آدنی کے پہلے معرکہ کے بعد میں روحانی اور جسمانی تکان اپنے جسم میں محسوس کر رہی تھی لیکن دوسرے معرکہ کے بعد یہ تکان رفع ہوگیا اور ساری تکلیفیں جاتی رہیں۔

ابن آدانی کے پہلے معرکے کے وقوع میں آنے سے قبل تم ہمارے درمیان تھے یہ معرکہ باقاعدہ فوج کا پہلا معرکہ تھا جس میں منظم سپاہ نے سمرنا کی آزادی کے لئے کامیابی کے ساتھ جنگ کی اس معرکہ کے دوران میں میں نے محسوس کیا کہ ہماری سپاہ بچھڑے ہوئے بہادروں کی اولاد ہے جو دشمنوں میں گھر جانے سے محفوظ رہ کر میدان میں آئی ہے اور پہلی مرتبہ جنگ میں شریک ہوکر کامیابی حاصل کی ہے۔

ہمارا شفاخانہ اس معرکہ میں مکمل اور عمل جراحی کے قابل نہ تھا لیکن دوسرے معرکہ میں ہم نے اپنے شفاخانہ کی کمزوریوں کو دور کرکے مکمل کرلیا اور عمل جراحی کا تمام سامان بہم پہونچا لیا اور اس معرکہ میں ہم نے کافی خدمات انجام دیں زخمی کثرت سے ہمارے شفاخانہ میں آتے تھے اور اگرچہ ان کے زخم خطرناک قسم کے تھے لیکن ہم پوری محنت سے ان کا علاج کرتے تھے۔

"ابن آدنی" کے دوسرے معرکہ میں بہت سے سپاہیوں سے ہماری شناسائی ہوگئی اور آئندہ جب ہم یونانیوں سے کسی مقام پر لڑیں گے تو میں کوشش کروں گی کہ سپاہ کے ساتھ سفری شفاخانہ میں۔ میں بھی جاؤں۔ واقعہ یہ ہے کہ باقاعدہ سپاہ ایک اطاعت شعار طاقت ہوتی ہے نہ تو سرکشی اس میں ہوتی ہے نہ چیخ و پکار اور نہ بیجا تفاخر و غرور اسی طرح باقاعدہ سپاہ کے اندر مسکرات اور بارود کی دماغ کو پراگندہ کردینے والی وہ بو ہوتی ہے جو بے قاعدہ جماعتوں میں پائی جاتی تھی اور نہ وہ فحش و بدگوئی .... آہ اسوقت مجھے مسکین احمد تقی یاد آگیا۔

میں اپنے وقت کا زیادہ حصہ عملی جراحی کے کمرہ میں گذارتی ہوں یا میں ہمہ تن شفاخانہ نے زخمی سپاہیوں کا ایک کمرہ بھی میری نگرانی میں دے رکھا ہے جب سے محکمہ حفظان صحت نے نئی چارپائیاں تیار کرائی ہیں میرا دل بے اختیار دھڑک رہا ہے اور میں اپنے دل میں کہہ رہی ہوں یا اللہ دیکھئے اب کون کون لوگ شفاخانہ میں زخمی ہوکر علاج کے لئے آتے ہیں، ہمارا شفاخانہ اسوقت دلہن کا سا گھر بنا ہوا ہے ڈاکٹر لوگ بھی میری طرح پریشان ہیں اور تیاریاں برابر جاری ہیں۔

جسوقت مجردین کا پہلا قافلہ عسکی شہر پہنچا ہے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش تم عسکی شہر میں

ہوتے، عسکی شہر کا اسٹیشن کثرت اژدحام سے میدان محشر معلوم ہوتا تھا جب ہم نے اُن لوگوں کو دیکھا جو پالکیوں اور ڈولیوں پر ڈال کر لائے جا رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کسی دوسرے عالم (ملاءِ اعلیٰ) کی مخلوق ہیں اور یا یہ کہ عوام زخمیوں کو محبت و ہمدردی کی نظر سے دیکھ رہے تھے لیکن زخمیوں کو اس کی پروا بھی نہ تھی وہ اُن بچوں کی مانند تھے جن کو اپنی کوئی پروا نہیں ہوتی سب سے پہلے ہمارے پاس میدان جنگ کی پچھلی لائنوں کے زخمی پہنچے ہم اُن کو اُن کی پالکیوں سے چائے کے کمرے میں لے گئے لیکن اُن میں سے کسی ایک کو بھی چائے پینے کی خواہش نہ تھی اُنھوں نے چائے کی پیالیوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کو کہاں رکھیں۔

اِن زخمیوں میں ایک شخص تھا جس کا بڑا سر اور گندم گوں رنگ تھا اور جو اپنی پٹی بندھی ران میں درد سے شاکی تھا اُس نے ایک تیماردار کو بُلا کر کہا کہ وہ اسکو ٹانگ سیدھی کرنے اور پھیلانے میں مدد دے، تیماردار ایک فوجی سپاہی اور نہایت رحمدل تھا، جنگ اور زخموں نے اُس کے قلب میں ہمدردی، شفقت اور ضبط کے جذبات پیدا کر دیے تھے جیسا کہ عام طور پر ترکی سپاہیوں کی شان ہو اُسنے فوراً عورت کی طرح اپنے آغوش کو کھولا اور مجروح سپاہی کو گود میں لے لیا اور پاؤں پھیلانے میں اُسکو مدد دی پھر اُسنے پوچھا

بھائی تم کہاں مجروح ہوئے۔

زخمی۔ خچر نے لات ماری اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔

شفاخانہ میں ایک شاویش (سارجنٹ) ہے گندم گوں رنگ اس کے پاؤں اور پیٹ میں زخم آیا ہے اسکا سر شیر کا سا ہے اور وہ اُس کمرہ میں آرام کر رہا ہے جو عمل جراحی کے کمرہ سے ملحق ہو۔ میں جب کمرہ میں داخل ہوتی یا باہر جاتی تھی اُسپر میری نظر ضرور پڑتی تھی اور وہ ہر دفعہ مجھ سے پانی مانگتا تھا، اُس کی زبان سے اکثر یہ الفاظ نکلتے تھے " آہ کاش موت مجھے نہ آئے " یہ الفاظ سنکر میں اپنے دل میں کہتی کوئی خاص بات ہے کہ یہ مجروح زندگی کو محبوب رکھتا ہو جب میں اُس کے پاس پانی لیکر جاتی اور پانی پلانے کے لئے اُس کا سر اُٹھاتی تو بے اختیار اُس کی زبان سے " میری خدیجہ ۔۔۔۔ میری پیاری خدیجہ ۔۔۔۔ کے الفاظ نکل جاتے جس رات کو مجروحین شفاخانہ میں داخل ہوئے ہیں رات بھر وہ اپنی اپنی فکروں میں محو، اور خیالات میں منہمک رہے لیکن دوسرے روز تک سب خوش اور مسرور تھے۔

دوسرے دن مجروحوں کی وہ جماعت آ پہنچی جسکا تعلق میدان جنگ کی اگلی صفوں سے تھا اسکے زخم

گہرے اور خطرناک تھے ان زخمیوں کی پالکیوں اور ڈولیوں سے شفاخانہ کا سارا صحن دروازہ سے دالان اور عمل جراحی کے کمرون تک بھرا ہوا تھا اور راہ آمد و رفت بند ہو گئی تھی یہان تک کہ شفاخانہ کا پارک تک ان زخمیون سے بھر گیا تھا ان مین بہت سے ایسے تھے جو اپنی اپنی پالکیون سے اٹھ اٹھ کر لنگڑاتے اور مجروح عضو یا شکستہ بازو کو ہاتھ سے تھامے عمل جراحی یا مرہم پٹی کے کمرون تک چلے آئے تھے اور نہایت ضابطہ تھے افسرون مین سے جو لگ آئے تھے انھون نے کسی قسم کی شکایت ظاہر نہین کی اور نہایت طمانیت سے زخمون کی مرہم پٹی کرائی انکے چہرے جو شجاعت و وقار کا نمونہ تھے خون۔ کیچڑ اور بارود سے لتھڑے ہوئے تھے اور یہ سب کے سب سگرٹ پی رہے تھے۔

زخمی سپاہیون مین دو فریق ہین ایک فریق بچون کی مانند ضدی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ شفاخانہ کے تمام ملازم وکارکن صرف اسی کی خدمت کرین ان مین سے جب کسی کے دوست یا افسر کے شہید ہونے کی خبر آتی ہے تو وہ چلا چلا کر روتے ہین ۔ دوسرے فریق کے لوگ پہاڑی چٹانون کی مانند مستقل مزاج و صابر ہین انکے قلوب فراخ وکشادہ اور چہرے تصویر کی پلیٹ کے مانند صاف و چمکدار ہین جن پر ان کی شجاعت و بسالت کی تصاویر نمایان ہین ان کے سرون پر چاند اور تارے کی خون مین لتھڑی ہوئی ٹوپیان ہین اور باوجود زخمی ہونے کے ان کے چہرون پر تغیر و تاثر کا کوئی نشان نہین یہان تک کہ ان کی نگاہین تک ثابت اور پرسکون ہین۔

شام تک ہم مرہم پٹی کے کامون مین مشغول رہتے تھے اور آفتاب غروب ہونے پر اپنے کام کو ختم کر دیتے تھے کام ختم کر کے مین بڑے کمرے مین چلی جاتی تھی اور سپاہیون سے صداقت و دوستی کے روابط قائم کرنے کی کوشش کرتی تھی سپاہیون مین اکثر سارجنٹ کے عہدہ کے لوگ ہوتے تھے ہماری سپاہ مین سارجنٹ کا عنصر ایک زبردست اور قوی عنصر ہے اور ان مین سے ایک بھی ایسا نہین جو کبھی تکلیف یا شکایت کا لفظ اپنی زبان سے نکالتا ہو یہ طبقہ نفاست پسند اور اعلیٰ تربیت یافتہ ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کا مغرور بھی ہے اور کسی معمولی سپاہی یا تیماردار سے بات تک کرنا پسند نہین کرتا جب ان مین سے کسی کے قریب کوئی سپاہی زخمون کی تکلیف سے کراہتا تھا تو وہ ترشروئی اور درشت مزاجی کے انداز سے اسکو مخاطب کر کے کہتا تھا۔

لڑکے خاموش رہو اس طرح کی فضول باتین سپاہی کے شایان نہین ہین۔

جب مین ان لوگون کے کمرے مین داخل ہوتی تو وہ اپنے اپنے بسترون پر سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے اور پُر اثر انداز مین مجھ سے دریافت کرتے۔ "بہن سیدہ کہو جنگ کی کیا خبرین ہین"

شفاخانہ کے سامنے سے جب سپاہیوں کا کوئی دستہ گذرتا تو ان زخمیوں میں سے جو لوگ چلنے پھرنے کے قابل ہوتے وہ کھڑکیوں اور دروازوں پر جمع کھڑے ہوتے اور سپاہیوں کو جاتے دیکھکر دل کو خوش کرتے آج صبح میں نے ایک دستہ فوج کے سامنے دو سپاہیوں کو دیکھا جنکو دیکھکر بے اختیار میرے دل میں اُن کی جگہ پیدا ہوگئی یہ امر قابل تشریح نہیں ہو کہ افسران سپاہ فوج کی صفوں میں سب سے آگے اُن لوگوں کو رکھتے ہیں جو دراز قد۔ خوبصورت اور مضبوط جسم کے ہوتے ہیں ان دونوں سپاہیوں میں سے ایک مقدونیہ کا رہنے والا تھا سرخ رنگ اور دراز قد یہ دستہ سپاہ جب کوئی رجز یا گیت گاتا تو سب سے پہلے یہی شخص رجز یا گیت کو شروع کرتا اور بقیہ سپاہی اُسکا ساتھ دیتے تھے چنانچہ دستہ مذکور نے ہمارے شفاخانہ کے سامنے سے گذرتے ہوئے یہ رجز شروع کیا۔

آؤ۔ اور ہمارے ساتھ آگے بڑھو۔ تاکہ ہم سب ملکر مقدونیہ پر حملہ کریں۔

کس کو معلوم ہو کہ اس سپاہی کے قلب کا کونسا ٹکڑا مقدونیہ میں مدفون ہو کہ وہ مقدونیہ پر حملہ کرنے کی آرزو رکھتا ہی اور لوگوں کو حملہ کرنے کے لئے بلاتا ہو۔

دوسرا سپاہی جو دستہ کے آگے آگے تھا ایک اناطولی جوان تھا اسکا چہرہ اس قدر صاف و چمکدار تھا جیسی کہ تصویر کی پلیٹ ہوتی ہو اور قد اتنا دراز کہ اس کی خاکی رنگ چاند اور تارہ والی ٹوپی دستہ کے تمام سپاہیوں سے بقدر ایک بالشت زیادہ اونچی تھی اُس کی آنکھوں کا حلقہ اُس کی ٹوپی کے چاند سے بڑا اور آنکھیں چاند سے زیادہ چمکدار تھیں جنکا رنگ زردی مائل تھا یہ جوان اتنا خوبصورت اور اس کی آنکھیں اتنی دلکش تھیں کہ انسان کے تصور میں نہیں آسکتیں البتہ فسانوں یا ڈراموں میں ایسے حسن و جمال اور آنکھوں کا ذکر پایا جاتا ہے اُس کے توی مضبوط اور موٹے بازو سرخ جھنڈے کو اُٹھائے ہوئے تھے اور وہ محو و بیخود یہ رجز پڑھتا چلا جاتا تھا۔

"عزت و عظمت کے جھنڈے تو ہمیشہ قائم رہیگا + ہم تجھکو بلند کیے ہوئے دشمن کو ہزیمت دینگے اور تجھ پر اپنی جانیں فدا کردینگے" شفاخانہ کے مجروحوں نے اس رجز کو سنا اور بے اختیار وہ بھی اسکو گانے لگے اور اسی قسم کے اور رجز بھی اُن کی زبان سے سُنے گئے میں اسوقت محسوس کر رہی تھی کہ میرا دل اس قومی جھنڈے کی محبت و عظمت سے بھرا ہوا ہے اور یہ جھنڈا چاروں طرف سے مجھے گھیرے ہوئے ہو اور میرے قلب میں اسکی محبت خلش پیدا کر رہی ہو پھر بے اختیار میری آنکھوں سے گرم گرم آنسو جاری ہوگئے جو بالکل بچوں کے آنسو دن

سے مشاہد تھے۔

جہاں پر میں کھڑی ہوئی اس منظر کو دیکھ رہی تھی وہیں ایک شادلش بھی کھڑا تھا جو میرے بہت قریب تھا اس شادلش نے نہ تو زجر میں شرکت کی اور نہ اُس کی زبان سے کوئی حرف نکلا وہ خاموش کھڑا تھا اور اُس منظر کو کچھ دیر تک قبول کئے بغیر دیکھ رہا تھا آخر جب میں اسکا سبب دریافت کرنے کے لئے اُس کی طرف متوجہ ہوئی تو میں نے اُسکو بیٹھا ہوا اور زار زار روتا ہوا پایا میں نے پوچھا۔

شادلش حسین کیوں۔ کیا بات ہے تم روتے کیوں ہو۔

شادلش حسین نے جواب میں بتلایا کہ جھنڈے کے رنگ نے مجھے بردسے کے ایک نوجوان کو یاد دلایا جو ہمارے دستہ کا علمبردار تھا اُس کا قد صنوبر کی مانند تھا جب ہم متریس پہاڑی کی چوٹیوں کے قریب لڑ رہے تھے تو وہ جھنڈا لئے میرے پاس کھڑا تھا کہ اچانک وہ اس طرح گرا جس طرح زمین پر درخت گرتا ہے اور شہید ہو گیا پیارے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ احسان مجروح ہوا اور آجکل ہمارے شفاخانہ میں ہے اور میں اس کی تیمارداری کر رہی ہوں میڈم طادیہ بھی احسان کی خبرگیران رہتی ہے اب اُس کی حالت اچھی ہے۔ جمال کا ایک خط مجھے ملا ہے حشمت بک کا زخم اچھا ہو گیا ہے اور آستانہ میں جو لوگ ہمارے ساتھی تھے اُن میں سے اسوقت صرف سیفی ہمارے درمیان نہیں ہے اُس کی نوجوان دلہن کے خط میرے پاس آتے رہتے ہیں جنمیں وہ سیفی کا حال دریافت کرتی ہے۔ میں اُسکو کیا جواب دوں میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم برابر خط لکھتے رہو۔

عائشہ

عائشہ کے خط کو پڑھ کر میں حیرت میں رہ گیا کیونکہ اُسمیں احسان کا ذکر نہایت مختصر الفاظ میں کیا گیا تھا اور اپنے دلمیں میں نے کہا " کیا احسان اس درجہ عائشہ کی نظروں میں خفیف ہو گیا ہے کہ وہ اُس کا پورا حال بھی نہیں لکھتی " دوسری بات اس خط میں یہ عجیب تھی کہ عائشہ نے اسمیں حشمت بک کا بھی جو زخمی ہوا تھا کوئی ذکر نہیں کیا تھا حالانکہ اُسکا خط سپاہیوں اور سپاہ کے سارجنٹوں کے ذکر سے بھرا ہوا تھا، کیا عائشہ ان دونوں فوجی افسروں کو سپاہیوں سے بھی کم وقعت خیال کرتی تھی۔

(۲)

اس کے بعد عائشہ کا دوسرا خط مجھے ملا جو اُسنے کوتاہیہ کی جنگ کے زمانہ میں جنگی محاذ سے لکھا تھا اس خط کو پڑھ کر میری حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا اور مجھکو یہ رائے قائم کر لینی پڑی کہ عائشہ کے قلب و دماغ

میں اب بجز سنو کے کسی اور چیز کی تشفی گنجائش نہیں پاتی ہوں۔ عائشہ نے اپنے اس مختصر خط میں لکھا تھا۔
میں انگورہ گئی تھی اور وہاں ضروریات زندگی لے کر واپس چلی آئی۔ ان ایام میں جمال انگورہ ہی میں مقیم تھا۔
انگورہ میں مجھے بتایا گیا کہ تم کہیں باہر گئے ہوئے ہو واپس آکر میں احسان سے ملی جنہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ
انگورہ کی آب و ہوا اس کے لئے بہت مفید ہے انگورہ میں اس کے کچھ عزیز و اقارب بھی ہیں جو مسرت و راحت کا
سب سے بڑا ذریعہ ہوتے ہیں اور وہ ان میں رہ کر بہت خوش رہا ہے اور اس کی صحت عود کر آئی ہے انگورہ
میں احسان کے چند عزیز ہیں ان کو اس نے بہت کبھی ذکر نہیں کیا۔ بہر حال وہ انگورہ سے سیدھا اپنی سپاہ
میں چلا گیا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگورہ کے قیام میں مجھے بخار ہو گیا تھا اور میں اپنے جسم کے ہر حصہ میں حرارت
اور تمدد پاتی تھی لیکن جب تک کہ حشمت کے ہمراہ کابل شفاخانہ ہو گئی میں نے اپنی علالت کا کسی سے ذکر نہیں کیا
جب ہم نے حشمت بک کو گاڑی میں سوار کرا دیا اور وہ چلا گیا تو میں کئی روز تک بستر پر پڑی رہی جمال ان
ایام میں سواروں کی رجمنٹ میں جنوبی علاقہ میں تھا اور میری حالت یہ تھی کہ دو دو روز اچھی اور دو دو روز
بیمار، علالت کے زمانہ میں میڈم طاؤتیہ میری تیمارداری کیا کرتی تھی۔

خط ۱۷ میں۔ میں کچھ ایسے آثار محسوس کر رہی ہوں جن سے بڑے بڑے معرکوں کے وجود میں آنے کا
یقین ہوتا ہے اگر اس محاذ پر جنگ چھڑ گئی تو میں فوراً اپنی خدمت کو انجام دینے کے لئے اسی طرح تیزی
سے روانہ ہو جاؤں گی جس طرح حملہ کا بگل سن کر افسر فوج کا گھوڑا آگے بڑھنے کے لئے بےچین ہو جاتا ہے۔
سپاہ جب شفاخانہ کے سامنے سے گذرتی ہے تو میڈم طاؤتیہ کھڑکی سے اسکو ضرور دیکھتی ہے سپاہ کو دیکھکر
بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور وہ ان کو کپڑے سے پاک کرتی ہوئی کہتی ہے
"آہ! کتنی ماؤں کے آنسو اب تک جاری ہونگے . . . آہ یہ جوان سب کے سب کس قدر خوبصورت ہیں۔
ان کا یہ حسن و جلال کس کے لئے ہے اور یہ اسقدر خوبصورت کیوں ہیں"
عائشہ

(۳)
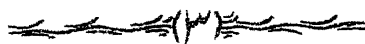
آخری خط جو عائشہ کی طرف سے مجھے ملا وہ "لولادلی" سے آیا تھا اسمیں لکھا تھا کو تاہیہ کی جنگ
میں ہم کو بہت سے مصائب و متاعب سے سامنا کرنا پڑا لیکن تم مایوس نہ ہونا میں مایوس نہیں ہوں۔

سابق حالات کو لکھنے کے بعد جو کہ شروع ہوئی ہیں، آغاز جنگ کے وقت میں بیہوشی اپنے بستر
پر پڑی تھی ہوا تیز تھی اس پر میں اضطراب انگیز استغراق میں تھی اس لیے یہ ہوا تھے اور گراں گذر رہا
تھی ان ایام میں کوئی حالت اور عجیب قسم دماغ نے میرے قلب کو پاش پاش کر دیا تھا بخار کی شدت
کا یہ عالم تھا کہ میرے دل و دماغ ماؤف ہو گئے تھے اور میں بستر پر پڑی پڑی یہ سمجھ رہی تھی کہ میں اپنے زخمیوں
کی تیمارداری کر رہی ہوں، کبھی یہ تصور بھی بندھ جاتا تھا کہ میں شفاخانہ کے زینہ پر چڑھ رہی ہوں اور آپریشن
ہو رہا ہے کہ قتل دراز کے قریب میں ڈاکٹروں کے پاس کھڑی ہوں، ڈاکٹر کسی کا بازو کاٹ رہے ہیں کسی کی
ران سیا کی جا رہی ہے کسی کے سر میں اور شیشہ کو چاک کیا جا رہا ہے اور گولیوں کے ریزے نکالے جا رہے ہیں
پھر اسی تصور میں ان احکام کو بھی سنتی تھی جو ذیل کے الفاظ میں ہوتے تھے۔

بہن عائشہ روئی لاؤ۔ بہن عائشہ کلورافارم (بیہوش کرنے کی دوا) لاؤ۔ بہن عائشہ مجروح کے سر کو ذرا اچھا
رکھو۔ میں اسی عالم مدہوشی میں یہ بھی خیال کرتی تھی کہ ہماری ساری سپاہ مجروح ہو گئی ہے اور ہمارے شفاخانہ
میں علاج کے لئے داخل ہوئی ہے اور سارے مجروح میرے ہاتھوں میں رہ چکے ہیں کبھی کبھی دل و دماغ میں
یہ بھی تصور بندھ جاتا تھا کہ بہت سے نوجوان فوجی افسروں کے سینے ننگے اور اس خون سے جو ان کے زخموں سے
بہ رہا ہے لتھڑے ہوئے ہیں اور ان کے چہروں پر تکالیف اور آلام کی شدت سے جھریاں پڑ گئی ہیں اور ہم ان
کے قوی اجسام میں سے ان کے اعضا کی قطع و برید میں مشغول ہیں، بہت سے وہ سپاہی جو مضبوط و توانا
اور بلوط کے درختوں کی مانند قوی و دراز تھے اور جن پر مصائب و حوادث کی آندھیاں کوئی اثر نہ ڈالتی تھیں
جب ان کا اپریشن ہوتا تھا تو بے اختیار ان کی زبان سے آہ نکل جاتی تھی اور میں اسکو کراہتا ہوا پاتی تھی

پیارے تم کو یاد ہوگا کہ جب تم آستانہ میں کسی اناطولی خادم پر یا کسی اناطولیہ کے سپاہی پر خفا ہوتے
تھے تو ان کو برا بھلا کہتے ہوئے تم "بلوط کی لکڑی" کہا کرتے تھے اب اناطولیہ کے سپاہیوں کی تیمارداری
کے ایام میں اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ میں بخار میں مبتلا ہوں میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ جن الفاظ
سے تم اناطولیوں کی حقارت کرتے تھے درحقیقت وہ الفاظ اس امر کا مدلل ثبوت ہیں کہ اناطولیہ کے آدمی
نہایت سخت اور مستقل مزاج ہیں نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ اعصاب اور روحانی قوت کے اعتبار سے بھی گویا
تمہارے وہ حقارت آمیز الفاظ اناطولیہ کے نوجوانوں پر صحیح معنی میں صادق آتے ہیں اور وہ فی الحقیقت بلوط
کے درخت کی مانند ہیں میں محسوس کر رہی ہوں کہ اناطولیہ کی سپاہ ایک ایسے گنجان اور بڑے جنگل سے مشابہ ہے

جسمین کثرت سے بلوط کے درخت ہون جو تند جھونکون سے خمیدہ ہو گئے ہین اور تیز ہوائین انکو جھکا سکتی ہین
ہماری جماعت یعنی فرزندان سحرا کے عادات و خصائل مشرقی اور وسطی اناطولیہ کے باشندون سے بالکل مختلف
ہین میری نظر مین باشندگان سحرا اپنے گندم گون چہرون نیلی آنکھون اور خوبصورت و نازک اجسام کی حیثیت
سے صنوبر کے اُن نازک درختون سے مشابہ ہین جو ہلکی ہلکی ہوا سے بھی اتھل پتھل ہو جاتے ہین۔

لیکن استنبول کے لوگ اُن کا رنگ صاف و شفاف ہوتا ہے وہ جسم کے مضبوط اور وہ ترقی یافتہ مخلوق کا ایک نمونہ
ہین اگر ہم بلوط کے درخت کی مضبوطی کو صنوبر کی نزاکت و خوبصورتی سے شامل کر دین اور ان دونون سے ایک ایسا
درخت بنائین جسمین دونون کے خصائل و اوصاف پائے جاتے ہون تو مین اس درخت کا نام درخت استنبول
قرار دونگی کیونکہ استنبول کا باشندہ ایسا ہی مضبوط و سخت ہوتا ہے جیسا کہ اناطولیہ کا آدمی اور پھر اسکے ساتھ ہی
اتنا نازک و خوبصورت بھی جتنا کہ سحرا کا ایک باشندہ ہوتا ہے۔

اوپر کے الفاظ مین جو صفات مین نے بیان کئے ہین اُن کے علاوہ استنبول کی مخلوق ذی حس کو فطرت نے
زیادہ سے زیادہ خوبیون کی عزت بخشی ہے۔ خوبصورت آستانہ سے ہان اس آستانہ سے جو ترکی خواب کی روح اور
ہزارون قسم کے رنگون سے مرکب ہے اُن تمام خوبیون اور برائیون کو بھی حاصل کیا ہے جو وہان پائی جاتی ہین،
مذکورۂ بالا خیالات نے میرے دل و دماغ مین ایک اور صورت کا تصور پیدا کر دیا ہے یعنی مین اپنے لشکر کو ایک ایسے
وسیع جنگل سے مشابہ پاتی ہون جسمین کثرت سے بلوط کے درخت ہین اور اُس کے بعض اطراف مین ادہر اُدہر
بہت سے صنوبر[ع] اور سرو کے درخت بھی پائے جاتے ہین پھر اس جنگل کا سایہ ہمیشہ رہتا ہے اور اس کے درختون
کی شاخین اسقدر مضبوط ہین کہ کبھی متزلزل نہین ہوتین اور اُن کی پھننگون پر اُمیدون کے پھول پھل لگے
ہوئے ہین ہان وہ پھول اور پھل جو مصائب و خطرات کو ہلکا اور دور کر دیتے ہین۔

یہ وسیع جنگل سامنے کھڑا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ وسیع دنیا جو ہمارے پیش نظر ہے اپنی کلہاڑیون
سے اس کے درختون کو ہان بڑے بڑے درختون کو کاٹنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن جو درخت کٹ کر گرتا ہے
اُسکا تخم زمین پر گر کر خاک مین ملجاتا ہے اور پھر اس سے ایک اور مضبوط جنگل کھڑا ہو جاتا ہے جسمین کثرت سے درخت
ہوتے ہین اور پہلے جنگل سے زیادہ مضبوط و سخت ہوتے ہین اس خیالی دنیا مین سیر کے بعد مین نے محسوس کیا

ع، صنوبر اور سرو کے درختون سے اسجگہ وہ خواتین مراد ہین جو ترکی سپاہ مین داخل تھین ۱۲

کرمین غفلت و مدہوشی کی حالت مین بلند آواز سے یہ الفاظ کہہ رہی ہون۔
یہ نیا جنگل ع جو سابق جنگلون کے درختون کے بیجون سے پیدا ہوگا عنقریب سمرنا مین داخل ہوگا ایک روز
رات کے وقت نیند کی بیہوشی مین مین نے محسوس کیا کہ یونانی سپاہ میڈم طاویہ کے ہوٹل پر مست و مخمور حالت مین
حملہ کر رہی ہے ان یونانی سپاہیون کے کالے کالے اور گندے بال ان کی کنپٹیون پر پڑے ہین اور خون ان کی
آنکھون کے گرد محیط ہے وہ چلا رہے ہین اور پیانو (باجہ) کے صندوق پر کھڑے گا بجا رہے ہین مین اسی حالت
مین تھی کہ توپ کے ایک گولے نے اور اُس کی اُن گولیون کی آواز نے جو اُس مین سے نکلی تھین اور جن سے ہوٹل
کی دیوارین ہل گئی تھین مجھے بیدار کر دیا فوراً مین بستر سے اٹھی اور زینہ کے جانب دوڑی کیا دیکھتی ہون کہ مسکین
بڑھیا (میڈم طاویہ) زینہ سے افتان و خیزان اُتر رہی ہے اُس سے مجھے معلوم ہوا کہ دشمن کے ہوائی جہاز ونے
ہم پر حملہ کر دیا ہے اور شفاخانہ کے منتظمین نے بعض خاص مریضون کو یہان سے منتقل کر دیا ہے اور شہر کو خالی
کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے بڑھیا نے مجھ سے خواہش کی کہ مین اُس کی مدد کرون فوراً مین نے کپڑے پہنے اور شفا
خانہ کی طرف روانہ ہوگئی، راستہ مین مین نے دیکھا کہ اسٹیشن بجلی کی روشنی سے جگمگا رہا ہے اور بار برداری
کے سپاہی اپنے خچرون کے پہلو بہ پہلو اور اُن گاڑیون کے ساتھ جنکو بیل کھینچ رہے تھے چلے جا رہے ہین اُن کے
سر جھکے ہوئے ہین اور سکون و طمانیت کیساتھ منزل پوری کرنے کی فکر مین بڑھے چلے جا رہے ہین اور چودھوین
رات کا چاند اپنی روپہلی شعاعون سے رات کو منور کر رہا ہے پھر مین نے راستہ مین فوج کے دستون کو دیکھا
جو پیدل خاک اُڑاتے چلے جا رہے تھے اور باوجودیکہ ظاہری حالت سے یہ ثابت نہ ہوتا تھا کہ عسکی شہر کو خالی
کرنے کی تیاریان کی جا رہی ہین لیکن مین اپنے قلب مین یہ محسوس کر رہی تھی کہ سمرنا کی راہ مین ہم ایک قدم اور
پیچھے ہٹ رہے ہین ممکن ہے جو دستے سپاہ کے میرے سامنے سے گذر رہے تھے وہ بھی اسی بات کو محسوس کر رہے
ہون جسکا احساس مجھ کو تھا اور غالباً یہی سبب تھا کہ مین بلوط کے ان درختون (اناطولی سپاہیون) پر سکون
و خاموشی طاری دیکھتی تھی ہان اُن درختون کو خاموش و مطمئن پاتی تھی جنکو توڑنا۔ کاٹنا اور جلا دینا تو ممکن
تھا لیکن اُن کی سختی کو دور کرنا اور نرم بنا کر موڑنا قطعی ناممکن و محال تھا، ان سپاہیون کو مطمئن دیکھکر مجھ
کو اس امر کا یقین ہوگیا کہ سمرنا کی راہ مین ہم آگے بڑھین خواہ پیچھے ہٹین ہم کو جنگ ضرور کرنا پڑے گی اور اُس

ع۔ جدید جنگل سے یہان وہ سپاہ مراد ہے جو آئندہ منتظم طریقہ پر مرتب ہوگی ۱۲

وقت تک جب تک کہ ہم سحر خانہ پہنچ جائین، بہر نوع ہم کو لڑنا پڑیگا۔

شفاخانہ مین داخل ہو کر مین نے دیکھا کہ اسکا صحن جسمین پتھر کا فرش تھا زخمیون اور زخمیون کی پالکیون سے بھرا ہوا ہے بجلی کی روشنی نے فضا کو منور کر رکھا ہے اور معترانا طولی سپاہی پالکیون اور ڈولیون مین اپنے خاکی کپڑون اور چاند تارے والی ٹوپیون کو پہنے سو رہے ہین بعض سپاہی ان مین ایسے تھے جن کے کوٹ کی آستینون مین بازو نہ تھے بعض کے چہرون پر پٹیان بندھی ہوئی تھین اور بعض کے جسمون کے ٹکڑے گوشت گولیون نے پاش پاش کر دیا تھا اور شفاخانہ کے آدمیون نے ان زخمون کو ڈھک دیا تھا۔

پھر مین نے دیکھا کہ شفاخانہ کے کچھ ملازم دو ڈولیان لائے جن کو باغ کے دروازہ سے شفاخانہ مین لایا گیا تھا ان ڈولیون پر کچھ سفید کپڑے کچھ خاکی وردیون کے ٹکڑے اور چند ٹکڑے گوشت کے تھے اور یہ چیزین سرخ رطوبت (خون) سے تر تھین، گوشت کے ان ٹکڑون مین سے کراہنے کی آواز سنی یہ آواز انسانی آواز سے مشابہ نہ تھی اسوقت شفاخانہ کے صحن مین سکون و خاموشی چھائی ہوئی تھی اور گوشت کے ان ٹکڑون کی آنکھون مین جو گندم گون تاریک سر مین چمک رہی تھین سخت روحانی اضطراب نمایان تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان مجروحون کو آلام زخم سے بھی زیادہ اور کوئی الم ہے جو ان کو ستا رہا ہے۔

شفاخانہ کے زینہ پر ڈاکٹر سے میری مڈبھیڑ ہوئی مین نے دیکھا کہ اُس کے سفید کپڑے اور ٹوپی خون مین بھری ہوئی ہے اور پسینہ اُس کی پیشانی سے ٹپک رہا ہے مجھ کو دیکھکر اُسنے کہا۔

بہن عائشہ خوب ہوا تم اچھے وقت پہونچین جلد اوپر جاؤ مین اسوقت تمھاری مدد کا بہت محتاج ہون مین اس خیال سے کہ کہین نیند مجھ پر غالب آجائے آہستہ آہستہ زینون پر چڑھنے لگی نیز اس خطرہ سے بھی کہ کہین ضعف و کمزوری غالب آکر مجھے بیہوش نہ کر دے۔ مین زینہ پر چڑھتی جاتی تھی اور دل مین کہتی جاتی تھی "کیا مین بلوط کے جنگل کا ایک درخت نہین ہون میرا فرض ہو کہ مین بھی مضبوط ہون نہ تو جھکون اور مڑون اور نہ کسی سے مغلوب ہون"

مین عمل جراحی کے کمرے مین تھی کہ مین نے دیکھا کہ وہ دونون سپاہی جنکو ابھی ابھی ڈولیون پر لایا گیا تھا، کلوروفارم کو سونگھتے ہی جسمون سے روح کو علٰحدہ کر کے چل بسے یہ دونون سپاہی نہایت بہادر اور تنومند تھے اور شیر کی مانند نظر آتے تھے مین نے اپنے ہاتھون سے ان کی آنکھون کو بند کیا اور پھر اُن کے بھاری بھاری گندم گون ہاتھون کو جو بالکل سرد تھے تھام کر رکھا۔

"سے سپوطتوانی امان اللہ ستمرپا کی راہ میں ہم بھی عنقریب تم سے آکر ملیں گے"

پھر عمل جراحی کے کمرہ میں توپخانہ کا ایک سپاہی لایا گیا اس کے چہرہ کا بالائی حصہ سیاہ اور متعفن تھا سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی دونوں پاؤں کانپ رہے تھے اور وہ بچوں کی مانند چلا چلا کر کہہ رہا تھا "خدا کے لئے میری خبر لو، مجھے خیمہ کے اندر کیوں چھوڑ دیا ہے۔ آہ میرا سر پھٹا جا رہا ہے، مجھے کیا ہوا کیوں مجھے خیمہ کے اندر ڈال دیا گیا ہے"

یہ سپاہی جو اسوقت عمل جراحی کی میز پر پڑا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ بلوط کے درختوں کا بادشاہ ہے یہ آخری سپاہی تھا جو اسوقت عمل جراحی کے کمرہ میں لایا گیا تھا آخر فوجی افسروں پر عمل جراحی شروع کیا گیا ڈاکٹر نے ان میں سے ایک کے دونوں بازو اس طرح کاٹ ڈالے جس طرح کسی درخت کی ٹہنیاں کاٹی جاتی ہیں عمل جراحی جاری تھا اور افسروں پر رنج وغم طاری۔

عمل جراحی کے بعد جب ایک سپاہی کو بستر پر لٹایا گیا تو اُسنے اشارہ سے مجھ کو اپنے پاس بلایا اور جب میں اُس کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی تو اُسنے اشارہ سے بتلایا کہ جھُک کر اُس کی بات سن لے پھر اُسنے ہونٹوں کو اس غرض سے حرکت دی کہ مجھ سے کچھ کہے لیکن زبان نے یارا نہیں دیا پھر اُسنے اپنی آنکھوں سے اپنے درد والم کو ظاہر کرنا چاہا لیکن اس طرح بھی وہ اپنے مفہوم کو ظاہر نہ کر سکا اُس کی ان کوششوں سے میں سمجھ گئی کہ وہ اپنی درماندگی اور مجبوری سے رنجیدہ ہے آخر میں نے اُس کا جی خوش کرنے کو یہ حیلہ تراشا کر اُس کو یہ سمجھا دیا کہ میں اُسکا مطلب پاگئی ہوں پھر میں نے مسکراتے ہوئے اپنا کان اُس کے منہ سے لگا دیا اور رحمت و شفقت کا اظہار کرنے لگی لیکن میں اپنے آنسوؤں کو جو بے اختیار آنکھوں سے جاری تھے نہ روک سکی، میں نے اُس سے کہا۔

پیارے بھائی تم نے جو کچھ کہا ہے میں اُسکی تعمیل کروں گی۔

میرے الفاظ سپاہی نے سُنے اور آنکھیں بند کرلیں اور معاً اُس کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ میں نے ڈاکٹر کی طرف رُخ کیا اور دیکھا کہ آنسو اُس کی آنکھوں سے جاری ہیں پھر میں نے سُنا کہ ایک سپاہی جس کا چہرہ بچوں کا سا تھا یکایک رونے اور چلانے لگا پھر اُسنے کہا۔

آہ یہ نوجوان اپنی ماں کا اکلوتہ بچہ تھا جب ہم آستانہ میں تھے تو اس کی ماں نے اسکو میرے سپرد کیا تھا آہ جب میں اُس کی ماں سے ملونگا تو کیا کہونگا۔

میں عمل جراحی کے کمرے سے باہر نکلی اور آہستہ آہستہ زینے سے اُترنے لگی اس وقت میں اتنی غمگین و فکرمند تھی کہ شفقت و ہمدردی بھی اُس کے مقابل کوئی چیز نہ تھی۔ زینے سے اتر کر میں نے دیکھا کہ شفاخانہ کے ملازم دو زخمیوں کو جو طاقتور تھے کھانا کھلا رہے ہیں یہ ملازم عورتوں سے بھی زیادہ رحمدل اور شفیق تھے میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئی اور زخمیوں کو اس طرح چمچے میں تھوڑا تھوڑا شوربہ کھلانے لگی جس طرح مائیں اپنے بچوں کو کھانا کھلاتی ہیں ان زخمیوں میں سے جن کو ہم کھانا کھلا رہے تھے ایک زخمی منہ کے بل اوندھا پڑا تھا میں نے اسکو سیدھا لٹانا چاہا تو اس نے اپنی آنکھوں سیاہ بڑی بڑی آنکھوں سے جن کی کیفیت بیان کرنے سے میں عاجز ہوں میری طرف دیکھا اور کہا نہیں چونکہ میرا بایاں مونڈھا ٹوٹا ہوا ہے اس لئے میں سیدھا نہیں لیٹ سکتا۔

پھر ہم تسکین دینے کی باتیں کرنے لگے اور میں نے اس سپاہی سے جسکا مونڈھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا دریافت کیا۔

تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ کیا تم حال ہی میں فوج میں بھرتی ہوئے ہو۔

"سپاہی نے جواب دیا" میں آٹھ سال سے فوج میں ہوں اور دردانیال کی جنگوں میں شریک رہا ہوں۔

پھر مجھے اس سپاہی سے معلوم ہوا کہ وہ سیواس کا رہنے والا ہے اور اس کی ایک لڑکی ہے جسکا نام کوثر ہے اور جس سے اسکو اپنے تینوں بچوں سے زیادہ محبت ہے اس سپاہی کا جسم ایک منہدم عمارت کی مانند تھا وہ جسقدر باتیں کرتا تھا اُسی قدر میری ہمدردی اس سے بڑھتی جاتی تھی وہ اسقدر باتوں تھا کہ خاموش رہنا جانتا ہی نہ تھا جہاں ایک بات ختم ہوئی پھر دوسری شروع کر دی اُس نے دوران گفتگو میں بتایا کہ اس کی بیٹی کوثر نہایت نازک اور خوبصورت ہے اور بالکل استنبول کی لڑکی معلوم ہوتی ہے اور وہ جب اپنے وطن کو واپس جائیگا تو اُسکو لکھنا پڑھنا سکھائیگا میں نے اُس کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگرچہ وہ تکلیف و مصیبت میں ہے لیکن وہ اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہوا ہے پھر اُسنے کہا۔

عزیزہ محترم بہن! تم مجھے شفاخانہ میں بھیجو اور جہاں میرے ہموطن لوگ ہیں میں اپنے شناسا لوگوں میں رہکر جلد شفا حاصل کرونگا۔

فوراً میں نے اپنی جیب سے نوٹ بک نکالی اور اُس کا اور اُس کے شہر کا نام لکھ لیا یہ دیکھکر وہ بہت خوش ہوا اور اُس کی آنکھوں سے بچوں کی سی مسرت ٹپکنے لگی میں یہاں سے اُٹھی ہی تھی کہ ایک اور مریض نے مجھ کو پکارا جو اُس کے قریب ہی تھا اور مجھ سے کہا۔

"بہن میرا نام بھی لکھ لو۔"

اس شخص کو جسنے مجھے بلا کر اپنا البم لکھ لینے کی خواہش کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ مین نے کیا لکھا ہے۔ غالباً مجھے لکھتے دیکھکر اُسنے یہ خیال کیا کہ اُس کے ساتھی سپاہی کے ساتھ کوئی خاص امتیازی سلوک کیا جائیگا اس لئے اُسنے بھی اس امتیازی سلوک مین حصہ پانے کی خواہش ظاہر کی پھر اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے سپاہیون نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا اور مجھ سے نہایت دھیمی آواز مین باتین کرنے لگے وہ ان باتون سے لذت اور سکون پاتے تھے اور خوش ہوجاتے تھے اور میرا ضعف بھی قوت مین تبدیل ہو رہا تھا۔ مین باتون مین مشغول تھی کہ شفاخانہ مین ایک خطرناک حادثہ رونما ہوا یعنی انگورہ کا ایک سپاہی جس کے سر پر پٹی بندھی تھی اور جو سفید لباس مین ملبوس تھا قریب کے کمرے سے نکلکر دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا۔ بخار کی شدت نے اسکے دماغ کو ماؤف کردیا تھا اور اُس کے ہوش و حواس مفقود تھے ہمارے قریب پہنچکر اُسنے چلانا شروع کیا اور مجھ سے کہا۔

"مجھے انگورہ بھیجدو ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے اجازت دو کہ مین [illegible] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ڈاکٹر سے کہو کہ وہ مجھے انگورہ بھیجدے"

صحت یافتہ سپاہیون نے اس سپاہی کو گھیر لیا اور بڑی مشکل سے اُس کو پکڑ کر لے گئے وہ برابر بخار کے بحران سے ہذیان مین مبتلا تھا اور چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ مجھکو انگورہ بھیجدو اسوقت اس سپاہی مین خرق العادت قوت تھی آٹھ سپاہی اُس کو پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ قابو مین نہ آتا تھا جب وہ چلاتا تھا تو میرے قلب مین یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی آواز سے زخمیون کے قلوب متاثر ہین اور وہ کراہ رہے ہین اگرچہ انکے کراہنے کی آواز میرے کانون مین نہ آتی تھی لیکن میرا قلب محسوس کر رہا تھا۔

مین شفاخانہ سے باہر نکلنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھی راستہ مین مین نے دیکھا کہ کمسن خادمہ لڑکیان دیوار سے سر ٹکائے اس ہولناک واقعہ سے متاثر ہوکر جسنے اُن کے اعصاب مین حرکت پیدا کردی تھی رو رہی ہین اور بہت خوفزدہ ہین مین انکو متاثر نگاہون سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھی اور شفاخانہ سے نکلکر تھوڑی ہی دور گئی ہونگی کہ ضعف نے مجھے دبا لیا اور مین دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ چلنے لگی اور پھر ایک گوشہ مین پہنچکر چند منٹ تک کھڑی رہی اور پھر اُکڑون بیٹھ کر دونون ہاتھون سے سر کو تھام لیا گویا کہ مین اناطولیہ کی ایک بڑھیا ہون۔ مین خاموش بیٹھی تھی اور رب بزرگ و برتر کو مخاطب کرکے کہہ رہی تھی۔

یا الٰہی یہ رنج و محن کب تک رہینگے؟ اے پروردگار کیا دنیا مین اور بھی تیرے ایسے بندے ہونگے جو ایسے مصائب

ومشکلات میں گرفتار رہوں جن میں ہم گرفتار ہیں جب سے رب العزت نے کیا تو ہم کو دست مکتا بھی اور ان مت اٹھا
مشکلات اور افسوں سے جن کی کوئی حد نہیں ہے تو ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے۔

آج پہلی مرتبہ میں نے اس امر کو محسوس کیا کہ جو تکالیف اور مصائب و مشکلات میں سمرنا کی راہ میں اٹھا رہی ہوں وہ میری طاقت سے باہر ہو گئی ہیں اس خیال نے مجھے دیر تک مشغول رکھا اور میں دردِ دل کا اندازہ کر رہی ہوں نہیں کہہ سکتی کہ کتنی دیر تک مجھ پر یہ حالت طاری رہی آخر ایک آواز نے جو باوجود اس کے کہ وہ زندگی اور شجاعت کا ثبوت دیتی تھی لیکن آلام و محن پر غالب نہ آسکی مجھے متنبہ کیا یہ آواز حشمت بک کی تھی جو ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا ممکن ہے وہ میڈم طاہرہ کے ہوٹل میں چلی گئی ہو۔ میں اس سے ملنے کے لئے وہاں جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آپ تکلیف نہ فرمائیے واپس تشریف لیجائیے آپ کی مہربانی اور عنایت کا شکریہ۔

حشمت بک کی آواز سنکر میں اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کی طرف بڑھی حشمت بک نے مجھکو دیکھتے ہی میرے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا اور دبا کر کہا۔

بہن عائشہ کیوں کیسا مزاج ہے؟ میں آج دن بھر تمھاری تلاش میں سرگرداں رہا ہوں۔

حشمت بک کے الفاظ کو شدت ضعف سے میں کوئی جواب نہ دے سکی اور دیوار سے کمر لگا کر کھڑی ہو گئی
حشمت بک نے اس حال میں پا کر میری طرف ہمدردی و شفقت کی نظروں سے دیکھا اور پُر اثر لہجہ میں کہا،

بہن عائشہ میں تم کو کس حال میں دیکھ رہا ہوں؟ کیا تمھاری جرأت و شجاعت جاتی رہی ہے؟ کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جن لوگوں نے تمھارے سامنے اپنی تلواروں پر قسمیں کھائی تھیں اور سمرنا کی مدافعت کا حلف اٹھایا تھا وہ ابھی زندہ ہیں اور دنیا سے رخصت نہیں ہو گئے ہیں اور عنقریب وہ سمرنا میں داخل ہونگے اور تم بھی سمرنا میں داخل ہو گی لیکن اسوقت نہ تو تمھارا تعلق ہلال احمر سے ہو گا اور نہ کسی اور صیغہ سے تم مسرور ہو گی اور سمرنا آزاد ہو گا آؤ اب ہم سب آتشین خط (جنگ) کی طرف بڑھیں ....

حشمت بک کے الفاظ نے میرے قلب کو قوت سے بھر دیا اور باوجود خون کی نہروں کے پیش نظر ہونے اور سخت مصائب میں مبتلا ہونے کے میں نے تکلیفوں کا احساس چھوڑ دیا اور حشمت بک سے کہا۔

ہاں فوراً آتشین خط کی طرف بڑھو اور مجھے بھی ساتھ لے چلو اگرچہ میں ہتھیار اٹھانے کی قابلیت نہیں رکھتی لیکن میں سمرنا کی راہ میں چلنے والے مجروحوں کی مرہم پٹی کروں گی ان کے رنج والم کو دور کروں گی اور اگر خدا کی مشیت ہوئی تو انھیں کے ساتھ جان بھی دیدوں گی۔

حشمت بک نے جواب دیا۔ جب ہم بولادلی پہنچ جائین گے تو ہم تم کو اپنے ڈویژن کے ساتھ بھیجدینگے اور مین بھی ایک دستہ سپاہ سے ڈویژن کے ساتھ چل جاؤن گا اور جمال بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔

اسوقت مین نے اپنے آپ مین شجاعت کا ایک ایسا جذبہ پایا جو زندگی کے کسی بڑے سے بڑے معرکہ سے بھی پست نہ ہونے والا تھا، مین بچون کی مانند رونے لگی اور اس رونے کے دو سبب تھے ایک تو یہ کہ مین نے اسوقت یہ محسوس کیا کہ میری روح کی کمانی جو بہت ٹیڑھی ہوگئی تھی اور جس کی نسبت مین نے یہ خیال قائم کرلیا تھا کہ وہ عنقریب ٹوٹ جائے گی وہ نہایت مضبوط و استوار ثابت ہوئی دوسرا سبب یہ تھا کہ اسوقت مجھے احمد رفقی یاد آگیا مین نے دیکھا کہ گویا وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے سینہ پر سرخ زخم جنگلی گلاب کے پھول کی طرح نمایان ہے اور اس کی صاف و چمکدار آنکھین مسکراہٹ کا پتہ دے رہی ہین اور وہ گویا مجھ سے مخاطب ہے کہ کہہ رہا ہے بہن عائشہ آؤ ان کمینہ یونانیون سے ہم جنگ کرین۔

آدھی رات کے قریب مین اور زخمیون کی بڑی تعداد ریلوے کی کھلی ہوئی گاڑیون مین سوار ہوکر اوسیبا بولادلی پہنچے، اس کھلی ہوئی گاڑی مین وہ صداقت بہت مفید ثابت ہوئی جو مین نے سپاہیون سے حاصل کی تھی اور رات بھر زخمی سپاہیون سے مین بات چیت کرتی رہی یہ باتین اسقدر پر لطف اور دلچسپ ہوتی تھین کہ جی نہ بھرتا تھا۔

ابتدائی ایام مین۔ میرا دل احسان کی یاد مین مشغول رہتا تھا اور مین ہر وقت اس کے خیال مین محو رہتی تھی لیکن جب مجھے حشمت بک سے یہ معلوم ہوا کہ احسان خیریت سے ہے اور سید غازی مین مقیم ہے تو اپنے اضطراب کی حقیقت مجھے معلوم ہوگئی اور مجھے اس کا بہت فکر ہوگیا، اگر اس موقع پر حشمت بک کی جگہ احسان ہوتا تو سپاہ کی اگلی صفون کے بجائے وہ مجھے پیچھے رکھتا، احسان میری حفاظت اس طرح کرتا تھا گویا مین ڈیڑھ سال کی ننھی بچی ہون اور میری حفاظت بہت زیادہ کی جانی چاہیئے مین اسوقت اپنے قلب مین یہ محسوس کررہی ہون کہ احسان نے مجھ کو خطرہ کے مقامات سے دور رکھکر جو جرم کیا ہے اس کو مین کبھی معاف نہ کرون گی۔

پیامی! تم کب تک سمرنا کی راہ مین گامزن ہوگے، تم تو دفتر کے کہنہ اوراق مین اسقدر محو و مشغول ہو کہ کسی دوسری طرف توجہ ہی نہین کرتے۔

(۱۵)

ایّامِ سقایہ

۸ دسمبر ۱۹۱۲ء

اسوقت مجھے اُن ایّام کی ایک صبح یاد آگئی جن ایام مین کہ آنغشت کا آخری حصہ مجھکو ملا تھا یہ صبح وہ صبح تھی جسمین میری دونون ٹانگون کو کاٹ گیا تھا اب مین اُن ٹانگون کی جگہ کو خالی پاتا ہون اور محسوس کر رہا ہون کہ اسوقت میرا دل کیونکر زور زور حرکت کر رہا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے اُن ایام کی باتون مین سے جو بات میرے ذہن مین اسوقت موجود ہو وہ صرف اپنے جسم کے ٹکڑون کی یاد ہے میرے قلب مین ایک سوزش تھی جس سے شفا کی اُمیدین ایسے اُمور پر موقوف تھین جن کے حصول کی توقع نہ تھی میری خواہش یہ تھی کہ کسی طرح عائشہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ مین نے اپنی دونون ٹانگون کو سمرنا کی راہ مین چھوڑ دیا ہے میری یہ خواہش پوری نہین ہوئی اور عائشہ آجتک اس سے ناواقف ہو اور وہ اس امر سے بھی آگاہ نہین ہو کہ اگرچہ توپون نے صرف میرے بازوؤن اور سر کو باقی چھوڑا ہے لیکن مین نے سمرنا کی راہ مین برابر آگے بڑھتے رہنے کا عزم صادق مستحکم کرلیا ہے۔

کل رات مین صبح تک غافل سوتا اور یہ خواب دیکھتا رہا کہ مین کوکجہ بنیار کے قبرستان مین پھر رہا ہون اور عائشہ کو ڈھونڈھ رہا ہون تاکہ اُس کو بتلاؤن کہ مین نے سمرنا کی راہ مین اپنی دونون ٹانگون کو قربان کردیا ہے، اپنا حال بتلانے کی ضرورت مجھے اس لئے محسوس ہوئی تھی کہ وہ لوگ جنھون نے اُسکی کرسی کے گرد جھکر قسم کھائی تھی آج یا تو غازی بن گئے ہین یا ملک پر قربان ہوکر شہید قرار پائے ہین اور اُنکی زندگی کے حالات اس قابل ہین کہ بہادری کی تاریخ مین زرّین حروف مین لکھے جائین۔ لیکن مین نے جو خون سمرنا کی راہ مین بہایا ہے وہ اسی طرح مخفی ہے جس طرح میری قسم اور میرا حلف مخفی تھا اور ضرورت تھی کہ عائشہ کو آج اُس سے آگاہ کیا جائے چونکہ توپ کے گولہ نے بیرسقاقیہ کے کنارہ پر میرے جسم سے میری ٹانگون کو جدا کردیا اور مین نے اپنے آپ کو ایک خالی گاڑی مین پایا جس مین میرے ساتھ عائشہ سوار

نہ تھی چت پڑا ہوا پایا تو حشمت بیک میرے قریب آیا اور میرے کان میں ظرافت کے طور پر کہا۔
مجھے اجازت دو کہ میں تمھاری ٹانگوں کو بہ کو کچہ بنیارہ کے قبرستان میں دفن کردوں، میں یہ سنکر اس طرح ہنسا جس سے سوزش والم ظاہر ہوتا تھا اور کہا۔
اس قسم کی باتیں میں اپنی زندگی کے مناسب نہیں پاتا، بھلا میری ٹانگوں یا دماغ کو اُن مصائب اور تکلیفوں کے مقابلہ میں کیا اہمیت حاصل ہو جو میں نے سمرنا کی راہ میں برداشت کی ہیں۔
یہ الفاظ اُسوقت میری زبان سے نکلے تھے لیکن آج میں اس کا آرزومند ہوں کہ عائشہ کے سرسبز و پاکیزہ مزار پر کھڑا ہو کر اپنے تمام آلام و مصائب کو بیان کردوں۔ میرا قلب نااُمیدیوں سے بھرا ہوا ہے اور میرا جسم آتش یاوسی سے پھنکا جارہا ہے اور اسی کے ساتھ مجھے اس امر کا یقین ہو گیا ہے کہ اس ماہ کے آخر تک یقیناً میرے سر پر عمل جراحی کیا جائیگا ممکن ہے عمل جراحی کے بعد وہ یاوسی جو میرے قلب میں ہے زائل ہو جائے اور وہ آگ جو میرے جسم کو جلا رہی ہے ٹھنڈی پڑ جائے اس بنا پر میرا فرض ہے کہ میں زندگی کی کش مکش کی طرف جلد سے جلد متوجہ ہوں ہاں زندگی کی اُس شورش کی جانب جس کے زہر کا ایک ایک قطرہ میں حلق میں ڈالتا رہا ہوں اب مجھکو چاہیے کہ اس زہر کا پیالہ لبریز کردوں اور چڑھا جاؤں تاکہ زندگی کے آخری مرحلہ پر پہنچ جاؤں اس کے بعد میری آنکھیں طمانیت کا گہوارہ ہونگی اور میں عمل جراحی کی میز پر پڑا ہوں گا۔ اچھا اب میں اُس راہ میں گامزن ہوتا ہوں جو مجھے اُس آخری منزل پر پہنچائے گی جس کا میں متمنی ہوں۔
ترکی سپاہ جن ایام میں نہر سقاریہ کے ادہر تھی میں اُن دنوں میں وزارت جنگ کے دفتر میں کاغذات کی دیکھ بھال میں مشغول تھا اور اس امر کی پوری کوشش کر رہا تھا کہ میں آگے بڑھوں اور میدان جنگ میں جاؤں، جنگ میں شرکت کا شوق مجھے بیچین کر رہا تھا اور میں ہر وقت اسی فکر میں محو رہتا تھا، لیکن میرا کوئی شناسا ایسا نہ تھا جو صاحب اقتدار ہو کہ میں اُس کی وساطت اور کوشش و سفارش سے میدان جنگ میں جانے کا موقع پاسکوں میرا موجودہ منصب اگرچہ بظاہر فوجی تھا لیکن حقیقت میں فوجی نہ تھا۔ میں موجودہ حالت سے خوش نہ تھا اور ہر وقت متفکر رہتا تھا انھیں ایام فکر و تردد میں ایک دن میں بہت پریشان اور مضطرب تھا اور جنگ میں شرکت کے شوق نے مجھے بیچین بنا رکھا تھا کہ یکایک میرے [illegible] نے مجھے طلب کیا اور مجھ سے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یونانی زبان جانتے ہو

اور فوٹو کے کام میں ماہر ہو کیا یہ صحیح ہے
میں نے جواب دیا ہاں یہ صحیح ہے۔
پھر افسر اعلیٰ نے کہا مغربی میدان جنگ کے محکمہ خبر رسانی کو ایک ایسے یونانی مترجم کی ضرورت ہے جو یونانی زبان اچھی جانتا ہو اور فوٹو کے کام سے بھی واقف ہو تم میں چونکہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اس لئے میں تم کو مغربی میدان جنگ میں بھیجنا چاہتا ہوں تم فوراً روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ اور کل شام کی گاڑی سے روانہ ہو جاؤ۔
میں یہ حکم پا کر وزارت جنگ کے دفتر سے اس حال میں باہر نکلا کہ نشہ مسرت سے میں مخمور تھا دوسرے دن شام کو ۹ بجے کی گاڑی سے میں انگورہ اسٹیشن سے سوار ہو کر روانہ ہوا اس سفر میں میرے ساتھ ایک نائب فوجی افسر اور تین افسر عہدہ دار تھے اور جس گاڑی میں ہم جا رہے تھے اسمیں جنگی ذخائر بھرے ہوئے تھے میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسے متین و سنجیدہ اور خاموش سپاہیوں کے ساتھ سفر نہیں کیا تھا جیسے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ تھے ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر عزم و حوصلہ مندی کے آثار نمایاں تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ ان میں ہر شخص اس امر کا متمنی تھا کہ آخری وقت تک پیشقدمی جاری رکھی جائے اور جد و جہد میں کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہونے دیجائے صبح کے وقت ہم آخری اسٹیشن پر پہنچے اور ہمارا سفر ختم ہو گیا اسٹیشن سے لشکر گاہ تقریباً دو گھنٹہ کی مسافت پر واقع تھا۔
مجھے خوب یاد ہے کہ گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی انسانوں کے اس گروہ نے جو خاکی وردی پہنے ہوئے تھا گاڑی سے جانوروں اور سامان جنگ کو اتارنے میں پوری جوش اور تیزی سے کام لیا چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور یہ گروہ تیزی سے اپنے کام میں منہمک تھا اور ایسی خاموشی سے کام ہو رہا تھا کہ کسی کے ہونٹ تک حرکت میں نہ آتے تھے بات کرنا تو دوسری بات ہے، البتہ گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور گاڑی سے نکل نکلکر شوخیاں کر رہے تھے۔
اسٹیشن کی پشت پر میں نے تین فوجی افسروں کو دیکھا جن میں سے ایک کی نسبت بتلایا گیا کہ وہ حملہ آور سپاہ کے دستہ ــــ کا افسر اعلیٰ ہے یہ افسر اپنی زبان سے ایسے سخت احکام اپنے ماتحت سپاہیوں کو دے رہا تھا جو کسی طرح پتھر کی چٹان سے سختی میں کم نہ تھے وہ اپنی ماتحت سپاہ کے گروہ کو جو اسٹیشن کے اطراف میں پھیلا ہوا تھا اشاروں سے حرکت میں لا رہا تھا اور یہ انسانی طبقہ اس کے اشاروں پر نقل و حرکت

مین مشغول تھا گویا یہ سپاہ اُس کے اشارون پر کام کر رہی تھی کبھی وہ اُس کے اشارون سے منتشر ہو جاتی اور کبھی اقلیدس کی سی شکلون مین مجتمع ہو جاتی تھی پھر مین نے اس افسر کے گھوڑے کے قدمون کی آواز سُنی اور ہمارا فضا کا طبقہ اُس کے الفاظ "آگے بڑھو" "آگے بڑھو" سے گونجنے لگا اور فوراً ساری سپاہ کے گھوڑے آگے بڑھے اور اُنکے قدمون کی آواز نے فضا مین تموّج پیدا کر دیا۔ چند منٹ مین قدمون کی یہ آواز بہت کمزور ہو گئی اور میرے لیے اُن تینون فوجی افسرون کی طرح جو میرے ہم سفر تھے گھوڑا لایا گیا ہم سب گھوڑون پر سوار ہوئے اور زرد چٹیل میدان مین لشکرگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ہمارے ساتھی افسرون مین ایک اجوٹنٹ میجر تھا جسکا نام وہبی آفندی تھا یہ بھی اُسی دفتر مین مامور ہوا تھا جسمین مین کام کرنے کے لئے جا رہا تھا یہ شخص کمزور ضعیف تھا اور مقدونیہ کے لب لہجہ مین گفتگو کرتا تھا لیکن باوجود ضعیف الجسم ہونے کے اُسمین مردانگی اور لطافت پائی جاتی تھی مین اُس سے بہت مانوس ہو گیا تھا اور اُس کے برابر چل رہا تھا چونکہ ہم مین سے کوئی بھی زیادہ باتین کرنیوالا نہ تھا اس لئے ہم خاموش چلے جا رہے تھے۔

ہم خاموش چلے جا رہے تھے کہ ہمارے کانون مین گھوڑون کے قدمون کی آواز آئی یہ آواز کہین دور سے آ رہی تھی لیکن چونکہ ہوا کا رُخ ہماری طرف تھا اس لئے صاف سُنائی دے رہی تھی اسوقت ہوا تیز تھی اور کثرت سے غبار اُڑ رہا تھا پھر راستہ مین گنجان درختون کا ایک جنگل پڑا اور جب مجھے بتلایا گیا کہ ان درختون کے اندر سفری شفاخانہ ہے تو میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا، مین نے اپنے ہمراہیون سے ڈیتزن عشت کا پتہ پوچھا اور اُن کے جواب سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شفاخانہ جسمین عائشہ کام کر رہی ہے ہم سے بہت دور ہے پھر ہم پن چکی کے ایک آبشار کے قریب سے گذرے اور ہم نے دیکھا کہ آبشار کے کنارون پر صاف سفید جھاگ جمع ہین اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آبشار کا پانی ایک فضا سے منتقل ہو کر دوسری فضا مین جا رہا ہے ہم نے گھوڑون کو پانی مین ڈال دیا اور آبشار کو عبور کر کے اُسکو پیچھے چھوڑ دیا۔

مین دو گھنٹہ تک برابر لشکرگاہ کی سمت مین چلتا رہا میری قوت ارادی کا اسوقت یہ حال تھا گویا وہ فالج زدہ ہے مین نے اپنی شخصیت کو ان گھنٹون مین بالکل فراموش کر دیا تھا اور کبھی میرے دل مین ان ساعتون کے اندر یہ خطرہ پیدا نہین ہوا کہ مین ایک خاص نام اور معین شخصیت کا آدمی ہون بلکہ اسوقت مین اپنے آپ کو اُس انسانی سمندر کا ایک قطرہ سمجھ رہا تھا جو خاکی وردی مین ملبوس رہتا ہے۔

آخر چند میدانوں اور متعدد وادیوں کو قطع کرکے ہم ایک سرسبز قطعہ میں پہنچے جو ان پہاڑی چوٹیوں کے درمیان واقع تھا جن کے پیچ و خم کو آسان راستوں سے ہم گذر رہے تھے ہم کو بتلایا گیا کہ یہ موضع چند کاشتکاروں کے کھیتوں کا مجموعہ ہے جنمیں صرف چند مکانات ہیں۔ جب ہم ٹیلوں سے میدان میں آ رہے تھے تو ہم کو دھندلی روشنی میں چند خیمے اور پہرہ دار نظر آئے جن کی شکلیں سرخ اور سیاہ رنگوں کے درمیان قائم نظر آتی تھیں۔ اس گاؤں میں سب سے پہلی آواز جو ہم نے سنی وہ سپاہیوں کے قدموں کی آواز تھی جو باقاعدہ اور منظم طریقہ پر گشت لگا رہے تھے اور پھر ان گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں جو دوڑ دوڑ کر ہم پر حملہ آور ہوتے تھے۔

پھر ہم ایک دو منزلہ مکان کے سامنے سے گذرے جس کے وسط میں کھڑکی تھی اس مکان کے دروازہ پر دو پہرہ دار کھڑے تھے جو اپنے ثبات و وقار میں ٹینک جیسی سپاہیوں کا نمونہ تھے اور ان کے سروں پر لشکرگاہ کے مرکز کا سرخ جھنڈا تھا جو ہوا میں لہرا رہا تھا۔

ہمارے محکمہ کا دفتر اس مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا یہ ایک چھوٹا سا لکڑی کا مکان تھا جس کے قریب میرے اور وہبی آفندی کے لئے ایک چھوٹا سا خیمہ نصب تھا جس میں ہم سویا کرتے تھے، جب ہم دفتر میں پہنچے تو ہم کو بتلایا گیا کہ محکمہ کا افسر اعلیٰ جناب قائد پاشا (سپہ سالار عام) کی خدمت میں گیا ہے میں اپنے خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر افسر اعلیٰ کی واپسی کا انتظار کرنے اور گاؤں کی طرف دیکھنے لگا ہاں اس گاؤں کی جانب جو اسرار سے بھرا ہوا تھا پھر مجھے بتلایا گیا کہ سپہ سالار عام کا قیام گاہ وہ مکان ہے جو سامنے نظر آ رہا ہے۔ یہ مکان کسی قدر بلندی پر واقع تھا، میں نے دیکھا کہ سپہ سالار عام کے مکان کی کھڑکی میں سے نیلگوں رنگ چمک رہا ہے پھر مجھے کھڑکی سے ٹوپی پہنے ایک شکل نظر آئی جو کمرہ میں ٹہل رہی تھی، سپہ سالار عام کے مکان کی پشت پر ایک زرد ٹیلا تھا جس پر اقلیدس کی شکلوں کی طرح خیمے نصب تھے اور ان خیموں کے درمیان میں لاسلکی (بے تار برقی) کے بلند کھمبے تھے جو چاندنی میں ایک لمبی سوئی کے مانند دکھائی دیتے تھے

یہ گاؤں پہلا تاریخی مرکز ہے جہاں سے سقاریہ کے معرکوں کا انتظام کیا گیا تھا، میں جانتا تھا کہ یہ چھوٹا سا گاؤں ترکی قومی زندگی میں ایک جدید انقلاب کا مرکز ہوگا اور جب سقاریہ کے معرکے ہماری کامیابی پر ختم ہونگے تو ہماری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوگا اسی وجہ سے یہ چھوٹا سا گاؤں جو اس بڑے میدان جنگ کی رہنمائی کر رہا تھا ہمیشہ میرے قلب میں محفوظ و مرتسم رہیگا اور پھر دماغ میں اس کا

محفوظ رہنا تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔

اس چھوٹے سے متواضع گاؤں نے جس پر نظر پڑتے ہی دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک تر و تازہ چہرہ کی مانند ہے میرے قلب پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے اور میرا قلب الٹ پلٹ ہو گیا ہے دوسری بات جس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں وہ جنگی احکام اور فوجی یادداشتیں ہیں جو ٹیلیفون کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے خیموں سے بھیجی جاتی ہیں۔ ان جنگی اوامر اور فوجی احکام کے الفاظ میرے حافظہ میں اس طرح ثبت ہو گئے ہیں جس طرح گرم لوہے کا داغ جسم پر قائم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ احکام اُن احکام کے کلمات سے بہت مشابہ ہوتے تھے جنکو کسی نامعلوم شخص نے اشوریوں کے ملک میں قصر "فلتاصر" کے اندر آتشین حروف میں لکھا تھا۔

میں نے اپنی زندگی میں عائشہ کے ان الفاظ کے بعد اسقدر پرجوش و پرزور الفاظ کسی انسان کی زبان سے نہیں سُنے، عائشہ نے کہا تھا "تیرے ملک کے جانباز بہادر و قطر آنجی اور جالبا قلی کی خندق کی طرف بڑھو" یہی وہ دو کلمے ہیں جو سقاریہ کے زبردست معرکہ سے قبل سپہ سالار عام کی زبان سے نکلے تھے اور ان کا اثر یہ ہوا تھا کہ نہر سقاریہ کے کناروں کی وادی ان کلموں سے گونج اُٹھی تھی اور اس کے اطراف کی فضا میں کلمے پھیلے ہوئے تھے۔

دونوں متحارب لشکروں نے اپنے اپنے مورچوں اور استحکامات کو مضبوط کر لیا تھا اور ہر ایک نے اپنے دشمن کے مقابلہ میں کافی تیاریاں کی تھیں جسطرح کہ دو بہادر کشتی گیر لڑنے سے قبل کشتی کے لئے تیار ہوتے ہیں اُس روز میری قوت حافظہ نے جنگی پیامات کے بہت سے وہ الفاظ یاد کر لئے تھے جو ٹیلیفون کے ذریعہ سپہ سالار عام کو فوجی حالت کے متعلق بھیجے جاتے تھے اور جب سپہ سالار عام ان الفاظ کے اُس مفہوم سے آگاہ ہو جاتا تھا جو اُن کا حقیقی مفہوم ہوتا تھا تو وہ عملی کارروائی کے احکام صادر کر دیتا تھا۔ ٹیلیفون کے ذریعہ جو پیام سپہ سالار عام کو بھیجے جاتے تھے اُنمیں بعض الفاظ یہ ہوتے تھے۔ ۱- جنوبی سمت سے آئی ہوئی پیدل سپاہ اور توپخانہ سے ایک دستہ مرتب کر لیا گیا ہے۔

۲- فلاں نمبر کا دستہ فلاں ٹیلہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔

۳- فلاں سپاہ فلاں راستہ سے مع اپنے سامان کے ایک کیلومیٹر کے فاصلہ پر پہنچ گئی ہے۔

۴- پیادہ فوج کا ایک دستہ فلاں سمت میں جانے کے ارادہ سے نصف کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکا ہے۔

سپہ سالار عام ان پیغامات سے جب حالت کو معلوم کر لیتا تھا اور پیامات کے مفہوم سے آگاہ ہو جاتا تھا تو ٹیلیفون کے ذریعہ احکام صادر کرتا تھا گویا وہ اپنی مسدق قوی آواز میں یہ حکم دیتا تھا۔

"قطرانجی کی خندقون کی طرف بڑھو اِن قطرانجی کی خندق کی جانب بڑھو۔"

خیمون کے اندر ایک سُرخ شعلہ چمکا اور مین نے محسوس کیا کہ یہ پُراسرار آوازین آتشین گولون کی شکل رہی ہین اور اُن کی پُرپیچ روشنی مین تاریک خیمے روشن ہو گئے ہین اور اِس خفیف روشنی مین سارجنٹ اور ایڈیسیانگ تیزی سے احکام کو لئے اُن لاسلکی کے کھمبون کے نیچے سے گذر رہے ہین جنکی آواز ہوا مین پھیلی ہوئی ہے۔

مین اِس امر پر خدا کا شکر کرتا ہون کہ ہمارے سپہ سالار عام کے ذہن مین اُسنے یہ بات ڈالی کہ مین بھی اُس معرکہ جنگ مین کام کرون جو بجلی کی سی قوت کے ساتھ جاری تھا اور اُس کے ساتھ ہمارے سر بھی گردش مین تھے اور اُس کی صورت یہ ہوئی کہ مین دن کو "ریڈیو پاسٹیس" اور "کاتی مرتی" کے مضامین کا ترجمہ کیا کرتا تھا اور رات کو سپہ سالار عام کے دفتر مین کام کرتا تھا یا اُن خیمون مین جو ہمارے گردوپیش تھے۔ میرا کام یہ ہوتا تھا کہ مین جنگی نقل و حرکت کے روزانہ احکام کو لکھتا تھا یا ٹیلیفون کے آلہ پر کام کرتا رہتا تھا بعض بعض رات ایسی بھی گذری ہین کہ مین شام سے صبح تک ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ نہ جھپکا سکا ہون اور ساری رات ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ مین لئے بیٹھا رہا ہون اور سرکاری کام کرتا رہا ہون اور یا یہ ہے کہ مین دن رات برابر کام مین مصروف رہتا تھا لیکن میری چستی اور کام کی مقدار مین کوئی فرق نہ پڑتا تھا مین ٹیلیفون کے آلہ کو لئے بیٹھا ہون اور سُن رہا ہون کہ سپہ سالار عام رات رات بھر ڈویژنون اور دستون کے افسرون سے باتین کرتا رہا ہے اور صبح تک برابر گفتگو مین مشغول و منہمک رہا ہے سپہ سالار عام کی آواز اور لب لہجہ نہایت لطیف ہوتا تھا اور اُس کے سرکاری احکام سے اُس کی استقامت و استقلال کا پتہ چلتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ متقاریہ کے معرکون کے زمانہ مین سپہ سالار عام ایک منٹ کو بھی نہین سویا اور دن رات کامون مین مشغول رہا اور اِس کا ثبوت اِس سے ہوا کہ مین نے سپہ سالار عام کے دفتر مین ہر وقت نیلگون روشنی دیکھی جو شام سے صبح تک روشن رہتی تھی پھر مین اپنے خیمہ سے دیکھتا رہتا تھا کہ سپہ سالار عام کی شکل شام سے صبح تک برابر اپنے دفتر مین غور و فکر مین محو ہے اور کمرہ کے طول مین اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی ہے۔

دفتر جنگ کے مکان مین ایک طویل و عریض میز بچھی تھی جس کے دونون جانب نوجوان فوجی افسر جن مین سو سپاہیون کے افسرون سے لے کر ہزار سپاہیون تک کے افسر ہوتے تھے بیٹھے رہتے تھے مین دیکھتا تھا کہ یہ میز کبھی فوجی افسرون سے خالی نہ ہوتی تھی ان افسرون کے شگفتہ چہرے قومی نور ایمان سے روشن نظر

آتے تھے اور مین اُن کو دیکھ دیکھ کر اپنے دل مین کہا کرتا تھا آلہ کیا وہ لوگ ہیں جنھون نے اس امر کا عہد کیا ہے کہ جب تک وہ غاصبون کے ہاتھون سے تمنا کو چُھڑا نہین گے اپنی تلوارون کو نیام مین نہ ڈالین گے۔

سنقار پاسا میدان جنگ شطرنج کی بساط کے مانند تھا جس کے مہرے انسان تھے ان مہرون کی جماعتین اس کے گرد متقابل صفون مین جمع تھین اور خطرات کے مقابل روبرو کھڑی تھین اور ہمیشہ ادہر سے اُدہر اور اُدہر سے ادہر حرکت کرتی رہتی تھین یعنی کبھی آگے بڑھتی تھین اور کبھی پیچھے ہٹ آتی تھین کبھی ایک مقام پر سب جمع ہو جاتی تھین اور کبھی منتشر ہو جاتی تھین۔ دوسرا ہفتہ شروع ہونے پر توپون نے اپنے دہانون سے بڑے بڑے گولون کو اگلنا شروع کیا اور تفنگون سے سلسلہ خبر رسانی کا کام انتہائی پوری قوت اور جوش سے کیا جانے لگا مین دیکھتا تھا کہ سپہ سالار عام کے مرکز کے سامنے بعض اوقات چند سوار آکر کھڑے ہو جاتے تھے اور آدھی رات کے بعد تک کھڑے رہتے تھے اور پھر گانون سے باہر چلے جاتے تھے اور سواضعات " اورزم ملی، جیمانہ، اور دہی آدمیر" کا نام بھی ہمیشہ ان الفاظ کے ساتھ شامل رہتا تھا۔

قطرانجی اور جاآلیا قلی کی خندقون کی طرف بڑھ جاؤ اور زم ملی ....

اُن ایام مین بہت سے ٹیلون، پہاڑون اور غارون کا نام لیا جاتا تھا لیکن آج جب مجھے وہ نام یاد آتے ہین تو مین خیال کرتا ہون کہ گویا مین معجم البلدان (ممالک و امصار کے حالات کی کتاب) مین کوئی عجم انگیز سانحہ پڑھ رہا ہون۔

میرے خیمہ کے قریب ایک اور خیمہ تھا جس مین موٹر ڈرائیور رہتے تھے اس خیمہ کو بستی کے اُن چھوٹے چھوٹے مکانون پر جو قرب وجوار مین تھے اور ہشیار لشکر گاہ کے خیمون پر ایک خاص امتیاز حاصل تھا یہ موٹر ڈرائیور جب خالی ہوتے تھے یا سونے کو اُن کا جی نہ چاہتا تھا تو وہ یکجا ہو کر "مشاقی دی مونتیبس" کا قصہ کہا کرتے تھے اُن مین سے ایک قصہ مذکور کی کتاب کو ہاتھ مین لے کر قصہ کو اس طرح شروع کرتا تھا۔

"اُس نیک خصلت اور پاکیزہ صفت معشوقہ نے اپنی نیلگون آنکھین "ارمان" کی طرف اُٹھائین اور ایسی شیرین و دل آویز آواز مین اُس سے مخاطب ہوئی جو دلون مین اُتری جاتی تھی گویا اُس کی آواز فرشتون کے دلکش نغمے تھے"

اسی طرح پُر اثر الفاظ مین قصہ کو شروع کیا جاتا اور جب تک وہ ختم نہ ہو لیتا اُس کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، کبھی یہ لوگ اپنا وقت گانے بجانے مین گذارتے اور کبھی لوگون کی نقلین کیا کرتے تھے مختصر یہ کہ

اُن کی عادت یہ ہو گئی تھی کہ وہ اخبار کے الفاظ کو مسرت کا لباس پہنا کر ہر وقت خوش رہتے تھے۔ تمام ایشیائی اپنے
اناطولی بھائیوں کی طرح خطرناک مواقع پر استقامت و استقلال اور بے پروائی سے قسمت آزمائی دیتے تھے اور
باشندگان استنبول کی مانند جرأت و بہادری کی آواز بین نہ کی ... تھے۔

میری عادت ہو گئی تھی کہ ... صبح کے وقت میں ... انتظار کیا کرتا تھا کہ ... یہ
معلوم کر سکیں کہ میدان جنگ کی حالت اچھی ہے یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا ہے۔ میرا فوجی خادم سالم بھی اگرچہ
باتیں سننے کا عادی تھا لیکن اس کی ... خبروں کو ... معلوم کر سکتا تھا میری طرح
سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ حالت خوشگوار ہوتی تو وہ میرے پاس آتا اور کہتا

آقائے من حالت اچھی ہے۔ خوف سے ... لگ گئے ... ہیں۔

لیکن جب کوئی بری خبر آتی تو وہ خاموش ہو جاتا اور جا کر پڑ رہتا اور غور سے ... کی جانب دیکھتا
رہتا تھا۔

شام کے وقت میں اُس ٹیلے پر چلا جاتا تھا جو ہمارے قریب تھا اور وہاں بیٹھ کر ان چھوٹے گاؤں
کا منظر دیکھتا رہتا تھا اس وقت سپہ سالار عام کے دفتر کے سامنے فوجی بینڈ دل آویز نغموں سے فضا کو
معمور کرتا تھا اور ان نغموں سے مجھے وہ نغمے یاد آ جاتے تھے جو سینا کے اندر سننے میں آتے تھے۔

بعض اوقات توپوں کے گولوں کی آواز ابر کے اُن سرخ ٹکڑوں میں جو ہمارے خیموں کے بائیں
جانب نظر آتے تھے سنائی دیتی تھی، ان آوازوں کو سن کر میں سپہ سالار عام کے دفتر پر نظر ڈالتا اور اس کی
ہلکی ہلکی روشنی میں مجھے عصمت پاشا کا سر نظر آتا اور میں محسوس کرتا کہ عصمت پاشا نہایت استقلال و اطمینان
اور سکون کے ساتھ منتہائے نظر تک کے وسیع میدان کو دیکھ رہے ہیں۔ کبھی کبھی میں خود سپہ سالار عام کو بھی
عصمت پاشا کے ساتھ منظر کے نظارہ میں محو پاتا تھا جو عزم و ثبات کے ساتھ سر کو حرکت دیتے ہوئے اُن
پہاڑوں کی طرف جو افق میں نظر آتے تھے اُنگلی سے اشارہ کر کے کچھ بتلایا کرتے تھے یقیناً اس وقت سپہ سالار
عام اور عصمت پاشا جنگ کے موضوع پر گفتگو کرتے تھے اور باہم مشورہ سے معاملات کو طے کرتے تھے۔

دونوں سپہ سالاروں کو بہت دفعہ میں نے اسی طرح مشورہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن اُن کی آواز
سننے کا موقع نہیں ملا، میں نے انکو کبھی قریب سے نہیں دیکھا اور کیونکر دیکھ سکتا تھا اور کیونکر اُن کے قریب
پہنچ سکتا تھا میں تو پیامی نام ایک چھوٹا سا فوجی شخص اور نائب افسر تھا۔ جب سپہ سالار عام کے مرکز کے

سامنے فوجی باجہ بج رہا تھا اور اپنے خیال میں، میں یہ محسوس کرتا تھا کہ سقاریہ کا سارا علاقہ سینما کا فلم بن گیا ہے، باجہ بج رہا ہے اور سینما کی مشین قلم (وہ فیتہ جس پر تصویریں ہوتی ہیں اور جس کی تصویروں کا عکس سامنے کے پردہ پر پڑتا ہے) کو گردش دے رہی ہے اور سقاریہ کی نہر کا سرخ سرخ پانی تاریک فضا میں چمک رہا ہے۔ دوسرا ہفتہ ختم ہونے پر فریقین متحاربہ کے لشکروں میں ضعف و ناامیدی یا امید و بیم کی علامتیں نظر آنے لگیں آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور سپاہی گھٹنوں گھٹنوں خون میں کھڑے تھے اور ہر ایک اپنے دل میں کچھ کہہ رہا تھا۔

فریقین میں سے کون سا فریق زیادہ مستقل و مضبوط ہے اور کونسا فریق یہ قدرت رکھتا ہے کہ سر میں چکر محسوس ہونے اور آنکھوں میں اندھیرا چھا جانے سے پہلے اپنے مضبوط پنجہ سے دشمن کے سر کو گرفت میں لا کر اس کو اپنے قابو میں کر لیگا۔

میرے دل میں جو سوال پیدا ہوا تھا اس کا جواب پانے میں مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نویں تاریخ کی صبح کو جبکہ میں نیند میں اس طرح مستغرق و غافل تھا جس طرح کوئی شخص کنوئیں میں ڈوب جاتا ہے ذہنی آفندی خیمہ میں داخل ہوا اور تیزی کے ساتھ مجھے جگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

سپاہی آفندی اٹھو...... جلدی اٹھو...... ہم کوچ کر رہے ہیں۔

میں۔ کہاں اور کدھر جانے کا ارادہ ہے۔

ذہنی۔ ہم کو آگے بڑھنے کا حکم ملا ہے، اور سارا لشکر آگے بڑھ رہا ہے۔

یہ سنکر میں تیزی کے ساتھ بستر سے اس طرح اٹھا جس طرح کمانی ہاتھ سے چھوٹ کر کھل جاتی ہے اور معاً میرے کانوں میں ہمسایہ مورچوں کے گانے کی آواز پڑی جو بلند آواز میں سب ملکر ایک رجز گا رہے تھے جسکا مفہوم یہ تھا۔

میں نے اپنے گھوڑے کو بلوط کے درخت سے باندھ دیا ہے ہاں بلوط کے درخت سے باندھ دیا ہے تم میرا سلام عائشہ کو پہنچا دو۔ ہاں کالی آنکھوں والی عائشہ کو۔

یہ رجز سنکر میں نے ذہنی آفندی کی طرف دیکھا اور کہا۔

ذہنی آفندی کیا حرج تھا اگر یہ آنکھیں سبز ہوتیں۔

ذہنی۔ سپاہی آفندی کیا کہہ رہے ہو۔

ذہنی آفندی کے الفاظ سنکر مین ملادس کے بچون کی طرح ہنسا اور خیمہ سے باہر نکل آیا کہ تیمن نے بالاوہ سے کہا تھا سالم ودیبا الیا اپنی قہوہ کی لاؤ کے

اس چھوٹے سے گاؤن کی پشت سے خوفناک آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو رہا تھا آسمان صاف تھا اور سامان ذخیرہ جنگ کی گاڑیان ہمارے قریب سے گذر رہی تھیں ہمارے بھائی ترکی افسر خیمون کے سامنے ننگے سر قمیص پہنے کھڑے تھے اور ماتحت سپاہی جیلدار آتشدانون سے اُن کے ہاتھ دھلا رہے تھے ہاتھ منہ دھو کر خوش ہو گئے تھے اور سب سپاہی ایک دوسرے سے ملتے اور ہنسی مذاق کرتے تھے سپاہیوں کے قہقہون اور مسکراہٹون مین یہ حالت ہوتی تھی کہ اُن کے ہونٹ کشادہ ہو کر کانون کی لو تک پہنچ جاتے تھے اس عالم فرح و مسرت کو دیکھکر میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ خیال کے اوپر ہوائی جہازون کو دھوان مین ڈھونڈنے کے لئے درختون کی جو ٹہنیان پھیلا دی گئی تھین اور وہ خشک ہو گئی تھین آج کی ہوائے مسرت و فرحت نے اُن کو تروتازہ کر دیا ہے اور اُن کے خشک پتے سبز ہو گئے ہین میری حالت یہ تھی کہ مین کپڑے پہن رہا تھا جامہ مین پھولا نہ سماتا تھا اور خوشی خوشی باتین کر رہا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ مین نے آج ذہنی آفندی کو سرمست خوش اور زیادہ باتین کرتے دیکھا تھا ذہنی آفندی سے مین نے پوچھا۔

تمکو معلوم ہے مین اس گاؤن مین کس بات کا خواہشمند تھا۔

ذہنی۔ میرے دوست، تم کس چیز کے آرزومند تھے۔

تیمن۔ میری یہ خواہش تھی کہ سپہ سالار عام کے حضور مین حاضر ہونے اور کاغذات پیش کرنے کا موقع کبھی مجھے ملتا خواہ ایک ہی مرتبہ ایسا ہوتا۔

ذہنی۔ کیا تم کو کبھی سپہ سالار عام کی خدمت مین حاضر ہونے کا موقع نہین ملا۔

تیمن۔ جب کبھی مین کاغذات لیکر گیا ایڈیکانگ نے کاغذات مجھ سے لے لئے اور مجھے خود پیش کرنے کا موقع نہین ملا۔

ذہنی۔ مین تو کئی مرتبہ سپہ سالار عام کی خدمت مین حاضر ہونے کی عزت حاصل کر چکا ہون۔

تیمن۔ خدا کے لئے کوئی واقعہ اس کے متعلق سناؤ۔

ذہنی۔ مین جب سپہ سالار عام کے دفتر مین حاضر ہوا تو مین نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی میز اُن کے سامنے بچھی ہے جس پر نقشے پھیلے ہوئے ہین اور وہ میز پر جھکے ہوئے غور اور محویت کے ساتھ ان نقشون کو دیکھ

سامنے ہین ہاتھ مین سونے کا ایک قلم ہے جس سے وہ سوچ سوچکر نقشون پر نشان لگاتے اور لائین کھینچتے جاتے ہین اور پھر سر اُٹھاکر کچھ سوچنے لگتے ہین۔

مین۔ تم سے انھون نے کیا کہا۔

ذہنی۔ مین جب پہلی مرتبہ اُن کی خدمت مین حاضر ہوا تو انھون نے ترشروئی سے مجھے دیکھا مین نہین کہہ سکتا کہ یہ ترشروئی اسوجہ سے تھی کہ اس سے پہلے انھون نے کبھی مجھکو نہین دیکھا یا اس کا کوئی اور سبب تھا پھر مجھ سے انھون نے دریافت فرمایا۔

کیا خبر لائے ہو اچھی خبر ہے یا بُری۔

اس سوال سے مین گھبرا گیا اور جواب مین ظاہر کیا کہ۔

مین دمشق کی رپورٹ لایا ہون۔

یہ سنکر انھون نے ترش لہجہ مین فرمایا۔

مین یہ دریافت نہین کرتا، میرا سوال یہ ہے کہ خبر اچھی ہے یا بُری۔

مین نے جواب دیا۔ آقائے من اچھی خبر ہے۔

یہ سنکر انھون نے طمانیت کے لہجہ مین فرمایا اچھا لاؤ۔

اس کے بعد رپورٹ لے کر وہ پڑھنے لگے اسوقت اُن کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے اور وہ غور سے رپورٹ کے مطالعہ مین مشغول تھے، رپورٹ پڑھکر انھون نے غضبناک لہجہ مین کہا۔

اس رپورٹ مین بُری خبر ہے شاید تم اسکا مطلب سمجھے نہین۔

پھر جب دوسری مرتبہ مین اُن کی خدمت مین حاضر ہوا تو انھون نے مجھکو پہچان لیا اور دریافت کیا،

کیا خبر ہے اچھی یا بُری۔

مین نے عرض کیا۔ حضور والا نہ اچھی ہے نہ بُری بین بین ہے۔

"اچھا لاؤ" یہ کہکر انھون نے رپورٹ کو لے لیا اور غور سے پڑھکر زجر و توبیخ کے لہجہ مین مجھ سے کہا۔

آفندی اسمین تو بہت اچھی خبر ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم پڑھتے ہو لیکن سمجھتے نہین۔

اس کے بعد انھون نے مختصر الفاظ مین جو نہایت فصیح تھے رپورٹ کے مفہوم اور خبرون کو بیان فرمایا۔

اُسی روز شام کو تیسری مرتبہ مجھے حاضری کا موقع ملا اور مین نے کانپتے ہوئے ہاتھون سے رپورٹ کو اُن کی

خدمت میں پیش کیا۔

مَیں۔ کیا اس دفعہ بھی تم سے اچھی بُری خبر کا سوال کیا گیا تھا۔

ذہنی۔ ہاں حسبِ عادت مجھ سے یہ سوال کیا گیا جس کے جواب میں میں نے ظاہر کیا کہ رپورٹ کا ابتدائی حصہ تو اچھی خبر نہیں دیتا لیکن آخری حصہ سے اچھی خبر معلوم ہوتی ہے۔

یہ سنکر انھوں نے رپورٹ کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور پڑھنا شروع کیا، پھر عصمت پاشا سے جو انکے سامنے جھکے ہوئے غور سے نقشہ کو دیکھ رہے تھے دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوکر ترشروئی سے مجھے دیکھا اور کاغذوں پر دستخط کردئے، میرا خیال تھا کہ سپہ سالار عام زجر و توبیخ سے کام لیں گے لیکن اس کے خلاف انھوں نے میری آنکھوں پہ نظر ڈالی اور مسکراکر فرمایا۔ لو بیٹا کاغذات کو دیکھا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کاغذات میں لے کر گیا تھا اُن میں کوئی اچھی خبر تھی، میں نے محسوس کیا ہے کہ ہمارے سپہ سالار عام طویل رپورٹوں اور معمولی اطلاعات سے اہم نتائج نکالنے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں اور جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ کبھی ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

مَیں۔ کیا تم کبھی عصمت پاشا کی خدمت میں بھی حاضر ہوچکے ہو۔

ذہنی۔ بہت دفعہ۔

مَیں۔ افسوس ہے کہ میں اُن کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے بھی محروم ہوں۔

ذہنی۔ کیا ہر مترجم یا ہر مصوّر اس امر کا اہل ہے کہ وہ بڑے بڑے افسروں کی خدمت میں حاضر ہو۔

مَیں۔ لیکن میں اُن کی تصویریں کھینچوں گا اور بعض اوقات ....

ذہنی۔ بعض اوقات کیا۔

مَیں۔ اور بعض اوقات وہ اپنے ہاتھ سے ان تصویروں پر دستخط کرکے مجھے دیدیں گے۔

میرے خیال میں میری یہ آرزو ایک بڑی آرزو تھی جو میرے رتبہ سے زیادہ تھی کیونکہ میں آستانہ کی وزارت خارجہ کا قبل ازیں ایک معمولی عہدہ دار تھا اور اب ایک معمولی افسر اجوٹنٹ میجر کے رتبہ کا ہوں۔

ستمبر کی نویں تاریخ کو پھر دوبارہ ہمنے اس گانوں کے چٹیل میدان کو طے کیا ہم اسوقت نہایت مسرور اور خوش تھے اور گویا اُن ترک سواروں کا نمونہ تھے جن کی تعریف یحییٰ کمال نے کی ہے جسوقت ہم دو سو نوجوان سواروں کی جماعت کے ساتھ نہر سقاریہ کے کنارے کی طرف بڑھ رہے تھے اُسوقت سورج کی

تیز و تند اور رنگین کرنین سبز ٹیلون سے کھیل رہی تھین۔

شام کو ہم دوسرے لشکر گاہ مین پہنچ گئے جو ریلوے لائن پہ واقع تھا یہان ہمارے مکان ریلوے کی گاڑیان تھین قیام گاہ پہ پہنچکر سب سے پہلے مین نے یہ کوشش کی کہ مجھے ذہنی آفندی کے ساتھ رہنے کا موقع ملے جب مین اس کوشش مین کامیاب ہو گیا اور فوجی باجہ نے اپنا نغمہ شروع کیا تو مین ذہنی کی طرف متوجہ ہوا اور آہستہ آواز مین اس سے دریافت کیا۔

ذہنی آفندی کیا سو گئے۔

ذہنی۔ تم کیا چاہتے ہو۔

مین۔ وہ سفری شفاخانہ جو سپاہ کے ساتھ مخصوص ہے تمھارے خیال مین وہ کہین قریب ہی ہے۔

ذہنی۔ اس سے تمھارا کیا مطلب ہے۔

مین۔ مین زخمی ہونے کا آرزومند ہون۔

ذہنی۔ اگر تمھاری آرزو پوری ہو جائے تو فوراً شفاخانہ چلے جانا وہ یہان سے صرف دس منٹ کے فاصلہ پہ ہے۔

دیر تک خاموش رہنے کے بعد مین نے پھر ذہنی کی طرف توجہ کی اور کہا۔

ذہنی آفندی۔

ذہنی۔ کیا کہتے ہو تم ابھی تک سوئے نہین۔

مین۔ مین چاہتا ہون کہ پلٹن ۔۔۔ مین شامل ہو جاؤن تمھارے خیال مین اسکا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ذہنی۔ تم پلٹن ۔۔۔ مین جانا چاہتے ہو لیکن تمھارے خیال مین کیا وہ پلٹن تمکو لے لیگی۔

پھر دیر تک ہم خاموش رہے اور اس کے بعد ذہنی نے مجھکو آواز دی۔

بیانی آفندی۔

مین۔ ہان۔

ذہنی۔ پلٹن ۔۔۔ سے جو رپورٹ سپہ سالار عام کے نام آج موصول ہوئی ہے مجھے اسکا مضمون معلوم ہو گیا ہے۔

مین۔ اسمین کیا تھا۔

ذہنی۔ میدان جنگ کے اُس حصہ میں جہان پلٹن ۰۰۰ کام کر رہی ہو ایک ایسے فوجی افسر کی ضرورت ہے جو یونانی زبان اچھی جانتا ہو۔

مَین۔ سپہ سالار عام سے تمھارے تعلقات اچھے ہین کیا تم میری سفارش کر سکتے ہو۔

ذہنی۔ سپہ سالار عام میری درخواست کو رد نہ کرینگے تم انتظار کرو مین کل اسکا جواب دونگا۔

---

۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء

رات کی گہری تاریکی فضا مین چھائی ہوئی تھی جبکہ مین گھوڑے پر سوار پلٹن ۰۰۰ کی طرف جا رہا تھا تاکہ اُس کے افسر اعلیٰ کی خدمت مین وہ سرکاری کاغذات پیش کردون جن مین میری خدمات اُس کی ماتحت پلٹن مین منتقل کیے جانے کے احکام درج تھے جب مین پلٹن کے قریب پہنچا تو مین نے دیکھا کہ وادی کا پست و بلند سارا حصہ روشنی سے جگمگا رہا ہے گویا وادی مین بڑے بڑے کرم شب تاب (جگنو) اُڑ رہے ہین اور ساری فضا اُن سے بھری ہوئی ہے ایک جانب انگیٹھیان روشن ہین جن سے شعلے بلند ہو رہے ہین اور ان شعلون کا عکس یا سایہ آدمیون کی شکل مین کبھی ادہر اور کبھی اُدہر حرکت کرتا نظر آتا ہے پھر میری نظر ان سرخ شعلونکی روشنی مین سپاہ کے اُس سامان پر پڑی جو ادہر اُدہر غیر مرتب طریقہ پر پڑا تھا۔

سفری شفاخانہ کا منظر اسوقت نہایت دلکش تھا یہ ایک وسیع میدان مین تھا اور نہایت منتظم طریقہ پر تھا اور روشنی بھی اسمین لشکر سے زیادہ تھی یہ شفاخانہ لشکر سے کسی قدر فاصلہ پر اور ایک گوشہ مین تھا اور اگرچہ مین اس سے واقف نہ تھا کہ شفاخانہ کے اندر اسوقت کیا ہو رہا ہوگا اور نہ مجھے کچھ دکھائی دیتا تھا لیکن میرا خیال یہ منظر میرے سامنے پیش کر رہا تھا کہ عائشہ شفاخانہ کے اندر اطمینان سے ادہر اُدہر ٹہل رہی ہے اور اُس کے دونون ہاتھ مریضون اور زخمیون کی تیمارداری مین مشغول ہین اور وہ اُن کو شفقت کے لہجہ مین تسکین و اطمینان دلا رہی ہے۔

جب مین گانون (یا لشکرگاہ) کے دروازہ پر پہنچ گیا تو پہرہ کے سپاہی سے مین نے صدر ارکان حرب (فوجی کمیٹی کے صدر) کے دفتر کا پتہ دریافت کیا جسکے جواب مین اُسنے بتلایا کہ یہان سے سیدھے چلے جاؤ اور پھر دائین جانب مڑ جانا۔

گانون کی پشت پر ایک پہاڑ تھا جس کی چوٹیان گانون پر سایہ کیے ہوئے تھین، دور سے یہ پہاڑ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ گویا وہ بہت بڑا سیاہ کھنڈر ہے جو گانون کے سفید سفید چھوٹے مکانات کے سہارے کھڑا ہے موضع کے دائین جانب ایک مستطیل میدان تھا جس کے گرد مکانات تھے گانون کے اندر پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ یہ آبادی تاتاریون کی ہے جن کے مکانات مین لمبی لمبی گیلریان ہین کھڑکیون کے دروازے بند ہین اور ان کے سوراخون سے روشنی چمک رہی ہے۔

گانون کے اندر مین جا رہا تھا کہ میری نظر ایک تاتاری عورت پر پڑی جو جھاڑیون کے گھیر مین سے نکلی تھی اس کے ایک ہاتھ مین دودھ کا برتن تھا اور گردمین چھوٹا سا بچہ راستہ مین مین نے متعدد گھوڑے دیکھے جن کے پیچھے گاڑیان اور بیلون کے سر نظر آتے تھے، آخر مین اس مکان کے دروازہ پر پہنچ گیا جو راستہ کے آخر مین واقع تھا مکان مین کافی روشنی تھی اور دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا تھا مین نے اس سے پوچھا،

کیا صدر دار کان حرب اسی مکان مین ہین۔

سپاہی نے جواب دیا جناب والا وہ اس کرہ مین تشریف رکھتے ہین۔

مکان کے اندر داخل ہو کر مجھے ایک چھوٹا سا دیہاتی کمرہ نظر آیا جسمین احسان کوٹ پہنے میز پر جھکا ہوا کچھ لکھ رہا تھا، احسان کا چہرہ زرد تھا اور تکان کی علامتین نمایان تھین وہ سر جھکائے کام مین مشغول تھا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کون آیا ہے اسنے سر کو بھی نہ اٹھایا، کمرہ مین داخل ہو کر مین نے کہا۔

میرا نام پیامی ہے اور مین مغربی سمت کے محکمہ خبر رسانی کا ایک ملازم ہون اور یہان اس لئے آیا ہون کہ پلٹن عت کے ماتحت اپنی خدمات کو انجام دون۔

جس طرح تیر کمان کے چلہ سے نکلکر تیزی سے جاتا ہے اسی طرح تیزی سے احسان اٹھا اگر مجوشی کیساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور اس طرح ملا جس کی مجھے کوئی امید نہ تھی اور پھر مجھے مخاطب کر کے کہا۔

اہا۔ پیامی تم ہو۔ تم کیسے ہو اسوقت مین ضروری کام مین مشغول تھا صبح کو مجھے اپنے جانشین کے ہاتھ مین چارج دینا ہے۔

مین۔ تم یہان سے کیون جاتے ہو مین تو یہان صرف اس لئے آیا ہون کہ تمھارے ساتھ رہون گا۔

احسان۔ دستہ عت کا افسر شہید ہو گیا ہے۔ مین نے سپہ سالار عام سے خواہش کی تھی کہ اس دستہ کی قیادت میرے سپرد کی جائے میری خواہش کو منظور کر لیا گیا ہے اور مین اب اس کی قیادت پر جا رہا ہون پیامی مین آگ کے قریب رہنا چاہتا ہون کیونکہ فضا بہت سرد ہو گئی ہے کیا تم نہین دیکھتے کہ مین کمرہ کے

اندر بھی کوٹ پہنے بیٹھا ہوں۔
یہ کہکر احسان نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور مسکراہٹ کے بجائے صرف رخساروں کو خفیف سی حرکت ہوئی میں نے غور سے دیکھا کہ احسان کی آنکھیں پژمردہ بے رونق اور حلقوں میں دھنسی ہوئی ہیں۔ اور درد والم کے آثار چہرہ سے نمایاں ہیں احسان کے قریب جاکر میں نے اپنا ہاتھ اسکے کاندھے پر رکھدیا لیکن میں یہ نہیں بتلاسکتا کہ اس کے کاندھے پر میں نے ہاتھ کیوں رکھا تھا، پھر میں نے اس سے کہا۔
احسان کیا تم مجھکو اپنے ساتھ نہ لیچلوگے۔ میں بھی بہت سردی محسوس کررہا ہوں اور آگ کے قریب رہنا چاہتا ہوں۔
احسان۔ پیامی آگ کے شعلے انسان کے ہاتھوں اور پاؤں کو جلاکر خاک کردیتے ہیں اور کبھی روح بھی آگ کے شعلوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔
میں۔ احسان میں ان سب باتوں کو پہلے سے جانتا ہوں۔
یہ سنکر احسان خاموش ہوگیا اور پھر خبر رساں سپاہی کو بلاکر حکم دیا کہ وہ فلاں فلاں افسروں کو بلالائے ان افسروں کو ضروری ہدایات دیکر اسنے رخصت کردیا۔ اور پھر کاغذات کو سکون وطمانیت کے ساتھ اکٹھا کیا اور دستانوں کو پہنکر مجھ سے کہا۔
پیامی آؤ اس پہاڑ پر چلیں۔
میں۔ لیکن تم تو سردی محسوس کررہے تھے۔
احسان۔ ہاں ایسا ہی تھا لیکن اب میں کسی چیز کو محسوس نہیں کرتا۔
میں سمجھ گیا کہ آج رات کو میں پہاڑ کی چوٹی پر احسان کی روح کو عریاں دیکھوں گا اور مجھے اس امر کا یقین ہوگیا ہے کہ آج احسان ضرور اپنے حالات مجھ سے بیان کریگا اس خیال وادعان کی بنا پر میں نے ہیبت واحتشام کی قیود کو برطرف کردیا اور نہایت آزادی وطمانیت کے ساتھ اس کے ہمراہ ہولیا ہم دونوں پہاڑ پر چڑھنے لگے سامنے وادی تھی جسمیں چراغ روشن تھے اور روشنی میں خیمے سرخ سرخ نظر آرہے تھے آگے بڑھکر ہمنے ایک روشنی دیکھی جو پہاڑ کی پشت پر فضا میں پھیلتی ہوئی نظر آرہی تھی احسان اس روشنی کو دیکھکر کھڑا ہوگیا اور غور سے روشنی کو دیکھنے لگا پھر آگے بڑھا اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔

بہر حال انکشاف حالات کے لئے ہم کو پہاڑ کی چوٹی پر جانا ضروری ہی، پیامی آؤ ہم راستہ مین باتین کرتے چلین گے۔

مین خاموش اس انتظار مین تھا کہ دیکھین احسان کیا کہتا ہی جب سکا فون اور لشکرگاہ کی روشنی نظرون سے مخفی ہوگئی تو احسان نے گفتگو شروع کی اور اُس کا بیان شروع ہوتے ہی مین نے محسوس کیا کہ جو کثیف تاریکی دو سال سے میرے قلب پر چھائی ہوئی ہی وہ آج اس نئی روشنی مین عائشہ اور احسان کے چہرون کے ظہور سے کافور ہو رہی ہی، احسان کا چہرہ تو سامنے تھا اور واضح طور پر مین نے اُسکو دیکھ لیا تھا اور پھر جو کچھ اُس کے دل مین تھا اُس سے بھی مین واقف تھا لیکن اس سے پہلے کہ پہاڑ کے اندر اس روح پر پردہ ڈالا جائے عائشہ میرے ہاتھون سے نکل چکی تھی اور بے نشان راستون مین چھپ گئی تھی

احسان نے اپنی داستان اُن ایام سے شروع کی جبکہ ہم آستانہ مین تھے اور عائشہ آستانہ پہنچ چکی تھی لیکن یہ داستان بالکل غیر مربوط تھی اور اسکا کوئی سلسلہ نہ تھا وہ ایک واقعہ کو بیان کرتے کرتے یکایک دوسری طرف متوجہ ہو جاتا تھا اور دوسری بات بیان کرنے لگتا تھا، واقعہ کے سلسلہ کو وہ نہایت مختصر الفاظ مین شروع کرتا پھر اُس کی تفصیل سے محترز رہنے کے لئے گریز کر جاتا تھا اُس کی گفتگو یا طرز بیان بالکل۔ اوپیرا کے اُن مبہم نغمون سے مشابہ تھا جو بڑی بڑی فصلین یا باب رکھتے ہین لیکن اُس کی تمہید مین تمام الم انگیز واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہی اور حادثہ کے راز کی تفصیل اور اُس کے نتائج سے اجتناب کیا جاتا ہی احسان واقعات بیان کر رہا تھا کہ یکایک اُسنے پلٹا کھایا اور دوسرا بیان شروع کرکے مجھے حیرت مین ڈال دیا چنانچہ اُسنے پچھلا سلسلہ چھوڑ کر کہا۔

مختصر یہ ہے کہ مین بھی تمھارے اور دوسرے تمام لوگون کی طرح عائشہ کے بخار مین مبتلا ہون، لیکن میرے اور دوسرے لوگون کے درمیان فرق یہ ہی کہ جب عائشہ نے اپنے آتشین چابک کے شعلے سے میری پشت کی تواضع کی تو اس شعلہ یا اس آتشین چابک کی ضرب نے مجھے دوسرون کی طرح سمرنا کی طرف دھکیل نہین دیا بلکہ دوسرے لوگون نے جب سمرنا کی جانب کوچ کر دیا تو مین نے عائشہ کو اپنی اُمیدون کا مرکز یا قبلۂ آمال بنا لیا، جس روز مین نے عائشہ کا استقبال آستانہ کے بندرگاہ پر کیا ہے اور اُس کی سبز آنکھون اور سرخ سرخ ہونٹون کو دیکھا ہے اُس روز سے عائشہ کا زہر میرے خون مین شامل ہو گیا ہی اور رگون مین دوڑتا پھر رہا ہے۔

پیامی میں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا تعارف عورتوں سے حال ہی میں ہوا ہے لیکن باہم میرا ربط عائشہ سے نہ تو بخار کی مانند ہوا اور نہ اُسکو محبت کی اقسام میں داخل کیا جا سکتا ہو بلکہ میں اس ربط کو ایک مصیبت اور طاعون خیال کرتا ہوں عائشہ نے میری روح کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا ہے جس پر اُسکا اقتدار نہ ہو وہ میری رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے اُسنے میری دُنیائے روح میں تزلزل ڈالدیا ہے اور اُسکو تہ و بالا کر دیا ہے۔

ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی۔ ہر قسم کے تعلقات منقطع ہو گئے۔ ہر انسانی شکل پژمردہ ہو گئی، یہاں تک کہ ساری دُنیا تاریک ہو گئی لیکن عائشہ . . . . ہاں عائشہ . . . .

صرف عائشہ کی ایک ہستی ہے جو میرے سامنے کھڑی ہے اُس کے ہونٹوں میں وہی شعلے ہیں جو پہلے تھے اور اُس کی آنکھوں میں وہی زہر ہے جو پہلے تھا وہ ہمیشہ میرے سامنے رہیگی اور کبھی میری نظروں سے جُدا نہ ہوگی۔

پیامی! میری تمام آرزؤں کا ماحصل یہ ہے کہ میں عائشہ کے چہرہ کے سامنے اور اُس سے قریب ہوں ہاں اُس چہرہ کے قریب جو ہر اُس شخص سے دُور رہتا ہے جو اُس کا قرب چاہتے ہیں اور پھر یہ کہ میں اُس دُشواری سے حاصل ہونیوالی چیز کو حاصل کر لوں جو اُس کی آنکھوں اور اُس کے ہونٹوں کے اندر چھپی ہوئی ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیز کیا ہے آیا وہ موت ہے یا زندگی۔

میں عائشہ کی آنکھوں اور ہونٹوں کے اشاروں کا مطیع و منقاد ہوں اور میرے خیال میں اس زندگی کے اندر بجز عائشہ کی اطاعت کے اور کوئی چیز میرے لئے لذت بخش نہیں ہو نہ اس سے بہتر و اہم کوئی کام ہے وہ کونسا ایسا دُشوار گذار راستہ ہو جسکو میں نے اس خیال سے اختیار نہ کیا ہو کہ وہ مجھے اُس عورت تک پہنچا دیگا جو ناممکن الحصول ہونے میں سراب کی مانند ہو۔

عائشہ کے زہر اور بخار سے وہ کونسا درد والم ہے جو مجھے نہ برداشت کرنا پڑا ہو میں جن آلام و مصائب کو اُٹھا رہا ہوں وہ اس قدر سخت ہیں کہ نہ اُن کو آگ کے شعلے جلا سکتے ہیں، نہ خون اُن کو دھو سکتا ہے اور نہ موت اُن کا خاتمہ کر سکتی ہو۔ جس روز سے کہ عائشہ سے میرا تعارف ہوا ہے اُس روز سے اسوقت تک کوئی رات ایسی نہیں گذری ہو جسمیں میں نے اُسکو خواب میں نہ دیکھا ہو میں جو کچھ کرتا ہوں جو کچھ کہتا ہوں اور جس چیز کو دیکھتا ہوں سب میں مجھے عائشہ شریک نظر آتی ہو۔

میرا رب میرے دل کی کیفیت سے آگاہ ہے اور جو کچھ میرے قلب میں ہے وہ اس سے اچھی طرح واقف
ہے اس لئے میں ایک ایسے سپاہی کی طرح جو اپنی مرتبہ عظمت پر فوق رکھتا ہو، کلام کر رہا ہوں اور اس بات کا
اعتراف کرتا ہوں کہ اگر عائشہ کسی روز مجھکو یہ حکم دے کہ تم فوراً میدان جنگ سے چلے جاؤ تو مجھے اُسکے
حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ بھی پس و پیش نہ ہوگا، میں فوراً میدان جنگ کو چھوڑ دونگا اور اُس کے حکم کو بجا لاؤنگا
لیکن یہ شرط ہوگی کہ پھر اپنے طپنچہ سے اپنے دماغ کو پاش پاش کر دونگا اور میدان جنگ سے رخصت ہونے
کے ساتھ ہی دنیا سے بھی رخصت ہو جاؤنگا۔

وہ بخار حسین میں عائشہ سے تعارف حاصل کرنے کے بعد مبتلا ہوا اُن ایام میں جو میں نے آستانہ میں
گذارے برابر شدت اختیار کرتا رہا، پیاری تم کو وہ دن یاد ہوگا جس روز کہ میں عائشہ سے آستانہ میں رخصت
ہو کر اناطولیہ آ رہا تھا اُس روز میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ میں تم کو مار ڈالوں تاکہ میدان میرے لئے
خالی ہو جائے اور پھر میں تنہا عائشہ کے سامنے جھکر اپنے دردِ دل کی داستان اُسکو سناؤں۔

پھر جب میں اُس سے علیحدہ ہو کر اناطولیہ میں رہنے لگا تو وہ آگ جو میرے سینہ میں بھڑک رہی تھی جنون
کی شکل اختیار کرنے لگی اور میں ہاں میں جو سپاہ کی طاقت کے سوا کسی دوسری طاقت کا قائل نہ تھا عائشہ
کی قوت ارادی کے سامنے سرنگون ہو گیا اور یہ اُسوقت کا واقعہ ہے جبکہ میں بے قاعدہ جماعتوں کا افسر تھا اور
یہ خیال قائم کئے ہوئے تھا کہ ان جماعتوں کی رہنمائی سے میں شورش کو دفع کر سکونگا اور کامیابی حاصل
کر لونگا۔

اس کے بعد وہ دن آیا جبکہ میں عائشہ کی قوت ارادی کا اسیر ہو کر اُن باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی
کے لئے کھڑا ہوا تھا جو ملک کے سارے حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور جنھوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں بغاوت
کی آگ بھڑکا رکھی تھی، میں نے بغاوت فرو کرنے کی راہ میں اتنی سنگدلی اور سختی سے کام لیا کہ آج جب میں
اُن سختیوں کو یاد کرتا ہوں تو میرے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے میں نے آبادیوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا
اور بہت سے لوگوں کو پھانسیاں دیکر باغیوں اور سرکشوں پر خوف طاری کر دیا تھا اور یہ سب کچھ میں نے اس
لئے کیا تھا کہ اس طریقہ پر میں سمرنا کی راہ ہاں سمرنا کی اُس راہ کو جسکو عائشہ کی آنکھوں کی سبز شعاعوں نے
روشن کیا تھا صاف کر دوں اور آگے بڑھنے کا موقع بہم پہونچاؤں۔

وہ عورت جس سے میں تمام سختیوں پر مجھکو آمادہ کیا تھا ہاں وہ عورت جس نے مجھکو حکم دیا تھا کہ جس طریقہ پر

ممکن ہو میں تمنا کی راہ کو کشادہ کردوں وہی عورت تھی جسنے اپنی ہمدردی، اور رحمت و اخلاق کی تجلیوں کے مظاہر سے میرے دل کو موہ لیا تھا۔ واقعہ یہ ہو کہ عائشہ نے میری شخصیت کی کایا پلٹ دی تھی اور اب میں وہ نہ تھا جو پہلے تھا اسنے مجھکو ایک ایسی شکل میں ڈھال دیا تھا جسکا پہلے مجھے سان و گمان بھی نہ تھا۔

پیاری جب تم اور عائشہ اصفہان آئے ہوئے تھا اسے ساتھ ایک اور نوجوان انفنٹ تھا گورا رنگ اور اُسکے منہ کا چھوٹا سا دہانہ تھا احمد رفقی اُسکا نام تھا؛ تم کو یاد ہوگا لوگ اُسکو بلشویک کہا کرتے تھے یہ نوجوان میرے دس ماتحت سپاہیوں کا افسر تھا، تم کو معلوم ہو میں کس قدر اذیت پاتا تھا جب یہ دیکھتا تھا کہ عائشہ اور وہ گھوڑوں پر سوار پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں میں اس امر کا یقین رکھتا ہوں کہ عائشہ کی شفقت و محبت احمد رفقی کے ساتھ بالکل اُسی قسم کی تھی جیسی کہ بڑی بہن کو چھوٹے بھائی کے ساتھ ہوتی ہو اور واقعہ بھی یہی تھا۔

بعض اوقات عائشہ کی اس شفقت و محبت کا اثر مجھ پر بھی پڑتا تھا جو وہ احمد رفقی کے ساتھ ظاہر کرتی تھی اور میں اپنے دل میں بھی اس چھوٹے سے لفٹنٹ کی محبت محسوس کرنے لگتا تھا اور یہ محبت بعض اوقات اتنی بڑھ جاتی تھی جتنی کہ میرے قلب میں گنجائش ہوتی تھی لیکن بعض اوقات اُس کے خلاف میرے قلب میں غیرت و رشک کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ پھر وہی زائل ہو جاتی تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ نیند آنکھوں سے اڑ جاتی تھی اور رات بھر میں اُن تدابیر کو سوچتا رہتا تھا جن کے ذریعہ میں اس خار کو اپنی راہ سے ہٹا سکوں، ایسی حالت میں۔ میں اکثر اپنے آپ کو مخاطب کرکے بلند آواز میں کہا کرتا تھا۔

میں دیوانہ ہوگیا ہوں۔ میں نے اپنی ہستی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

پیاری بہن وہ دن بھی یاد ہوگا جس روز کہ جرمنوں نے اس مسکین کو خندق کی راہ میں قتل کیا تھا عائشہ نے جب یہ خبر سُنی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہوئی اور احمد رفقی کے بے جان جسم کی طرف دوڑی، میں نے اُس روز جب اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ عائشہ احمد رفقی کے بے جان جسم کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا رہی ہے اور اُس کے ہمراہی احمد رفقی کی نعش پالکی کی طرف لے جا رہے ہیں اور اس حادثہ سے متاثر ہوکر سب کے سب رو رہے ہیں تو مجھ پر دو کیفیتیں طاری ہوئیں ایک جذبہ تو یہ تھا کہ احمد رفقی کی نعش کو عائشہ، اور اُس کے ساتھیوں سے چھین لوں اور اُس کے جسم کو پاش پاش کردوں، دوسری کیفیت یہ آرزو تھی، کہ کاش میں اپنی روح کو احمد رفقی کے جسد بے روح میں ڈال سکتا اور پھر عائشہ سے کہتا۔

جس نوجوان کے لئے تو رو رہی ہے میں اُس کے لئے اپنی زندگی سے دست بردار ہوتا ہوں تاکہ وہ

پھر زندہ ہو جائے اور تیرے آنسو تھم جائیں ....

احسان نے اپنی داستان یہاں تک بیان کی تھی کہ ہم پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گئے، متاہماری نظر ایک گولہ پر پڑی جو دور سے ہوا کے گندم گون اور چمکدار طبقہ کو چیرتا ہوا نیلگون آسمان کی طرف جا رہا تھا پھر یہ گولہ نیچے کی جانب جھکا اور تیزی سے زمین کی طرف آنے لگا اُس کے ٹکڑون کی روشنی ایسی معلوم ہوتی تھی گویا وہ چراغ یا چمکدار ستارے ہیں، اسوقت چاند کی روشنی نے اناطولیہ کے بلند اور زرد پہاڑون کو روپہلی لباس پہنا رکھا تھا جو پہاڑون کے میدانون پر لہرا رہا تھا، پھر مین نے دیکھا کہ سپاہ کی مختلف جماعتین خاکی لباس مین پہاڑ سے متصلہ ہموار میدانون مین پھر رہی ہین اور کل کے لئے جنگ کی تیاریون مین مصروف ہین اور نیلگون ہوا دھوئین کی سفیدی مین اُنکو گھیرے ہوئے ہے، ہمارے سامنے ایک ٹیلی دوربین لگی ہوئی تھی جو نگرانی اور حالات معلوم کرنے کے مورچون کے پیچھے تھی اور دوربین کے دونون جانب خاکی لباس مین ملبوس دو شکلین کھڑی تھین۔

دوربین کے قریب پہنچکر احسان نے سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا۔ دوربین کی طرف بڑھا اور مورچہ کے اندر داخل ہو گیا اور پھر احسان دشمنون کی نقل حرکت اور جنگی مقامات کی دیکھ بھال مین مشغول تھا اور اُدھر مین ایک پتھر پر بیٹھا ہوا اُس لذت سے متمتع ہو رہا تھا جو ہر اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو خوبصورت اور سرسبز پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو۔ اور خصوصاً مجھ جیسے شخص کو جسکو دو سال سے پہاڑ کی بلندی پر جانے کا موقع نہ ملا تھا۔

مین اُس کیفیت رنج والم اور فرحت و مسرت کو بیان نہین کر سکتا جو اُسوقت مجھپر طاری تھی، البتہ اتنا کہہ سکتا ہون کہ پہاڑ کی چڑھائی نے مجھ کو خستہ کر دیا تھا اور اب مجھ مین اتنی طاقت نہ تھی کہ اُس مقام سے جہان مین بیٹھا تھا ایک قدم بھی آگے بڑھ سکون، مین خاموش بیٹھا ہوا مناظر کا لطف اُٹھا رہا تھا اور اُس شکل لطیف کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا جو مورچہ مین کھڑی دشمنون کی نقل و حرکت کو دیکھ رہی تھی یہ انتظار اس لئے تھا کہ مین پھر اُس کی داستان سنون اور اُس کے ساتھ تھوڑا وقت گذاردون۔

احسان نے دوربین سے دشمن کے اور اپنے لشکر کے حالات و مقامات کو دیکھکر ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ مین لیا اور اپنے اُن فوجی بھائیون سے باتین کرنے لگا جو ہم سے بہت دور خشک پہاڑیون اور میدانون مین پناہ گزین تھے، پھر اُسنے سپاہ کو اپنا سلام پہنچایا اور مبارکباد دی اور اس کے بعد واپس آکر میرے پاس بیٹھ

گیا اور جہاں سے داستان کو چھوڑا تھا وہیں سے اُسنے پھر سلسلۂ داستان کو چھیڑا۔

امتحان کی منزل میں زندگی اور حیات عائشہ کی راہ میں آلام و مصاعب برداشت کرنے کی داستان کا تمام تھا اس کے علاوہ اور جو مشاغل و فرائض تھے یعنی سرکاری فوجی خدمات اور تمام ظاہری اعمال وہ سب گویا اُس کی نگاہ میں عالم خواب کی باتیں تھیں جو اُس کی توجہ اور فکر کے بغیر سر انجام پاتی تھیں لیکن یاقیت کے منظر اور آج کی رات نے تھوڑی دیر کے لئے اُس کی سابق شخصیت کو بحال کر دیا تھا اور اس منظر اور رات نے اُس کی چنگاری میں سے ایک شرارہ کو چمکا دیا تھا اُسنے میرے پاس بکھیر دیا۔

صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق پیش آیا ہے کہ میرے ذہن میں عائشہ سے جدا ہو جانے کا خیال پیدا ہوا تھا یہ اُسوقت کا واقعہ ہے جبکہ ہم اناطولیہ میں بے قاعدہ جماعتوں کی جدوجہد سے بے پرواہ ہو گئے تھے اور اُن کی حرکات سے عاجز آ گئے تھے اور باقاعدہ سپاہ کو ہمنے مرتب کر لیا تھا کیونکہ اب ہمنے جو کام شروع کیا تھا (باقاعدہ سپاہ کی ترتیب کا کام) وہ سمرنا اور عائشہ سے کوئی خصوصیت نہ رکھتا تھا بلکہ اُس کی نوعیت دوسری ہی تھی پھر جب میں اینی اونی کے معرکہ میں شریک ہوا تو میری سابق شخصیت کی حالت عود کر آئی اس کے بعد ہم جسقدر جنگ کے معرکوں میں گھستے گئے میرے قلب سے عائشہ کے ظلم وستم کا اثر کم ہوتا گیا یہ تمام واقعات اُس زمانہ کے ہیں جبکہ عائشہ عسکی شہر میں مقیم تھی لیکن جب میں اپنی خدمات کے سلسلہ میں اہم و زبردست معرکے کے بعد کیتوہ میں آیا تو میری حالت پھر بدل گئی۔ عائشہ کے مرض نے عود کر کے مجھے پھر مصائب میں مبتلا کر دیا اور میری حالت جنون کے درجہ تک پہنچ گئی آخر اس کا انجام یہ ہوا کہ میں فسق و فجور کی پناہ میں چلا گیا کیونکہ میرے نفس نے مجھکو یہ مشورہ دیا کہ میں جس مرض میں گرفتار ہوں اُس سے سرکاری کاموں کی انجام دہی اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے سے مجھے نجات نہیں مل سکتی، بلکہ اس علت سے شفا پانے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ میں تیز و تند شراب سے شغل رکھوں اور جھوٹی محبت کا لطف اُٹھاؤں۔

میں نے اپنے خیمہ میں کثرت سے شراب پی اور بہت سی نوجوان، تازہ شباب اور سبز آنکھوں والی عورتیں جن سے اناطولیہ میں، میں واقف ہو سکا اس طرح ٹوٹ کر مجھ پر گریں جس طرح پروانہ شمع پر گرتا ہے ان عورتوں کے جسموں سے مٹی اور بنفشہ کے پھولوں کی سی خوشبو آتی تھی اور وہ اپنے مضبوط بازوؤں کو میرے گلے میں ڈال ڈالکر میرا جی خوش کیا کرتی تھیں لیکن ان تمام مشاغل نے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا

اور میرے مرض مین ذرہ بھر کمی نہ ہوئی بلکہ عائشہ کا بخار پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ مجھ پر چڑھا اور مجھے بالکل مدہوش کر دیا۔ مین اب جدھر دیکھتا تھا عائشہ ہی مجھے نظر آتی تھی، زمین پر عائشہ موجود تھی، آفتاب مین عائشہ بیٹھی تھی، اور سارے عناصر مین عائشہ کا جلوہ نظر آتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عائشہ ان تمام چیزون سے ایک جداگانہ چیز تھی وہ ایک ایسا راز تھی جسکا ادراک ناممکن تھا، وہ ایک ایسا اسم تھی جسکا کوئی نام نہ تھا اور وہ ایک ایسی موجود چیز تھی جسکو ہاتھ چھو نہین سکتے تھے۔

پیامی! تم جانتے ہو عائشہ کیا چیز ہے؟ اور اُس کا وجود کہان سے ہوا ہے؟ آخر ایک زمانہ آیا اور مین نے اس راز کو معلوم کر لیا کہ عائشہ کی شخصیت مین جس مادی چیز کو مین محسوس کرتا ہون وہ عائشہ کی وہ شخصیت نہین ہے جس سے مجھکو شغف ہے اس حقیقت کے ظاہر ہو جانے پر میرے دل مین عائشہ کی محبت بہت بڑھ گئی اور وہ ربط جو پہلے تھا اُسمین بہت اضافہ ہو گیا۔

اب مین نے یہ ارادہ کر لیا کہ مین تارک الدنیا ہو کر راہبانہ زندگی اختیار کر لون اور پاکبازانہ زندگی بسر کرون اور اس کے ساتھ ہی اُن قومی خدمات کو ادا کرتا رہون جو میرے سپرد ہین۔ انھین ایام مین جب "ابن ادنی" کا دوسرا معرکہ شروع ہوا تو مین نے اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کیا اور سر کو گولی کا نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ آخر یہ کہ ایک روز جبکہ مین مورچہ کی چوٹی پر تھا مین نے محسوس کیا کہ موت بجلی کی طرح میرے سینہ پر آگری ہے مگا مین بیہوش ہو گیا اور یہ خیال قائم کر لیا کہ موت نے میری خواہش کو پورا کر دیا ہے۔

غشی کا دورہ بار بار پڑنے لگا اور دوران سر تو ایک منٹ کے لئے بند نہین ہوا آخر جب مجھکو عمل جرّاحی کی میز پر لٹایا گیا تو پھر مین بیہوش ہو گیا اور اس حالت بیہوشی مین۔ مین نے اپنی پیشانی پر انگلیون کو محسوس کیا ہان اُن انگلیون کو جن کی لذت سے مین پہلے سے واقف تھا میری پیشانی پر بھگویا ہوا کپڑہ رکھا جا رہا تھا۔ ٹھنڈا پانی حلق مین ٹپکایا جا رہا تھا اور کوئی دنیا سنگھائی جا رہی تھی۔

پیامی! تم عائشہ کے ہاتھون کو پہچانتے ہو۔ مین نے جو کچھ کہا ہے غلط تو نہین ہے؟ اُس کی لمبی لمبی انگلیون کے لمس مین ایک خاص راز ہے اور ایک خاص طاقت وہ جسکو چھوتی ہین اُس کے ضعف کو دور کر کے قوت پیدا کر دیتی ہین اور مریض کو اچھا اور تندرست بنا دیتی ہین اُس کی اُنگلیان وہی قوت رکھتی ہین جو اُس کی آنکھون مین ہے ہان اُن آنکھون مین جو قلوب مین سکینت پیدا کرتی ہین یا پھر دونون

مین بخار کے آرام کو مشتعل کر دیتی ہین۔

مین نے آنکھین کھولین تو درد عظیم کو محسوس کیا۔ کلوروفارم کی بو جس سے کمرہ کی ہوا بسی ہوئی تھی میری ناک مین پہنچی۔ پھر مین نے شفاخانہ کے نرسون کو دیکھا جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے ایک سفید قمیص والی خاتون میرے پاس آئی اور اُس کے سیاہ دوپٹے کے اندر مجھے عائشہ کا چہرہ نظر آیا اُس کی سبز آنکھون مین مین نے اسوقت وہ رحم و ہمدردی اور شیرینی پائی جو کبھی پہلے نظر نہ آئی تھی وہ میری طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہونٹون پر اُس مان کی سی شفقت و الفت نمایان تھی جو اپنے بیٹے سے بہت محبت رکھتی ہو۔ مین نے محسوس کیا کہ عائشہ میرے سامنے پھول بنی ہوئی ہے اور آنکھون کی راہ سے میرے دل مین اُتر رہی ہے لیکن اُس کے ہاتھ میرے سر اور سارے جسم کو جذب کر رہے ہین۔

پیاری! مین سچ کہتا ہون کہ اس حالت مین دیر تک مین یہ خیال کرتا رہا کہ مین ایک قائم بالذات سفید رنگ سیّال مادہ یا عالم کی سیر کر رہا ہون مین نے یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ مین مر گیا ہون اور جنت مین چلا گیا ہون اور کیون ایسا خیال قائم نہ کرتا مین شہید تھا اور شہادت نے مجھے جنت مین پہنچا دیا تھا جنت سے میری مراد اسوقت عائشہ کی آنکھین ہین ہان وہ آنکھین جن کی طرف دیکھنے سے مین اپنی مادی ہستی کو گم کر دیتا تھا اور تجلی کے بحر ذخار مین غوطہ مار کر غرق ہو جاتا تھا آہ وہ جنت بھی کس قدر پر لطف بلکہ سراپا سعادت تھی۔

شفاخانہ مین چونکہ کوئی کمرہ خالی نہ تھا اس لیے عمل جرّاحی کے بعد مجھ کو میڈم طاویہ کے ہوٹل کے ایک چھوٹے سے کمرہ مین پہنچا دیا گیا جب میری پالکی ہوٹل مین پہنچی تو عائشہ پالکی کے پاس آئی اور اپنے دونو مضبوط ہاتھون مین بچہ کیطرح مجھکو اُٹھا لیا اور کوئی تکلیف مجھے نہ ہونے دی پھر اُس نے مجھکو آرام کے صاف و ستھرے بستر پر جس کے گدّون مین پرندون کے پر بھرے ہوئے تھے لٹا دیا اب مجھکو یقین ہو گیا کہ مین اُس مقام پر پہنچ گیا ہون جہان موت کی راہ مین ہر شخص کو پہنچنا پڑتا ہے اور جو مسرّت اور زندگی کے درمیان واقع ہے۔ اس یقین کے بعد کہ موت کی گھڑی قریب آگئی ہے مین خاموش ہو گیا اور سو گیا مین بستر پر غافل پڑا تھا اور ڈاکٹر اور عائشہ کی گفتگو سن رہا تھا لیکن ساتھ ہی مین یہ خیال بھی رکھتا تھا کہ مین شہادت اور جنت کا خواب دیکھ رہا ہون لیکن اب ....

بہرحال عائشہ روزانہ صبح کے وقت آتی، مرہم پٹی کرتی۔ بستر کو درست کرتی اور درجہ حرارت کو دیکھتی

تھی جب وہ یہ تمام کام ختم کرکے چلی جاتی تو مین سوجاتا اور ظہر کے وقت تک غافل سوتا رہتا، خواب مین میرے سامنے عائشہ ہی ہوتی تھی اور مین ہر وقت اسی خیال مین رہتا تھا کہ عائشہ کی انگلیان میرے چہرہ اور سر پر ہین۔ کھانے کے اوقات مین عائشہ بستر پر میرے پہلو مین بیٹھ جاتی اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی تھی اور مجھے بستر سے اٹھنے اور بیٹھکر کھانا کھانے کی تکلیف نہ دیتی تھی اور جب وہ رات کو شفاخانہ کا کام ختم کر چکتی تو میرے پاس آکر بیٹھ جاتی اور جب تک مین جاگتا رہتا تھا برابر میرے پاس بیٹھی رہتی تھی،

مین انھین خیالات کے نشہ مین مست و سرشار رہتا تھا اور ان سے مجھے انتہا درجہ کی لذت حاصل ہوتی تھی اور پھر جو چیز بھی عائشہ سے خصوصیت رکھتی تھی وہ میری لذت کا باعث ہوتی تھی، یہان تک کہ وہ چادر جو کام کے وقت وہ جسم پر ڈال لیتی تھی اور میرے سامنے کھونٹی پر لٹکی رہتی تھی میرے سرور کا موجب ہوتی تھی جب عائشہ میرے پہلو مین کرسی پر بیٹھتی تو مین خیال کرتا تھا کہ گویا مین سراب مین تیر رہا ہون یا مین کوئی برگ ہستی ہون اور کسی سیال چیز کے بھنور مین کھڑا ہون۔

مین ایسا محسوس کرتا رہا ہون کہ گویا عائشہ کی آواز میرے کانون مین گونج رہی ہے اور اس کے پرجوش نغمے مجھے ان امور سے آگاہ کر رہے ہین جو انتہائی سادگی اور انتہائی پاکیزگی مین ممتاز ہین۔ ایک دفعہ باتون باتون مین عائشہ نے اپنے زمانۂ طفلی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ کیونکر اسنے سمرنا کے سبز کھیتون مین جنگلی پھول کی طرح پرورش و تربیت حاصل کی اور شاداب پھولون کی طرح اسنے شباب کی سرحد مین قدم رکھا۔ پھر اسنے اپنے گھوڑون۔ بیلون۔ اور دنبون کا ایک ایک کرکے ذکر کیا اس کے بعد اپنی شادی کا واقعہ سنایا یہ تمام باتین اسنے نہایت طمانیت اور سکون کے ساتھ بیان کین ہان ایسے سکون و طمانیت سے جن سے شکر و رضامندی کا جذبہ مترشح تھا لیکن مین نے اس کی باتون سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسکے شوہر مقبل نے جو غالباً اسی کی راہ مین مقتول ہوا تھا اس کے دلمین محبت کا شجر نہین لگایا اور اس کا قلب مقبل کی محبت سے معمور تھا اس اعتبار سے وہ میرے نزدیک ان اناطولی لڑکیون سے زیادہ باکرہ تھی جنھون نے اناطولیہ کے گانون مین اپنے ہاتھون کو میری گردن مین حمائل کیا تھا اور جو پرجوش طریقہ پر میری گود مین بیٹھتی تھین، مین عائشہ کے رخسارون کو دیکھکر یہ خیال کیا کرتا تھا اور اس کے ہونٹون کو دیکھکر یہ خیال میرے قلب مین پیدا ہوتا تھا کہ ابھی تک وہ بوسہ کی برقی رو سے مرتعش و متحرک نہین ہوئے ہین، ان جذبات و خیالات نے میرے دلمین یہ ارادہ پیدا کیا کہ مین عائشہ کا حقیقی شوہر بنون اور اس کے جسم مین اپنی خواہشات اور جنون کے

بخار کو کچھ دن، دن گذرتے رہے اور مجھے اس کا احساس بھی نہیں ہوا میری صحت عود کر رہی تھی اور جسم کی حرارت روز بروز کم ہوتی جاتی تھی حالانکہ مین اس امر کا متمنی تھا کہ ہمیشہ بیمار رہون اور کبھی اچھا نہ ہون

جب مین بات چیت کرنے کے قابل ہوگیا تو ایک روز شام کو مین عائشہ کے پاس جاکر بیٹھا اور باتین کرنے لگا، گفتگو کا موضوع وہ آنے والا دن تھا جبکہ ہم دونون ساتھ سمرنا مین داخل ہونگے یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ہم خیالی دنیا مین اس خیالی منظر سے لذت حاصل کر رہے تھے کہ ہماری سپاہ کا طلایہ فوجی بگل کی آواز پر سمرنا کی سڑکون پر گذر رہا ہوگا اور بحر ابیض کے ساحل کی جانب بڑھا چلا جا رہا ہوگا اور ساحل کی زمین پر جہان ہمارے سپاہیون کا خون بہایا گیا تھا ہمارا لشکر سرخ جھنڈے کو لئے ہوئے گھوم رہا ہوگا

ہم اسی خیالی منظر سے لذت اندوز تھے کہ عائشہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور اگرچہ چراغ کی روشنی اسوقت بہت کم تھی لیکن باین ہمہ مین نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھون سے شعلے نکل رہے ہین اور اس کے وہ سرخ سرخ ہونٹ جو احساس انفعال سے کھلے ہوئے تھے کانپ رہے ہین پھر مین نے اس بیداری کو محسوس کیا جو اس کے جسم اور روح مین برقی رو کی طرح دوڑ رہی تھی اور اس ارتعاش کو بھی محسوس کیا جو اس کے جسم مین اس طرح ساری تھا جس طرح اس عورت کے جسم مین ساری ہوتا ہے جس کے عاشق نے اپنے ہونٹون کو پہلی مرتبہ اس کے رخسارون سے ملایا ہو اور وہ تڑپ کر الگ جا کھڑی ہوئی ہو اور تند مزاجی سے اسکا چہرہ سرخ ہوگیا ہو اسوقت مین نے دیکھا کہ عائشہ کے قلب مین محبت کا جذبہ موجزن ہے ہان اس شدید محبت کا جذبہ جو ابتدائی عمر مین اپنے وطن کے اندر نہین پائی جاتی لیکن اس کے قلب مین محبت کا جو جذبہ تھا وہ سمرنا کے ساتھ مخصوص تھا جب اس کے سامنے سمرنا کا ذکر آتا تو اسپر حالت وجد طاری ہوجاتی اور اس کی آنکھون سے سمرنا کی محبت ٹپکنے لگتی تھی ہان اتنی شدید محبت کہ اس کے مقابلہ مین دنیا کی مشہور ترین دلدادگان عشق و محبت عورتون کے اس طرب و وجد کی کوئی حقیقت نہ تھی جو اپنے دوستون کا ذکر سنکر ان پر طاری ہوجاتا ہے۔ مین اپنے خیال کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہون کہ مین کسی ایسی لذت بخش چیز کو جسکا اثر مجھ پر سب سے زیادہ ہو اس تاثر کے مقابلہ مین پیش نہین کرسکتا جو سمرنا کے خیال کا عائشہ پر تھا۔

جب عائشہ اٹھ کھڑی ہوئی تو مین نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر کہا۔

عائشہ مین تم سے اس امر کا معاہدہ کرتا ہون کہ اگر میری ماتحت سپاہ سب سے پہلے سمرنا مین داخل نہ ہوئی

تو یہ امر یقینی ہوگا کہ میں وہ سب سے پہلا سپاہی ہوں گا جو قومی جھنڈا لیکر سمرنا میں داخل ہوں گا اگر میں اپنے عہد کو پورا کر دکھاؤں تو کیا تم مجھے اپنی زندگی میں شریک کر لوگی اور میری بیوی بن جاؤگی۔

یہ کہکر میں نے عائشہ کے ہاتھ کو آہستہ سے جنبش دی اُس کے ہونٹ کسی قدر ابتک کھلے ہوئے تھے تاثر و انفعال آنکھوں سے نمایاں تھا اور ہاتھوں سے انگیٹھی کی بھاپ کی طرح حرارت بالکل دور ہو چکی تھی میرا سوال سن کر اُسنے غور سے میری طرف دیکھا اور حقیقت کو تسلیم کر لیا پھر اُسنے اس امر کا خیال کئے بغیر کہ وہ شفاخانہ کی ایک نرس ہے اور یہ خیال کر کے کہ وہ صرف عائشہ ہے مجھکو مخاطب کر کے کہا۔

جو شخص سب سے پہلے سمرنا میں داخل ہوگا اُس سے اس زندگی میں۔ میں کسی چیز سے دریغ نہیں کر سکتی مگر ہاں نکاح۔ کیونکہ میں نکاح پر اپنے آپکو راضی کرنے کی قدرت نہیں رکھتی، احسان تم فرض کرو کہ میں طاعون میں مبتلا ہوگئی ہوں اور یہ مرض میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان حائل ہوگیا ہے اور بجز سمرنا کے کسی چیز سے اُسنے میرا تعلق باقی نہیں رکھا ہے۔

عائشہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی میں نے چاہا کہ فرش سے اُتر کر اپنے آپ کو اُس کے قدموں پر ڈال دوں اور اپنی پاک محبت کا پُر اثر الفاظ میں اظہار کرتے ہوئے اُس سے کہوں کہ تمھاری محبت نے میرے قلب میں جو حسرت پیدا کر دی ہے اُسے ضرورت ہے کہ تم اُس کے جواب میں مجھ سے ایسا ہی سلوک کرو جو اُس کے شایان ہو لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور فرش پر بیٹھا رہا اور پُر اثر و بلند الفاظ میں۔ میں نے یہ بیان کرنا شروع کیا کہ میں کیونکر اور کس طرح اُس کی محبت میں گرفتار ہوا جسوقت میں یہ گفتگو کر رہا تھا اپنے جسم میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ گویا سینہ کے زخم میں لوہے کی کوئی چیز کچوکے دے رہی ہے اور وہ زخم کے اندر داخل ہو رہا ہے اور یہ کہ میری کنپٹیوں اور رگوں میں گویا گرم پانی جوش کھا رہا ہے یا کوئی چیز اُن کے اندر چل رہی ہے اور جلد کو شق کر کے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی ہے باین ہمہ کہ میں ایسا محسوس کر رہا تھا لیکن عائشہ کے ہاتھوں کو میں نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور اُن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا گویا اُسکے ہاتھ میرے ہاتھوں میں بندھ کر رہ گئے ہیں اور اب جُدا نہیں ہو سکتے۔

ہم اسی حالت میں تھے کہ میں نے دیکھا کہ یکایک عائشہ کی آنکھوں میں بچپن کی سی گھبراہٹ پیدا ہوئی اور وہ گھبرا کر ادہر اُدہر دیکھنے لگی اور اس طرح جس طرح جنگلی ہرن شکاری کے ہاتھ سے جان بچا کر بھاگنا اور جنگلوں میں جاکر کہیں چھپ جانا چاہتا ہے، عائشہ بھی مجھ سے نجات پانے کا ذریعہ ڈھونڈھ

لگی، پھر یکایک اُسنے خنجر چھین لی اور اپنے ہاتھ چھڑا کر بھاگ نکلی اب میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ
تھا کہ جوش جنون اور وحشت مین اپنے زخمون کی خبر لون چنانچہ مین نے زخم کی پٹی مین انگلیان ڈال
دین اور پٹی کو نوچکر پھینکدیا پھر زخمون کے ٹانکون پر توجہ کی اور ان کو توڑ دیا مجھکو زخم کا درد اسوقت
مجھے بالکل محسوس نہین ہوا البتہ مین اسوقت یہ محسوس کر رہا تھا کہ مین ایک سیال ندامت کے بحر بے
پایان مین غوطے کھا رہا ہون۔

عائشہ نے جب میری یہ دیوانہ حرکت دیکھا تو دوڑی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے دونون ہاتھون
کو مضبوط پکڑ لیا خون کا فوارہ میرے سینہ سے جاری تھا اور مین بیہوش ہو رہا تھا میرے ہاتھون کو پکڑ کر
عائشہ نے اپنے دونون بازو میری گردن مین حمائل کر دیے اور مجھ پر بیہوشی طاری ہو رہی تھی عائشہ نے جھک کر
میرے ہونٹون کو چوم لیا اور مجھکو حکم دیا مین تیار ہو گیا مین نہین کہہ سکتا کہ میرے ہونٹ کیون جل رہے
تھے اور مین شکم سیر کیون تھا آیا یہ اُس خون کے سبب تھا جس کی دھار سینہ سے نکلکر شکم مین گر رہی
تھی یا اُن ہونٹون کے اثر سے تھا جن کو مین چوستے رہا تھا مین نے ان بوسون سے جو لذت حاصل
کی وہ اب مجھے دوبارہ زندگی بھر نصیب ہوگی اس واقعہ کو ایک سال گذر چکا ہے لیکن جب کبھی وہ
یاد آتا ہے تو اُس کی یاد آتشین چھری سے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے بلکہ یون کہنا چاہیے
کہ اُس کی یاد سے مین موم کی طرح پگھلنے لگتا ہون اور محسوس کرتا ہون کہ گویا وہ واقعہ ابھی وقوع مین
آیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد کی جو باتین مجھے یاد رہ گئی ہین وہ یہ ہین کہ عائشہ نے میرے سینہ کے زخم کو اپنے
ہاتھون سے دھویا اُس پر پٹی باندھی اور پھر میرے فرش اور کپڑون کو بدلوایا اس کے بعد اُسنے میرے
خون کے اُن دھبون کو جو اُس کی قمیص پر پڑ گئے تھے عجیب غریب نگاہون سے دیکھا پھر قمیص کو اتارا اور
اُسکو خون مین بھرا ہوا لپیٹ کر حفاظت سے رکھ لیا پھر اُسنے اپنا کوٹ پہنا اور میرے پاس بیٹھکر اپنے
ہاتھون کو میرے سر کے نیچے لیجا کر سر کو اوپر اٹھایا اور میری آنکھون مین جن کو مین مشکل سے کھول
سکتا تھا آنکھین ڈالکر دیر تک دیکھتی رہی اور پھر کہا۔

احسان جب ہم سمرنا مین داخل ہو جائینگے اور بحر ابیض کے ساحل پر اُس خون کی نمائش
کرینگے جو سر سمرنا کی راہ مین بہایا گیا ہے تو پھر جب تم چاہو گے مین تم سے نکاح کرونگی لیکن اس

وقت میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے سامنے اس امر کا حلف اٹھاؤ کہ جب تک ہم سمرنا میں داخل نہ ہو جائیں گے اسوقت تک نہ تو تم کبھی خواہش کا اظہار کرو گے اور نہ تمھارے دل میں کوئی تڑپ پیدا ہوگی اور صرف اُن ذرائع میں تم منہمک رہو گے جو ہم کو سمرنا تک پہنچا دیں۔

میں نے جواب دیا۔ عائشہ اگر تمھاری خواہش یہ ہے تو میں ایسا ہی کرونگا۔

میرا جواب سنکر عائشہ نے اپنے سر دلذت بخش اور خوشگوار ہاتھوں سے میری آنکھوں کو بند کر لیا، یہ وقت نہایت سعید تھا اور میں نے اس سے اتنی لذت حاصل کی جسکا اظہار نہیں کر سکتا، میرا خیال ہے کہ اب میں ایسا لطف دوبارہ حاصل نہ کر سکونگا اور ایسا وقت پھر کبھی مجھے نصیب ہوگا۔

کچھ دنوں بعد میں اچھا ہو گیا اور میرا اتنا جلد اچھا ہو جانا کسی طرح معجزہ سے کم نہ تھا، پھر میں نے رخصت حاصل کی اور انگورہ چلا گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ اناطولیہ میں داخل ہونے کے بعد میں انگورہ گیا تھا انگورہ میں۔ میں اپنے چچا زاد بھائی کے ہاں ٹھہرا جو مجلس وطنی کبیر کے ممبر ہیں انگورہ پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ ہماری جدوجہد کی حالت قابل اطمینان ہے مطلع امید روشن ہو اور سعادت و نیک بختی کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے امید افزا حالات معلوم ہو جانے کے بعد پھر کبھی میرے قلب میں یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوا کہ مبادا ہم سمرنا تک پہنچنے میں ناکام رہیں۔

میرے چچا کی کئی خوبصورت اور مہذب و متمدن لڑکیاں ہیں جن کے ساتھ میں اکثر جنگل میں سیر و تفریح کے لئے جایا کرتا تھا اور شباب کے نشاط کا لطف اٹھایا کرتا تھا وہ ظالم آگ جو میرے قلب میں روشن تھی ہاں وہ بدنصیب آگ جس کی حرارت کا میں اسوقت سے اسیر تھا جبکہ میں آستانہ میں تھا ا سرد پڑ گئی تھی اور اس کے معاوضہ میں رب بزرگ و برتر نے مجھے ایسی خوشگوار امیدوں سے مالامال کر دیا تھا جو زندگی بخش اور سعادت افزا تھیں۔

انگورہ روانہ ہونے کے لئے جب میں عائشہ سے رخصت ہو رہا تھا تو اسنے مجھسے کہا تھا کہ وہ بھی عنقریب اپنے بھائی جمال کے پاس افیون قرہ حصار جانے والی ہے اور اگرچہ رخصت ہوتے وقت ہمنے یہ قرار دیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو خط نہ لکھیں گے لیکن باین ہمہ میں روزانہ رات کے وقت خط کا ایک صفحہ لکھا کرتا تھا گویا یہ بھی عبادت کے فرائض میں سے ایک فرض تھا، ان خطوط میں میں عموماً اُن باتوں کا ذکر کیا کرتا تھا جو انگورہ میں میری وابستگی اور سعادت کا موجب تھیں اور جن سے واقعی

طور پر مین لذت اندوز تھا۔

مختصر یہ کہ میری رخصت کے ایام ختم ہو گئے اور سپہ سالار عام کے حکم سے مجھکو جبہت کی قیادت سے علیحدہ ہونا پڑا کیونکہ سپہ سالار عام نے یہ خیال کیا کہ جو زخم مجھکو لگے تھے انھون نے مجھکو اس قابل نہین رکھا ہے کہ مین محنت شاقہ کر سکون اور سخت کامون کو انجام دے سکون میری خدمات کا [illegible] کی فوجی کمیٹی مین تقرر کر دیا تھا

رات کے آخری حصہ مین مین انگوریہ سے روانہ ہوا چچا کی لڑکیان مجھے اسٹیشن تک پہنچانے آئین اور خاندان کے تمام لوگ مجھ سے گلے ملے یہان تک کہ چچا کی سب سے چھوٹی لڑکی صبیحہ بھی آئی اسنے اسٹیشن پر رخصت ہوتے وقت ایک شور برپا کر دیا اور رو رو کر سارے اسٹیشن کو سر پر اٹھا لیا وہ میرے گلے سے لپٹ گئی اور بے اختیار میرے رخسارون کو چومنے لگی، یہ لڑکی مجھکو بڑے بھائی کہا کرتی تھی اور اس کی عمر [illegible] تھی۔

میرے چچا زاد بھائی اور تمام رشتہ دارون کی خواہش یہ تھی کہ صبیحہ کی شادی میرے ساتھ کر دین اور جب مجھکو یہ معلوم ہوا کہ صبیحہ بھی یہ خواہش رکھتی ہے تو مجھکو ایک مدت تک اس کا رنج رہا اور خصوصاً اس وجہ سے کہ جنگ کے وقوع مین آنے والے تھے اور ہم جنگ کے دروازہ پر کھڑے تھے اور حالت کا اقتضا یہ تھا کہ مین بھی [illegible] کی جانب بڑھون۔

مین کس قدر خوش نصیب ہون کہ رخصت ہوتے وقت دوسرے لوگون کے علاوہ مجھے صبیحہ کے شاداب رخسارون کو بھی بوسہ دینے کا موقع ملا آخر یہ کہ ٹرین نے سیٹی دی اور مین کود کر گاڑی مین جا بیٹھا اور انگوریہ سے روانہ ہو گیا۔

راستہ مین ہوا اگرچہ سرد تھی لیکن با این ہمہ ہم نہایت خوش تھے اسٹیشن یہان سے روانہ ہو کر جب گاڑی آگے بڑھی تو ایک نوجوان شخص نے میری طرف توجہ کی اور مجھ سے باتین کرنے کی کوشش کی لیکن میرے پہلو مین جو ایک اور مسافر بیٹھا تھا اور متانت و سنجیدگی کا پتلا تھا اسنے ہونٹون پر انگلی رکھکر اس نوجوان کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور پھر ہاتھ سے قریب کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا نوجوان نے آہستہ سے دریافت کیا۔ اس گاڑی مین کون ہے۔

اس مسافر نے جواب دیا ایک نرس ہے جو اسکی شہر جا رہی ہے۔

مین نے یہ الفاظ سنے اور گھبرا کر دریافت کیا۔

وہ کون ہے کیا تم اُسکو جانتے ہو۔

تیسرا مسافر ۔ بیوہ یا مطلقہ نہیں البتہ اُن [illegible] بتلا سکتا ہوں کہ [illegible] شہر [illegible] اس کے

ساتھ آیا تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ [illegible]

ایک اور مسافر ۔ شکر ہے وہ [illegible]

پہلا مسافر ۔ میں نہیں کہہ سکتا ۔ وہ [illegible] ایک [illegible] جوان تھا [illegible] آنکھیں

نیلگون تھیں۔

یہ سنکر میرا قلب [illegible] اور میں اپنے دل میں کہنے لگا،

معلوم نہیں وہ جوان کب افیون تر وحصار سے انکو رہا کرایا ؟ اور عائشہ کو بھی [illegible] آئی ؟ پھر انہوں نے مجھ کو

تلاش کیوں نہیں کیا ؟ اور پھر اس کے علاوہ واسطہ کیا مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہماری گاڑی میں ایک عورت

بھی ہے۔

ان سوالات نے میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرنا شروع کیے لیکن باین ہمہ کہ میں اوہام

میں مبتلا تھا، گاڑی کے اُس لکڑی کے پردہ کے پیچھے جو ہمارے اور عائشہ کے درمیان حائل تھا عائشہ کا

موجود ہونا میرے لئے بڑا زبردست اثر رکھتا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ کیونکر میں نے اسٹیشن "بالی" تک

گاڑی پہنچنے کا انتظار اور صبر کیا چونہی گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی میں فوراً گاڑی سے باہر نکلا اور سلطنت

سپاہی خادم کو اُس گاڑی کی کھڑکی کی طرف بھیجا جو ہماری گاڑی سے ملی ہوئی تھی ادھر تو میں دور کھڑا

کانپ رہا تھا اور اُدھر خادم گاڑی کی کھڑکی پر کھڑا دریافت کر رہا تھا۔

کیا سیدہ عائشہ اس گاڑی میں ہیں۔

جواب ملا ۔ ہاں۔

اب سنکر میں فوراً آگے بڑھا اور گاڑی کے دروازہ کو کھٹکھٹایا دروازہ کھلنے پر میں نے دیکھا کہ

عائشہ گاڑی کے ایک گوشہ میں بیٹھی ہے اور فرش پر فانوس روشن ہے جسکی روشنی عائشہ کے چہرہ کے زیرین

حصہ پر پڑ رہی ہے اور آنکھیں تاریکی میں ہیں اسوقت وہ نرس کا لباس پہنے تھی گاڑی میں داخل ہو کر

میں نے دروازہ بند کر دیا اور عائشہ کے سامنے اُس کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ گیا، عائشہ نے اپنے

ہاتھوں سے سختی کے ساتھ مجھے پیچھے دھکیل دیا اور استہزا کے لہجہ میں کہا " یہاں کوئی شخص ایسا نہیں

جسکو یہ معلوم ہو کہ ہم دونوں منگیتر تھے۔ امید ہے کہ تم اپنے نفس پر قابو رکھو گے۔

میں فوراً سنبھل گیا اور اُس کے سامنے اطمینان کیساتھ بیٹھ گیا اور اب میں نے دیکھا کہ اُس کے چہرہ پر رنج و الم کی تاریکی اور تکدر چھایا ہوا تھا اور اُس کے لہجے سے تنفر ظاہر ہوتا تھا اُس کے یہ کلمے کہ "ہم دونوں منگیتر تھے" میرے اضطراب کو بہت کچھ دور کر رہا تھا اور یہ کوئی عجیب بات نہ تھی اس لئے کہ جو مخفی رشتہ میرے اور عائشہ کے درمیان پایا جاتا تھا وہ ایسا نہ تھا جسکو جانتے ہوئے کوئی دوسرا شخص سمجھ سکتا اور میں بجز اس رابطے کے اور کسی بات کا خواہشمند نہ تھا لیکن اسوقت اُس کا سکوت اور چہرہ کا وہ تکدر جو اُس کے قلبی تاثر کا پتہ دیتا تھا مجھے پریشان بنانے اور میرے خوف کو بڑھانے کے لئے کافی تھا آخر میں نے جرأت کر کے اُس سے دریافت کیا۔

عائشہ کیا بات ہے؟ تم کب سے انگورہ میں تھیں؟ کیا تم جمال کے ساتھ آئی تھیں؟

عائشہ۔ جمال تو دو ہفتے سے انگورہ میں ہیں لیکن میں صرف تین روز کے لئے افسر اطباء کی ہدایت سے چند ضروری چیزیں لینے آئی تھی مگر ایک دفعہ پھر مجھے انگورہ آنا پڑیگا کیوں احسان کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔

میں۔ تم نے مجھکو کیوں تلاش نہیں کیا۔

عائشہ۔ ابتداء میں تو مجھے تمھارا پتہ معلوم نہ تھا..........

میں۔ لیکن پتہ معلوم ہو جانے پر۔

عائشہ۔ تمھارا پتہ معلوم ہو جانے پر میں اس لئے تمھارے پاس نہیں گئی کہ تمھارے چچا کی بیٹیوں سے کوئی سابق تعارف مجھے حاصل نہ تھا۔

عائشہ کے ان الفاظ نے مجھے تردد میں ڈال دیا اور میں غور کرنے لگا کہ اسٹیشن انگورہ کے واقعات نے اُسپر کیا اثر کیا ہوگا، اس خیال نے مجھے خوف زدہ کر دیا، پھر میرے دلمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ انگورہ اسٹیشن پر جو واقعات پیش آئے ہیں میں اُن سے عائشہ کو آگاہ کر دوں اور پھر ان واقعات کو سنکر عائشہ سے رشک و غیرت اور رقابت کے جو مظاہر ظاہر ہوں اُن سے لذت اندوز ہوں چنانچہ اس خیال کی بناء پر میں نے اُس سے دریافت کیا۔

عائشہ کیا تم نے ہمکو انگورہ اسٹیشن پر دیکھا تھا۔

میرے اس سوال کا جواب عائشہ نے نہیں دیا اور تھوڑی دیر انتظار کرکے میں کسی قدر آگے بڑھا
اُس کے چہرہ پر نظر ڈالی اور ضعف و ناتوانی کے آثار اس کے چہرہ پر نمایاں تھے یہ حالت دیکھ کر میں اور آگے
بڑھا اور اُس کے گھٹنوں سے ملکر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل رہی تھی اور اس کی حرکت سے میرا سر اُس کے گھٹنوں
سے چھو رہا تھا چند منٹ کے بعد عائشہ نے کہا۔

انگورہ اسٹیشن پر جہاں تم نے کچھ مجھے موجود دیکھا تھا میں یہیں سے آئی ....

یہ کہتے کہتے عائشہ پر رقت طاری ہوئی اور گلا گلوگیر ہو گیا اور وہ بات کو پورا نہ کر سکی پھر اُسنے
رونا شروع کیا اور دیر تک روتی رہی، میں نے اُس کے تاثر سے یہ خیال اپنے ذہن میں قائم کیا کہ وہ
اپنے گذشتہ دور غربت یا اور کسی وجہ سے رو رہی ہے آخر میں نے تسکین دینے کے خیال سے اُس کے ہاتھوں
کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور عزت و احترام سے اُن کو دبانے لگا پھر اُس کے قدموں کو میں نے بچوں کی
طرح سادگی سے چھوا جب وہ خوب رو چکی تو سکون اُسکو حاصل ہو گیا لیکن وہ خاموش رہی اور اُن
خاص باتوں کے متعلق جو ہم سے تعلق رکھتی تھیں اُسنے ایک حرف بھی نہیں کہا میں چونکہ بولادی
کے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترنے کے لئے مجبور تھا اس لئے میں بہت مضطرب و پریشان تھا، صبح کے
وقت گاڑی عسکی شہر پہنچتی تھی اور چونکہ مجھے عسکی شہر سے آگے جانا تھا اور عائشہ عسکی شہر پر اُترنے والی
تھی اس لئے جُدائی کا خیال بھی میرے لئے پریشان کن تھا پھر عائشہ چونکہ میری باتوں کا جواب دیتی
تھی اور نہ مجھ سے خود بات کرتی تھی اس لئے اُس کے پاس بیٹھنا بھی بیکار تھا دیر تک خاموش رہنے کے
بعد آخر عائشہ نے کہا۔

احسان اسوقت میں بہت پریشان و مضطرب ہوں اور گفتگو کی طاقت نہیں رکھتی۔

میں نے کہا۔ کیا تم مجھ سے یہ دریافت نہ کرو گی کہ میں نے انگورہ میں کیونکر بسر کی۔

اس کے جواب میں اُسنے بے پروائی اور بے توجہی سے کہا۔ اگر تمھارا جی چاہتا ہے تو بیان کرو۔ عائشہ
کے اس جواب نے میرے قلب سے اُس خطرہ کو دُور کر دیا جو مجھ پر مسلط تھا اور مجھے اطمینان حاصل ہو گیا۔

اسٹیشن بولادی پر جب میں عائشہ سے جدا ہوا تو اتنا متاثر تھا کہ میں مشکل سے اُس کے ہاتھوں کو
بوسہ دے سکا۔ گاڑی اسٹیشن سے روانہ ہوئی اور میں اپنی گاڑی میں اپنے پہلے رفقاء سفر کے درمیان
جا بیٹھا یہ خیال کہ عائشہ قریب کی گاڑی میں صرف لکڑی کے ایک پردہ کے پیچھے جو میری اور اُس کی

گاڑی کے درمیان حائل ہے چٹھی ہو مجھے سخت پریشان کر رہا تھا۔ اضطراب کی شورش سے میرا حال تھا اور جذبات نے مجھے بیچین بنا رکھا تھا آخر مین نے اپنے پلین کہا کہ عائشہ کو ضرور یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مین اپنے چچا کی لڑکیون کے ساتھ بیتر تفریح کے لئے جایا کرتا تھا اور اس خیال نے اس کے قلب مین نسوانی رشک و حسد پیدا کر دی ہے۔ جس وقت میرے قلب مین یہ خیال پیدا ہوا معاً مین نے ارادہ کیا کہ عائشہ کی خدمت مین حاضر ہو کر مین اسکو یہ بتلا دون کہ مجھے اس سے کس قدر محبت و الفت ہے اور یہ کہ مین دنیا مین صرف اسی کے لئے زندہ ہون۔

دوسرے روز صبح کو گاڑی عسکی شہر کے اسٹیشن پہنچی اور عائشہ نے گاڑی سے اتر کر دوسرے لوگون کے ساتھ مجھ سے بھی ہاتھ ملایا اور چلی گئی تھوڑی دیر مین گاڑی پھر روانہ ہوئی، مین گاڑی کی کھڑکی مین کھڑا ہو گیا اور درختون کے درمیان عائشہ کو اسوقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ اسکے کپڑون کے دامن تک مجھے نظر آتے رہے اور جب وہ نظر سے غائب ہو گئی تو مین تن تنہا گاڑی مین بحس و حرکت بنچ پر بیٹھ گیا

عسکی شہر کے تخلیہ کے بعد جب ہم سید غازی کے محاذ پر لڑ رہے تھے تو باوجود سخت حملون اور دقت کے میرے دل و دماغ عائشہ کے فکر و خیال سے خالی نہ تھے اور مین دل ہی دل مین یہ کہا کرتا تھا خدا جانے وہ اپنے شفاخانہ کے ساتھ انگورہ واپس آگئی ہے یا ابھی تک بولادلی ہی مین ہے۔ ایام جنگ کے شدید ترین ایام مین ایک روز جبکہ سوارون کے دستے سختی کے ساتھ سید غازی پر حملہ آور تھے مین اپنے خیمہ کے اندر ان کاغذون کے درمیان جو میرے صیغہ سے تعلق رکھتے تھے بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا کہ مین نے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی پھر مین نے جمال کو دیکھا جو دروازہ پر کھڑا ہوا بلند و دلکش آواز مین کہہ رہا تھا۔

احسان مین تم کو کب تک تلاش کرتا رہونگا۔

جمال سر سے پاؤن تک غبار آلود تھا، یہان تک کہ اس کی پلکین اور مونچھین بھی گرد آلود تھین، اول تو اسنے فوجی قاعدہ سے عادت کے مطابق ایک بوٹ سے دوسرے پر سخت ضرب لگائی اور پھر اپنے دونون ہاتھ مصافحہ کے لئے میری طرف بڑھائے۔ مین نے مصافحہ کیا اور یہ محسوس کیا کہ جمال میرے ہاتھون کو اس قدر سختی سے دبا رہا ہے کہ وہ کہنیون سے جدا ہو جانے کو ہین پھر مین نے یہ محسوس کیا کہ جمال کی مسرت نے مجھ مین غیر معمولی قوت پیدا کر دی ہے اور مجھ پر جو کیفیت رنج و الم طاری تھی وہ جاتی

ترہی ہے اور یہ کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی کیونکہ اس شخص سے ملتا ہوا اُس کا قریبی عزیز تھا اور پھر یہ کہ اُس کا حقیقی بھائی ہو یقیناً یہ سب طرح درست ہے۔

میرے خیمہ میں جو کچھ موجود تھا اُسی سے میں نے جمال کی خاطر مدارات کی پھر اُس کے لئے میں نے قہوہ منگایا، جمال اور میں قہوہ پیتے ہوئے خوش ہو رہے تھے اور میری طرف توجہ کئے بغیر مسلسل باتیں کر رہا تھا، دوران گفتگو میں اُسنے بیان کیا۔

احسان مبارک ہو لیکن کیا یہ امر مناسب ہے کہ کوئی شخص چھپ چھپا کے منگنی کر لے اور اپنے بھائیوں تک کو خبر نہ دے۔

جمال کے ان الفاظ نے مجھے خوش کر دیا اور کچھ دیر بعد میں جواب دینے کے قابل ہوا میں نے اپنے دل میں کہا یقیناً عائشہ نے کسی شہر کے واقعہ کی جمال کو خبر دیدی ہے اب تک میں اس واقعہ یا اسی قرار کی طرح کو خواب و خیال سمجھے ہوئے تھا لیکن اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے پھر میں نے جمال سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ عائشہ نے اس کے متعلق اُس سے کیا کہا ہے چنانچہ گفتگو کے اندر ہی میں میں نے جمال سے پوچھا۔

کیا اس منگنی کی خبر تم کو اُسی نے دی ہے۔

جمال۔ بھائی کیا تم خواب دیکھ رہے ہو۔ میں اس سے واقف ہی کہاں ہوں جو وہ مجھے خبر دیتی میں نے جو کچھ کہا ہے وہ تو ایک ایسی بات ہے جس سے بچہ بچہ واقف ہے اور جس کا ہر جگہ چرچا ہے اور ایسی صورت میں کہ عینی شہادت موجود ہے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

میں۔ جمال تم کیا کہہ رہے ہو میری منگنی کس سے ہوئی ہے وہ کون عورت ہے۔

جمال۔ کسی قدر تم شرمیلے ہو اور تمہارے خیال میں احسان کونسی عورت ہو سکتی ہے۔

میں۔ خدا معلوم تم کیا کہہ رہے ہو آج تو تم معموں میں باتیں کر رہے ہو۔

جمال۔ معمہ کیسا۔ الگورہ میں دکمش کے جنگل کے اندر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تمہارے اور اُس کے سر ملے ہوئے تھے اور تم دونوں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کبوتروں کا ایک جوڑہ جنگل میں پھر رہا ہے۔

میں۔ اہا تمہارا اشارہ اُس کی جانب ہے ....

جمال۔ تو کیا اُس کے سوائے اور بھی کوئی ہے؟

مَیں۔ جمال میرا خیال ہے کہ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔

جمال۔ اچھا تم تو یہ سوال تعجب سے پوچھتے ہو۔ کیا تم کو اس عورت نے منگنی کی خبر دی ہے
میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا تمھاری منگنی ہو گئی؟ اور لیجئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔

اس موقع پر میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا اور جمال سے کہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم اس لڑکی کو نہایت سخت محبت رکھتے ہو اور غالباً تم نے اس کے عزیزوں کو اپنا پیام
دیا ہوگا لیکن انھوں نے میرے آنے کے بعد تمھاری درخواست کو رد کر دیا ہے۔

میرے الفاظ سنکر جمال ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور پھر کہا۔

اگر وہ تمھاری منگیتر نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

مَیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے چچازاد بھائی نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس خوبصورت نوجوان لڑکی سے میرا
عقد کر دیا جائے لیکن میں کیونکر ایسی حالت میں کہ ہم ہر وقت جیسا کہ تم کو معلوم ہے ادھر اُدھر دشمنوں سے
مقابلہ کرتے پھر رہے ہیں نکاح کر سکتا تھا۔ بلاشبہ ایسی حالت میں نکاح کرنا ایک بے معنی فعل ہوتا۔

جمال۔ لیکن جب یہ حالت ختم ہو جائے گی اور پھر اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوگا پھر تو تم کو اس سے
نکاح کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا اور غالباً تم اُس وقت نکاح کر لوگے۔

مَیں۔ جمال میں اس سے کسی حال میں بھی نکاح نہ کرونگا۔

جمال۔ کیوں؟ تم اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کرنا کیوں پسند نہیں کرتے۔

مَیں۔ جمال معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہو اگر واقعہ یہی ہے تو میں نہایت خوشی
سے اس کام میں حصہ لونگا اور اسکو تکمیل تک پہنچا دونگا لیکن سب سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ
میری نسبت کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ تم آخر وہ کیوں گئے تھے۔ اور تم مجھ سے ملنے کے بجائے علحدہ علحدہ
کیوں رہے۔

جمال۔ درست میں تو مذاق کر رہا ہوں کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ بہن عائشہ مجھے نکاح کی اجازت دیگی،
اب رہا یہ کہ تمھاری نسبت کیا کہا جاتا ہے اس کی نسبت میں ذرا تفصیل سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

"ابن ادنی کے دوسرے معرکے کے بعد عائشہ کا ارادہ تھا کہ مجھ سے ملنے کے لئے اینون قرہ حصار آئے

مین بہت دنون تک اُس کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آئی پھر اُس کا ایک تار مجھے ملا جس مین اُسنے اطلاع دی تھی کہ وہ اسوقت شفاخانہ کے کام کو نہین چھوڑ سکتی اور کچھ عرصہ بعد وہ انقرہ آئیگی، انھین ایام مین میرے افسر اعلیٰ نے دانتون کا علاج کرانے کے لئے ڈیڑھ ماہ کی رخصت دیکر مجھے عسکی شہر بھیجدیا اور مین عائشہ سے ملا یہان پہنچکر مین نے دیکھا کہ ہمارے جانے کے بعد سے عائشہ کا کام شفاخانہ مین بہت بڑھ گیا ہے اور اُس کو شفاخانہ کے کام سے خاص دلچسپی پیدا ہوگئی ہے انھین ایام مین ہمارا ایک قدیم دوست "بحیرہ اینہ" کے مدافعانہ معرکون مین زخمی ہوکر شفاخانہ مین آیا۔

مین۔ وہ کون۔

جمال۔ ہمارا قدیم دوست جو ہمارے دستہ کا کمانڈر ہے۔

مین۔ حشمت بک۔

جمال۔ ہان اُس کا علاج بھی میڈم طاویہ کے ہوٹل کے اُسی کرہ مین ہو رہا ہے جسمین تمھارا علاج ہوا تھا۔ اپنی رخصت سے فائدہ اٹھاکر کچھ دن انگورہ مین گذارنے کے لیے مین عسکی شہر سے انگورہ چلا آیا اور کچھ دنون بعد عائشہ بھی انگورہ آگئی، مین نے عائشہ سے دریافت کیا۔

تم نے شفاخانہ کو کیون چھوڑدیا اور یہان کیونکر آنا ہوا۔

عائشہ نے تبلایا کہ وہ صرف تین دن کے لئے شفاخانہ کے ایک ضروری کام سے آئی ہے اور اپنی جگہ اُسنے دوسری نرس کو کام پر لگا دیا ہے۔

عائشہ میرے پاس تیمر والی سرائے مین ٹھہری، دوسرے روز مین تمھاری تلاش مین نکلا اور اپنے دوست یوزباشی (کپتان) حیدر رمزی کے ساتھ "دیکیش" کے جنگل کی طرف گیا ہم دونون جنگل مین پھر رہے تھے کہ ہماری نظر تم پر ہان جناب والا پر پڑی، تمھارے ساتھ وہ چھوٹی لڑکی بھی تھی اور تم دونون ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کبوترون کا ایک جوڑہ سبزہ زار مین پھر رہا ہے۔

مین۔ درست ہے پھر کیا ہوا۔

جمال۔ یہ منظر دیکھکر میرے دلمین گھبراہٹ پیدا ہوئی اور مین نے حیدر رمزی سے کہا۔

جب مین عائشہ کے ساتھ نہ ہون تو ایسی جگہ نہین ٹھہر سکتا جہان عورتین ہون۔ آخر ہم وہان سے واپس ہوئے راستہ مین حیدر رمزی نے مجھسے کہا کہ اُس کو معلوم ہوا ہے کہ احسان کی منگنی اس لڑکی سے

ہوگئی ہے اور انگورہ کا ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اس خبر نے مجھ کو بہت خوش کیا اور اس واردات کو عائشہ سے سب سے پہلے مین نے اسی کا ذکر کیا۔

جمال یہ واقعہ بیان کر رہا تھا اور میرا دل زور زور سے حرکت کر رہا تھا مین نے ہرچند کوشش کی لیکن مین اس کپکپی کو نہ روک سکا جو میرے ہاتھوں پر طاری تھی خوش قسمتی سے جمال نے اس حالت مین مجھکو دیکھا نہیں ورنہ بڑی مشکل پیش آتی آخر جمال اُن چیزوں کو کھا کر جو مین نے پیش کی تھین فارغ ہوگیا اور قہوہ پینا شروع کیا وہ قہوہ اور سگریٹ پیا جاتا تھا اور باتون مین مشغول تھا گویا وہ کوئی ایسا قصہ بیان کر رہا ہے جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہین ہے دوران گفتگو مین اُسنے کہا۔

احسان مین تم سے اور تمھاری منگیتر سے ملنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عائشہ نے سختی کیساتھ مجھے اس سے منع کر دیا اور مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

مین۔ جمال مین تم سے امید رکھتا ہون کہ تم اپنے الفاظ کو درست کروگے وہ لڑکی میری منگیتر نہین ہے۔

جمال۔ بہرحال عائشہ یہ کہکر عذر پیش کر دیا کرتی تھی، کہ وہ لوگ یوروپین تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہین اور مین ایک غمگین اناطولی عورت اس لئے مین یہ مناسب نہین سمجھتی کہ ان دونون سعید جوانون کو اپنی ملاقات سے ملک بناؤن اب رہا عشق شہر کا دولھا اسکو ہم ہر وقت وہین مبارکباد دے سکتے ہین۔

مین نے ہرچند چاہا کہ عائشہ کے اس ارادہ کو پلٹ دون اور تم سے ملنے کا موقع بہم پہنچاؤن لیکن مین اس کوشش مین ناکام رہا، عائشہ کا ارادہ تین روز تک انگورہ مین قیام کا تھا لیکن وہ تیسرے دن سے پہلے ہی یہ کہکر روانہ ہوگئی کہ اسکو اپنے مریضوں کا بہت خیال ہے مین نے اُس کے ارادہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اسٹیشن پر اُسکو پہنچا آیا بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ تم بھی اُسی گاڑی سے جا رہے تھے جس سے عائشہ گئی تھی، اگر مجھے پہلے سے اس کی خبر مل جاتی تو مین تم کو اس سے آگاہ کر دیتا اور تم کو ہدایت کر دیتا کہ عائشہ کی خبر رکھنا ممکن ہے راستہ مین تم کو کہین اُس سے ملنے کا موقع ملا ہو۔

مین۔ ہان راستہ مین مجھے عائشہ سے ملنے کا موقع ملا تھا جمال آجکل عائشہ کہان ہے۔

جمال۔ وہ بولاولی مین ٹھہر گئی ہے اور ہلال احمر کے ساتھ انگورہ نہین آئی ہے ممکن ہے اُسکا یہ ارادہ ہو کہ وہ کسی سفری شفاخانہ مین داخل ہوکر فوج کے ساتھ ہی مین تمھارے دستہ کے سفری شفاخانے کے افسر اعلی سے واقف ہون اور اس امر کے متعلق مین اُس سے گفتگو کرونگا علاوہ ازین مجھے معلوم ہوا ہے کہ

گرم کی ہوئی سوئیاں نہ ہوتیں۔ پیاری عائشہ! میرے سینہ میں آلام و ہموم اب تک اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہیں
اور جب میں اُس راز تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے دماغ میں شور برپا ہو جاتا ہے۔ عائشہ
نے میری منگنی کی خبر سنی اور رشک و غیرت سے اُس نے مجھ سے ناطہ توڑ دیا ہے گویا اُس نے مجھ سے صرف
اسی بنا پر نہایت بے رحمی اور بے مہری سے ایک ایسا فعل کیا جس سے وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گئی پھر
اُس کی خودداری نے اُس کو اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنا راز مجھ سے کہتی اور یہ کلام کس قدر دلکش
اور لذیذ ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اور خیال اثر بخش ہے اور وہ یہ ہے کہ میں اس امر پر بڑی خوشی
سے راضی ہوں کہ اُس کے دل میں جو شوق خیالات میری جانب سے پیدا ہو گئے ہیں میں ان کو صاف کرنے
کے لئے اُس کے دامنوں کے سایہ میں اُس کے سامنے کھڑا ہو کر [illegible] اپنے دماغ کو پاش
پاش کردوں اور پھر میں اُس کے گرم گرم آنسوؤں کو دیکھتا ہوا جو اُس خون سے تر بتر ہوں گے جو میرے
سر سے فوارہ کی مانند نکل کر اُس کے ہونٹوں پر پہنچ گیا [illegible] لیکن جب میں اُسکا ارادہ کرتا ہوں تو
ایک مجسم شبیہ ایک شخص یعنی حشمت بیگ کی شکل میں میرے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے ہاں وہ حشمت بیگ
جس کے متعلق میں اپنی پوری اخلاقی قوت سے غور و فکر میں مبتلا رہتا ہوں ہاں میں اُسکو سیاہ بالوں میں
اپنے سامنے کھڑا پاتا ہوں ....

میں چاہتا ہوں کہ پوری قوت سے اُسکے سینے پر گھونسا مار کر اُسکو سامنے سے ہٹا دوں اور بلند آواز
میں اُس کو مخاطب کر کے بتلا دوں کہ

حشمت بیگ ایسا نہیں ہو سکتا ... ہاں حشمت بیگ یہ نہیں ہو سکتا۔

اسوقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ عائشہ گویا میرے سامنے کھڑی ہے اور سرد مہری و بے توجہی اُس
کی حرکات و سکنات سے عیاں ہے اور گویا وہ اپنے ساتھ میری منگنی کے معاملہ کو استہزاء کی نظر سے دیکھ
رہی ہے ایسی حالت میں یہ امر کیونکر معقول ہو سکتا ہے کہ کسی شریف عورت سے وہ میری منگنی کو بری
نظر سے دیکھتی اور رشک کرتی ہو۔ ممکن ہے شفاخانہ میں جو واقعہ پیش آیا تھا وہ محض میرا خیال و گمان
یا بخار کا ہذیان ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عائشہ نے جو کچھ کہا ہو وہ محض اس لیے کہا ہو کہ اس طریقہ پر ایک
مایوس شخص کی زندگی بچ جائے گی لیکن میں اس بات کو درست نہیں کہہ سکتا کہ عائشہ جیسی محتاط اور
صادق عورت محض ہمدردی اور شفقت کے خیال سے اسقدر اہم امر کی ذمہ داری اپنے سر لے سکتی ہے

یا کوئی جھوٹا وعدہ کر سکتی ہے میں اُس دن کو کبھی نہ بھولوں گا جبکہ عائشہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر وہ الفاظ بلند آواز میں موزوں طریقہ پر مجھ سے کہے تھے پھر میں اُس کی انگلیوں کی اُس حرارت کو بھی کبھی نہیں بھول سکتا جو آنکھیں بند کرتے وقت میں نے محسوس کی تھی اس حرارت کا اثر ہمیشہ میرے جسم اور میری روح میں رہیگا اور وہ برقی رو جو اُس کی انگلیوں کے ذریعہ آنکھوں کی راہ سے میرے جسم میں داخل ہوئی تھی ہمیشہ میرے جسم میں دوڑتی رہیگی۔

توپوں کی گرج۔ باربرداری کی گاڑیوں کی سمع خراش آواز۔ زلزلوں کا سلسلہ اور پھر بے انتہا مصائب و مشکلات کے درمیان فرشتۂ موت سے دو بدو مقابلہ کیا میرے لئے یہ کافی نہ تھا کہ ان تمام مصائب کے ساتھ عائشہ اور ہزاروں قسم کے وہ رنج و الم بھی جو عائشہ کی بے اعتنائی سے وجود میں آتے ہیں شامل ہوگئے اور پھر بھی تم یہ خیال رکھتے ہو کہ میں عنفوان شباب میں ہوں، یا میرے چہرہ کو دیکھ کیا میں حشمت بیگ سے زیادہ سن رسیدہ معلوم نہیں ہوتا۔

میں نے احسان کے چہرہ پر نظر ڈالی جو انگیٹھی کے سامنے بیٹھا تھا اور دیکھا کہ اُس کا چہرہ پژمردہ ہو کر ہتھیلی کے برابر رہ گیا ہے اور اسپر اسقدر جھریاں پیدا ہوگئی ہیں کہ آنکھوں تک جا پہنچی ہیں، اور ان آنکھوں کے پیچھے ایک ایسی اٹل روح پائی جاتی ہے جو برسوں سے آلام و مصائب برداشت کر رہی ہے اس روح کی عمر کا پتہ نہیں اور نہ تو اُس کے زمانہ گذشتہ کا کوئی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور نہ زمانے کے پیمانہ سے موجودہ زمانہ کا اندازہ ممکن ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ احسان کی یہ حالت پا کر مجھے وہ تصویر کیوں یاد آگئی جسکو ہالینڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے تیار کیا تھا یہ تصویر میں نے وائنا (دارالسلطنت آسٹریا) کے ایک عجائب خانہ میں دیکھی تھی اس تصویر میں پروفیسر مذکور نے جھریوں کو جو پلکوں تک پہنچ گئی تھیں صاف و واضح رنگ میں نہایت خوبی سے دکھایا تھا، جب میں نے احسان کی موجودہ حالت سے اس تصویر کا مقابلہ کیا تو بے اختیار میرے قلب میں ہمدردی کا جذبہ موجزن ہوا اور میں نے ہاتھ بڑھا کر احسان کے رخساروں کو حیرت و تعجب کے ساتھ مس کیا اب سے پہلے کبھی میں نے اسکا خیال بھی نہیں کیا تھا کہ احسان جو سخت سے سخت مصائب برداشت کر رہا ہے وہ میرے آلام سے بدرجہا زیادہ ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میری تکالیف اُن آلام کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہیں جن سے احسان کا سابقہ ہے۔

اس کے بعد میں نے احسان کو مخاطب کر کے کہا۔ احسان مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری عمر دو سو سال کی ہے۔

احسان نے میری بات پر کوئی دھیان نہیں دیا کیونکہ اس کی آنکھیں صرف اپنے قلب کو دیکھنا چاہتی تھیں اور کسی دوسری جانب وہ متوجہ نہ ہوتی تھیں اس نے پھر اپنے بیان کے سلسلہ کو شروع کرتے ہوئے کہا۔

جب عکی شہر کا معرکہ ختم ہو گیا تو ہمارا لشکر نہر سقاریہ کے مشرقی کنارہ پر جا کر اترا۔ اس وقت ہم گویا جدید سفر کے دروازہ پر کھڑے تھے میں بہت دنوں تک یہ معلوم کرنے کی کوشش میں رہا کہ آیا عائشہ ہمارے لشکر کے سفری شفاخانہ میں آگئی ہے یا نہیں آخر مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ آگئی ہے لیکن ہمارے لشکر کا سفری شفاخانہ لشکرگاہ سے بہت دور پر تھا یعنی مقام کوکجہ بیلا میں حشمت بیگ کے دستہ کے قریب۔

میں نے دریافت کیا۔ اور جمال بیگ بھی تو حشمت بیگ کے دستہ میں تھا۔

احسان۔ ہاں ... ہاں جمال بھی اسی کے دستہ میں تھا اور یہی تو صرف وہی روشنی کا ایک ایسا منفذ تھا جس سے میرے قلب کو اطمینان و سکون حاصل تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ہر وقت اس امر کا ارمان رہتا تھا کہ بحیثیت ایک انسپکٹر کے مجھے حشمت بیگ کے دستہ میں جانے کا موقع ملے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میں نے مختلف ذرائع سے کام لیا اور بہت سے جال اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے پھیلائے پیامی! میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے بڑے بڑے آدمیوں نے "قومی میثاق" کے وضع کرنے میں بھی اس قدر کوشش و محنت نہ کی ہوگی جتنی کہ میں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی تدابیر میں کی آخر یہ کہ زمین کے نقشہ کے متعلق ایک ایسا مسئلہ درپیش آیا جس کا حل خط و کتابت یا ٹیلیفون کے ذریعہ ناممکن تھا۔ میں نے اپنے افسر اعلیٰ سے حکم حاصل کیا کہ میں حشمت بیگ کے دستہ میں جا کر اس مسئلہ کو حل کروں حکم حاصل ہوتے ہی میں پندرہ کے اندر حشمت بیگ کے لشکر کی طرف اڑا اگرچہ موسم خراب تھا ابر چھایا ہوا تھا بارش ہو رہی تھی اور سخت سردی پڑ رہی تھی لیکن یہ چیزیں میرے ارادہ میں مزاحم نہ ہوئیں اور میں گھوڑے پر سوار ہو چند آدمیوں کو ساتھ لے روانہ ہوا راستہ میں اس قدر کیچڑ تھی کہ گھوڑا گھٹنوں گھٹنوں تک دلدل اور کیچڑ میں دھنسا ہوا چل رہا تھا لیکن میں نے اس کی بھی پروا نہ کی اور تیزی سے آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ میں اس گاؤں میں پہنچ گیا جہاں حشمت بیگ کا لشکر تھا، گاؤں میں داخل ہو کر میں نے اپنے ایک ہمراہی سوار کو حکم دیا کہ وہ سفری شفاخانہ کی جگہ کا پتہ لگائے کیونکہ میں فوج کے افسر سے مل کر شفاخانہ کی تحقیقات کروں گا

یہ حکم دیکر میں گھوڑے سے اتر پڑا اور نواب حشمت بیگ کے قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب شاہ دیش (سارجنٹ) نے کمرہ کا دروازہ میرے لئے کھولا تو میں نے دیکھا کہ انگیٹھی کے دھوئیں سے سارا کمرہ بھرا ہوا ہے اور کمرہ کی چھت تک جو چٹائیوں اور بانسوں کی بنی ہوئی ہے سیاہ ہو گئی ہے۔ انگیٹھی کے ایک جانب میز بچھی ہوئی ہے جس پر سفید چادر پڑی تھی اور اس کے گرد تین شخص بیٹھے ہوئے ہیں جو ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا وہ جادوگر ہیں، یہ اشخاص حشمت بیگ، جمال اور عائشہ تھے۔ انکو دیکھکر میرے ہوش و حواس پر برا اثر پڑا اور میں نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے انگیٹھی کی طرف دیکھا جس میں لکڑیاں جل رہی تھیں کیونکہ اسوقت میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہوں۔

کمرہ کھلتے ہی تینوں نے مڑکر دیکھا اور مجھے دیکھکر سب کھڑے ہوگئے اسوقت حشمت بیگ کے چہرہ پر مسرت وسعادت کے آثار نمایاں تھے اسنے آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا رہا جمال تو وہ وہی جمال تھا جس کی محبت و اخلاق کا سکہ میرے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ عائشہ نے کرسی سے پریشان ہوکر اپنے کوٹ کو اتار دیا اور اپنے سفید کپڑوں میں کرسی پر بیٹھ گئی لیکن اسنے اس سپاہی کی طرف دیکھا بھی نہیں جو ابھی ابھی کمرہ میں داخل ہوا تھا اور جسکا کھڑے ہوکر سب نے استقبال کیا تھا۔

اسوقت بجز میرے عائشہ کی گردن کے اس حصہ کو جو سفید رومال میں بندھے ہوئے بالوں اور سفید پیراہن کے کالر کے درمیان بقدر ایک انگل کے کھلا ہوا تھا کوئی نہیں دیکھ رہا تھا اس کی گردن کا یہ حصہ گولائی۔ صفائی، چمک اور سفیدی میں بالکل ہاتھی دانت کی مانند تھا، میں اس کی گردن کے اس حصہ کو دیکھنے میں محو تھا اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

اگر کوئی شخص اس خوبصورت گول اور چمکدار گردن کو تیغ براں سے کاٹے تو گویا وہ اسی جگہ سے کاٹے گا جو رومال میں بندھے بالوں اور سفید پیراہن کے کالر کے درمیان نظر آرہی ہے اور وہ گردن جدا ہوجانے کے بعد زمین پر گر پڑے گی، پھر میں نے دیکھا کہ عائشہ نے اپنا پوستین (کوٹ) حشمت بیگ کے پوستین کے اوپر لٹکایا ہے اور مرد و عورت کی پوستینیں اس طرح ایک دوسرے میں داخل ہوگئی ہیں کہ بجز میرے کوئی ان کو محسوس نہیں کر رہا ہے۔

بہرحال میں نے یعنی ایک بیگ ہاشمی (میجر) نے جو کمرہ میں اپنا ٹوپ اور دستانے ہاتھ میں لئے ہوئے داخل ہوا تھا حاضرین کو سلام کیا اور اس طرح ادب و سکون کے ساتھ بیٹھ گیا گویا کہ میں ایک مشین

ہوں کرسی پہ بیٹھتے ہی میں نے فوراً گفتگو شروع کرنے کا ارادہ کیا تاکہ میری نظر اُس نقشہ پر پڑی جو میز پر پھیلا ہوا تھا اور پھر کھانے کی اُن پلیٹوں پہ جو ابتک میز پہ رکھی ہوئی تھیں آخر میں نے عائشہ کو مخاطب کر کے کہا۔

محترمہ عائشہ اگر ہماری فوجی بحث و گفتگو سے آپ کا دل گھبرائے تو معاف کرنا کیونکہ میں خاص اسی کام کے لئے آیا ہوں۔

حشمت بیگ نے میرے الفاظ سنکر کہا۔

میں بہن عائشہ کا بہت ممنون ہوں کیونکہ جب میری کلائی پہ جو زخم آیا تھا وہ نہایت تکلیف دہ تھا اور اسوقت تک میرے لئے اُس کی تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ بہن عائشہ روزانہ رات کو تشریف لاتی ہیں اور میری کلائی کی مالش کرتی ہیں اور پھر اسی کے ساتھ دوسری خدمات بھی انجام دیتی ہیں لیکن جب ہماری فوج یہاں سے آگے بڑھے گی تو میں عائشہ کے اس احسان و مہربانی سے محروم ہو جاؤں گا حشمت بیگ کے الفاظ ختم ہوتے ہی میں نے فوجی مسائل کو پیش کیا اور کہا۔

یہ خط جو جنوب سے شروع ہو کر برابر فلاں مقام کے نیچے تک ....

میری ساری گفتگو نقشہ کے متعلق تھی، میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس گفتگو میں شروع سے آخر تک کوئی غیر متعلق جملہ نہ کہوں گا، میں نقشہ کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا کہ یکایک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میں غور سے عائشہ کی پیشانی کے اُس حصہ کو دیکھنے لگا جو دونوں ابروؤں کے درمیان واقع تھا اور پھر میں نے اپنے دل میں کہا۔

کہ

کیا ایسا ہونا ممکن ہے کہ میں عائشہ کی پیشانی کے اُس سفید حصہ پر گولی کا نشانہ لگاؤں جو دونوں ابروؤں کے درمیان ہے اور گولی ابروؤں کو مس کئے بغیر ٹھیک نشانہ پر جا کر بیٹھے اور کیا یہ ممکن ہو کہ اگر میں قریب سے اپنے طپنچہ سے گولی سر کروں اور وہ عائشہ کے سر کو بالوں کی مانگ سے دو ٹکڑے کر دے

پھر میں نے جمال سے دریافت کیا۔

جمال بتاؤ تو گولی سے جو سوراخ ہو جاتا ہے اُس کا قطر کتنے ملی میٹر ہوتا ہے۔ میرے اس عجیب و غریب سوال سے سب ہنس پڑے اور میں بھی اُن کے ساتھ ہنسا پھر میں نے محسوس کیا کہ عائشہ میری

موجودگی سے برداشتہ خاطر نہیں ہو اور وہ اپنے آپ کو ایک مخلص۔ سادہ لوح اور سچے دوست کے رنگ میں ظاہر کر رہی ہے اور جب وہ دیکھتی ہے تو سب کی طرف اور سب کو ایک نظر سے دیکھتی ہو اور حسب معمول مسکراتی ہے۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز نہ تو اس عورت کو برداشتہ خاطر بنا سکتی ہو اور نہ کوئی واقعہ اسکو اس کی جگہ سے متزلزل کر سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر اس کے ابرؤوں کے درمیان گولی بھی جا کر لگے تب بھی اس کی آنکھیں بدستور سکون و طمانیت کے ساتھ دیکھتی رہیں گی، میں جانتا ہوں کہ اگر وہ مضطر و پریشان ہو جانیوالی ہوتی تو میں اس کے اضطراب و تردد کو دوسرے اسباب پر محمول کرتا اور پھر میں بھی متاثر و رنجیدہ ہوتا۔

میں نے جلدی جلدی اپنے کام کو ختم کیا اور پھر رخصت ہوکر مکان سے باہر نکلا جب میں دروازہ سے نکل رہا تھا تو حشمت بیک وغیرہ نے بلند آواز سے مجھکو مخاطب کرکے کہا۔

احسان دروازہ کے سامنے لکڑیوں کا انبار لگا ہے دیکھ بھال کے جانا۔

دروازہ سے باہر نکلکر میں گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا قریب تھا کہ جوش میں میں اپنے مہمیز سے گھوڑے کے پیٹ کو پھاڑ دوں لیکن گھوڑے نے میرے مافی الضمیر کو سمجھ لیا اور وہ زمین کو چھلتا ہوا۔ ہوا ہو گیا، میرے ماتحت سپاہی نے جو میرے پیچھے آرہا تھا مجھے سفری شفاخانہ کا پتہ بتلانے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی کیونکہ میں یہاں سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن میں کیوں بھاگنا چاہتا تھا اور کس چیز سے بھاگ رہا تھا میرے دماغ اور دلمیں جو ایک خیالی دنیا آباد تھی اس سے بھاگنے کی کوشش ایک فضول اور عبث کوشش تھی۔

میں نہیں جانتا رات میں نے کیونکر بسر کی جب صبح ہوئی اور میں نے روشنی کی کرنوں کو دیکھا تو خفیف حرارت اور سکنیت کو محسوس کیا اور اپنے خیال میں محو پر جوش لہجہ میں کہا۔

کیا یہ ممکن نہ تھا کہ حشمت بیک کے زخم کی مالش جو تقریباً بھر چکا ہے کوئی دوسری نرس کرتی اور پھر کیا یہ مناسب تھا کہ عائشہ نے اپنا کوٹ حشمت بیک کے کوٹ کے اوپر لٹکایا۔

اس کے بعد زندگی کی مشین نے حرکت شروع کی اور اس کے دانتوں نے مجھ کو اور سارے ڈویژن کو پھر ایک مرتبہ گردش میں ڈال دیا۔

اسیر وقتے سے ایک اور چیز کا ایسا ہی اہتمام و فکر مجھ کو ہوگیا تھا جیسا کہ جنگی رپورٹوں کے بھیجنے کا تھا۔

چنیر کیا تھی اُس راستہ کی نگرانی جو سفری شفاخانہ اور حشمت بیک کے دستہ کے درمیان واقع تھا میں اپنا راستہ کی نگرانی قدم قدم پر کرتا تھا اور اسکا سبب صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ حشمت بیک نے اپنا اپنی جگہ کو بدل دیا ہے یا نہیں، نہر ستھاریہ پر جتنے ترکی ڈویژن تھے اُن میں سے کسی نے سفری شفاخانہ کا اتنا اہتمام نہیں کیا تھا جتنا کہ ہمارے ڈویژن نے۔

جب حشمت بیک کا دستہ اپنی جگہ سے منتقل ہوکر دوسری جگہ روانہ ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ تیز ناخن جو میرے سینہ میں پیوست تھے کسی قدر باہر نکال لیے گئے ہیں اور سوزش و تکلیف کم ہو گئی ہے۔ پیامی میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ حشمت بیک کے چلے جانے کے بعد میں نے ایک خاص راحت کو محسوس کیا اور وہ رنج والم جن کی تکلیف میں محسوس کر رہا تھا بہت کم ہو گئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میرے دل پر غم والم کا جو پہاڑ رکھا ہوا تھا اور مجھے دبا رہا تھا وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اور ایک بھاری بوجھ مجھ پر سے اُتر گیا۔

جن ایام میں جنگی معرکوں کا زور تھا میں اور افسر اعلیٰ ایک روز شام کے وقت حیانہ کی طرف گئے حیانہ اُن ایام میں گویا ایک بہت بڑا شفاخانہ تھا اور سارا شہر شفاخانہ بنا ہوا تھا، شہر کی ساری سڑکیں بار برداریوں کی گاڑیوں گھوڑا گاڑیوں اور پالکیوں سے بھری ہوئی تھیں اور مجروحوں کو لانے لیجانے میں مشغول تھیں، حیانہ کی پست و بلند زمین اور تاریک فضا میں جدھر نظر اُٹھتی تھی شفاخانہ کا لشکر سفید کپڑوں میں ملبوس ہاتھوں میں لالٹین لیے ہوئے ادہر اُدہر پھرتا اور کام میں مشغول و منہمک نظر آتا تھا یا اُن ڈاکٹروں پر نظر پڑتی تھی جو بارش میں بھیگتے ادہر اُدہر دوڑتے پھر رہے تھے اور احکام جاری کر رہے تھے۔

جدید جنگی معرکوں میں ہمارے ڈویژن کے بہت سے ماتحت افسر مجروح ہوئے تھے جن میں سے دو کو میں جانتا تھا یعنی کپتان احمد سلیم اور کپتان خیری کو جو آستانہ میں قہوہ مسرت میں ہمارے ساتھ بیٹھا اُٹھا کرتے تھے، ہمارے افسر اعلیٰ کی عادت یہ تھی کہ وہ مجروحوں سے خاص توجہ اور ہمدردی کیساتھ پیش آتا تھا اور اُن پر خاص عنایت رکھتا تھا وہ جب پاشا لوگوں کے ساتھ کسی خاص موقع پر گفتگو کرتا تو مجھ کو شفاخانہ میں مریضوں اور زخمیوں کی مزاج پرسی کے لیے بھیجدیا کرتا تھا۔

آدھی رات گذر چکی تھی اور ہم حیانہ کی سڑکوں پر بدستور آلام کے مرقعوں اور خونیں مناظر کو دیکھ رہے

تھے اور ادھر یہاں جنگ میں سخت معرکہ جاری تھا اور توپوں کے گولے شہر کے اطراف میں آ آ کر گر رہے تھے
میں نے شہر کے سامنے بھاگتے ہوؤں اور سپاہیوں کو دیکھا لیکن کوئی شناسا شخص نظر نہ آیا۔ آخر میں شہر کی
مسجد کے سامنے پہنچا۔ مسجد بھی شفاخانہ بنی ہوئی تھی۔ میں پالکیوں اور مجروحوں کے درمیان سے گذر کر
مسجد کے اندر داخل ہوا۔ مسجد کے سامنے چراغ روشن تھے اور صحن و فرش پالکیوں سے بھرا ہوا تھا اور
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پالکیاں ایک کے اوپر ایک رکھی ہوئی ہیں۔ فضا میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور
سپاہی جن کے سروں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہر اس افسر کو غور سے
دیکھتے تھے جو یہاں آتا۔ مسجد کے اندر پہنچ کر میں نے دریافت کیا۔

کیا فلاں رجمنٹ کے افسر صبر جی بیگ اور خیری بیگ یا سلیم بیگ فلاں فلاں دستوں کے افسر یہاں ہیں۔

اس کے جواب میں ۔ میں نے مسجد کی اندرونی محراب سے ایک آواز سنی اور میں اس آواز کی جانب
بڑھا۔ پیاری امی! تم کو معلوم ہے میں نے وہاں کیا دیکھا۔ آہ میں نے زخمیوں کی آہ و بکا۔ دھوئیں، اور ازدحام
میں اور پھر ان بقیۃ السیف انسانوں میں جو سرخ خون میں نہائے ہوئے تھے ایک چیز دیکھی ہاں ایک
ایسی شخصیت جس نے میری توجہ کو احمد سلیم کی طرف سے جو محراب مسجد کے ایک گوشہ میں پڑا سو رہا تھا،
اور اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اپنی طرف پھیر لیا۔ میں نے ایک سپاہی کو دیکھا جو پالکی میں اوندھے منہ
پڑا تھا اور عائشہ اس کے سامنے ڈاکٹر کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی اور دونوں مجروح سپاہی کے کوک
کے زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔

پیاری امی میں محسوس کر رہا ہوں کہ اسوقت وہ عریاں سپاہی میرے سامنے پڑا ہے اور عائشہ چراغ کی
ہلکی اور زرد روشنی میں اس کی مرہم پٹی کر رہی ہے اور سپاہی تکلیف سے اس طرح چلا رہا ہے جس طرح
شدۃ الم سے بچھڑا ڈکراتا ہے اور عائشہ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے الاماں میری بہن الاماں۔ بہن میں
تمہارے قدموں کو بوسہ دیتا ہوں تم نے مجھ پر بڑی شفقت کی۔

عائشہ آستینیں چڑھائے نہایت تیزی کے ساتھ اس طرح کام کر رہی تھی جس طرح کوئی چابکدست
کاریگر کام کرتا ہے اور ہر قسم کی ضروریات سے ڈاکٹر کو مدد دے رہی تھی اور پھر ان مریضوں اور زخمیوں
کو بھی جو قریب ہی تھے انکی مطلوبہ چیزیں بھی ان کو دے رہی تھی غرض عائشہ اسوقت ایک پھرکی
کی طرح تیزی سے کاموں میں مشغول تھی پھر میں نے ایک افسر کو دیکھا جس کی دونوں آنکھیں زخمی تھیں اور

وہ دو سپاہیوں کے سہارے کھڑا کیا ہوا تھا۔

میرے زخم کی کب مرہم پٹی کرو گے جو تکلیف مجھ کو ہے وہ ناقابل برداشت ہے مہربانی سے میری طرف توجہ فرمائیے۔

عائشہ جب اُس زخمی سپاہی کی مرہم پٹی کر چکی جو اُس کے سامنے پڑا تھا تو اُسکی چادر اُٹھا دی۔ اور اُس کی ٹوپی کو جو اُس کے بڑے سر پر ٹیڑھی ہو گئی تھی درست کرتے ہوئے کہا۔

میرے عزیز، ہم وطن خدا آپ کو شفا بخشے تم اسی طرح اور چند منٹ چپ رہو اگرچہ تم کو تھوڑی دیر تکلیف سہنی ہوگی لیکن پھر تکلیف رفع ہو جائے گی اور جلد تم کو آرام ہو جائیگا۔

پھر عائشہ نے ماتحت نرسوں کو حکم دیا کہ وہ اس سپاہی کو پالکی سے اُتار کر گاڑی میں پہنچا دیں کیونکہ پالکی سے گاڑی میں زیادہ آرام دہ ہے اور وہ وہاں آرام سے سو جائے گا، اس کے بعد عائشہ نے زخمی افسر کا ہاتھ پکڑا اور اُسکو محراب کے سامنے لائی ایک نحیف و دراز قامت ڈاکٹر نے عائشہ کو اُس کی مرہم پٹی میں مدد دی اور عائشہ نے چراغ کی ہلکی روشنی میں اُس کی مرہم پٹی کی۔

مختصر یہ کہ مسجد کے اندر اور باہر مجروحوں کی آہ و زاری کی آواز کے سوائے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور یا پھر اُن لوگوں کے قدموں کی آواز جو مجروحوں کی تیمارداری میں مشغول تھے اور ان لوگوں میں جو تیمارداری اور مرہم پٹی کرتے پھر رہے تھے سفید لباس میں ملبوس عائشہ بھی تھی اسوقت عائشہ کا چہرہ کسی قدر زرد تھا اور اُس کی دونوں زمردین آنکھیں اُن حلقوں کے اندر جو سیاہ اور بڑے بڑے تھے تیزی سے گردش کر رہی تھیں، میں نے ہر چند کہ بہت مرتبہ عائشہ کی آنکھوں کو دیکھا تھا لیکن آج کی رات اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر خوبصورت نظر آتی تھیں، نسوانی اور انسانی وغیرہ ضعف کی اسوقت اُسکو پروا نہ تھی اور وہ مسکراتی ہوئی اُن تمام زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی جو مسجد میں تھے اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں لاہوتی محبت و شفقت کا نور اور پھر آنکھوں کے پیچھے وہ قوت اور سکون و اطمینان تھا جو کسی چیز سے متاثر نہ ہوتا تھا۔

اسوقت میرے دل میں عائشہ کی محبت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی اور مجھے وہ تصویر یاد آگئی جو میں نے طفولیت کے ایام میں ایک کتاب کے اندر دیکھی تھی، یہ پتھر کی تصویر بودھ کی تھی جس کے گرد کسی مذہبی تیوہار کے دن ہندو طواف کر رہے تھے اور اُس گاڑی کے پہیوں اور بیلوں کے قدموں کے نیچے گر کر جو بودھ کی

مورت کو جسکو بچایا جاتا تھا اپنی جان کو فدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ اس موت سے بدھ کا تقرب اُن کو حاصل ہو سکے۔ اس تصویر نے میرے ذہن پر یہ بات پیدا کی کہ میں بھی اس عورت کے قدموں میں گر کر جو خون اور آگ کے سمندر میں غوطہ زن تھی اپنے آپ کو اس پر فدا کر دوں اور اُسکے قدموں میں بچھ جاؤں۔ عائشہ اسوقت اسی عالم میں ہو رہی تھی گویا وہ رحمت و قدرت کا مجسمہ اور سوگوار غمناک وطن کی تصویر ہے۔

تھوڑی دیر تک میں خاموش بے حس و حرکت کھڑا اس منظر کو دیکھتا رہا اور یہ بالکل بھول گیا کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔ آخر میں نے سنا کہ احمد سلیم مجھ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔

احسان کیا تم مجھ کو نہیں دیکھو گے۔

میں۔ میرے پیارے دوست کیوں نہیں۔ میں تمھارے ہی پاس آ رہا ہوں۔

یہ کہکر میں احمد سلیم کی طرف مڑا اور قریب پہنچکر دریافت کیا۔

تمھارے کہاں زخم آیا ہے۔

احمد سلیم۔ سر میں۔

میں۔ تمھارے سوا اور کون کون ہمارے دوستوں میں زخمی ہوا ہے۔

احمد سلیم۔ ہماری رجمنٹ کا افسر علی شہید ہو گیا۔

میں۔ اب تمھاری رجمنٹ کی کمان کون کرتا ہے۔

احمد سلیم۔ میجر سالم۔

میں۔ کیا اب تم کو کچھ آرام ہے۔

احمد سلیم۔ اب میں اچھا ہوں اور سپاہ میں واپسی کے احکام کا انتظار کر رہا ہوں۔

سپاہی اور شفاخانہ کے ملازم کثیر تعداد میں زخمیوں کی پالکیاں لا رہے تھے اور خالی پالکیاں واپس لیجا رہے تھے۔ عائشہ بدستور اپنے کام میں مشغول تھی اور میری موجودگی سے ناواقف۔ میں نے مڑکر عائشہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

محترمہ عائشہ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

اسوقت عائشہ اس افسر کا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھی جسکی آنکھوں پر زخم تھے تاکہ مرہم

پٹی مین اُس کا سر حرکت نہ کر سکے، میرے سوال کا جواب اُسی حالت مین اُسنے دیا اور کہا۔

بھائی ذرا صبر کرو۔ دیکھو مین زخم پر دوا لگا کر باندھ رہی ہون ذرا اس سے فارغ ہو جاؤں، تم اچھے تو ہو۔

مین۔ تم تو سفری شفاخانہ سے بہت دور چلی آئین۔

عائشہ۔ مین حبال کے دستہ کے متعلق جو شفاخانہ ہو اُسمین آئی ہون لیکن چونکہ یہان کام زیادہ تھا اور آدمیون کی ضرورت تھی اس لئے مجھکو اور ایک ڈاکٹر کو یہان طلب کیا گیا اور مین فوراً چلی آئی ہم باتین کر رہے تھے کہ یکایک ہم نے مسجد کی کھڑکی سے ایک شعلہ کو دیکھا پھر گولہ کی سرسراہٹ سنائی دی چند منٹ بعد معلوم ہوا کہ ایک گولہ آبادی کے قریب آکر گرا ہے پھر مینے ایک شخص کو مسجد کے اندر سے یہ کہتے سُنا۔

مریم بیٹی کام جلدی جلدی ختم کرو۔ بہت زخمی میدان کے اندر پڑے بارش مین بھیگ رہے ہین بہن عائشہ تم ادہر آؤ۔

عائشہ بجلی کی طرح تڑپ کر آواز دینے والے شخص کی طرف دوڑی راستہ مین اُس کی نظر ایک نوجوان مجروح سپاہی پر پڑی جو خاموش بے حس و حرکت پڑا تھا اور اُسکا ہونٹ تک نہ ہلتا تھا اُس کی کالی آنکھین حلقون کے اندر دہنسی ہوئی تھین اور ظاہر کر رہی تھین کہ وہ سخت تکلیف مین مبتلا ہے اُس کے شاداب ہونٹ سفید ہوگئے تھے، عائشہ اُس کو اس حال مین دیکھکر ٹھہر گئی اور اُس کے سر کے قریب پہنچکر جھکی اور آہستہ سے اُس کے کان مین کچھ کہا پھر اُس کی چادر کو درست کیا اور چلی گئی، مین نے دیکھا کہ عائشہ کے جانفزا الفاظ نے سپاہی کے ہونٹون مین جنبش پیدا کر دی ہو اور اُس کی آنکھون مین زندگی اور اُمید کی چمک پیدا ہو گئی ہو۔

احمد سلیم سے رخصت ہو کر مین نے اپنی رجمنٹ کے دوسرے مجروحون کو تلاش کیا اور اُن کے پاس پہنچکر اُن کی ضروریات کو دریافت کیا پھر افسر اعلیٰ کا سلام اُن کو پہنچایا اور جب مین مسجد سے باہر نکلنے لگا تو مین نے عائشہ سے دوبارہ ملنے کی کوشش نہین کی البتہ دور سے مین نے اُسکو دیکھا کہ وہ اپنے سفید پیراہن مین اُن مجروحون کے درمیان جو شدت تکلیف سے چلا رہے تھے متحرک مشین کی طرح تیزی سے کام کرتی پھر رہی ہے، مسجد سے باہر نکلکر پھر مین نے اُن مجروحون پر ایک نظر ڈالی جو خاکی

وہ دیلون میں زرد روشنی کے نیچے پڑے سو رہے تھے اس منظر نے میرے قلب میں ہمدردی، تواضع اور عجز و انکسار کے جو جذبات پیدا کئے وہ غالباً میرے دل مین پہلی مرتبہ پیدا ہوئے تھے، مین اس وقت عاشق گشتہ تھا اور انسانی صفت عجز کا ایک مجسم نمونہ بنا ہوا تھا چند منٹ کے بعد یکایک میرے دونون ہاتھ آسمانی بادشاہ کی طرف دعا کے لئے دراز ہو گئے اور فجر کی روشنی نے میرے قلب کو غسل دیکر پاک و صاف کر دیا، اب نہ میرے قلب مین شمہ برابر حسد تھا، نہ غیرت و رشک اور نہ کوئی شکایت اور آنسو بے اختیار میری آنکھون سے جاری تھے۔

مشرق سے سپیدۂ صبح کی روشنی نمایان ہو رہی تھی اور خیابانہ کی مسجد کے منارہ سے مؤذن اذان دے رہا تھا جبکہ مین افسر اعلیٰ کے ساتھ خیابانہ سے باہر نکلا اور جس قدر خیابانہ سے دور ہوتا گیا اُسی قدر خیالات نے میری محویت مین اضافہ کیا خیابانہ کی مسجد میری آنکھون کے سامنے اور دل کے اندر تھی اور مین اُن لوگون کو دیکھ رہا تھا جو مسجد کے اندر مرہم پٹی کرتے پھر رہے تھے ان مین وہ سفید عورت بھی تھی جو شفقت و محبت اور رحم و ہمدردی کا مجسمہ تھی وہ فرش موت پر ان لوگون کے سوگ مین گوشہ نشین نظر آتی تھی جو سمرنا کی راہ مین شہید ہو رہے تھے اور اُس کے قلب کی روشنی آنکھون کے ذریعہ ان شہیدون کے قلوب پر پڑ رہی تھی۔

خیابانہ کے اسٹیج کا منظر دیکھنے کے بعد تیسرے روز سفری شفاخانہ کا "سول سرجن" (رئیس الاطبا) مجھ سے شفاخانہ کی ضروریات کی بہم رسانی اور نقائص کی تکمیل کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے آیا جب ہم گفتگو اور مشورہ وغیرہ سے فارغ ہو چکے تو مین نے افسر اطبا سے کہا،

محترم ڈاکٹر! آپ نے بہن عائشہ کو دستۂ حشمت کے محکمۂ حفظان صحت مین بھیجدیا ہے حالانکہ آپ سمجھتے ہین کہ ایک عورت کے لئے سپاہ کی صحت کی ادارت کا کام نہایت خطرناک ہے میرے خیال مین آپ نے بہن عائشہ کو وہان بھیجنے مین غلطی کی ہے۔

ڈاکٹر نے جواب دیا " ایک روز حشمت بک ہمارے ہان آئے تھے اور انھون نے ذکر کیا تھا کہ اُن کا ماتحت دستہ ایک بڑی مہم پر جانے والا ہے پھر انھون نے یہ مطالبہ کیا کہ بہن عائشہ کی خدمات اُن کی سپاہ کی محکمۂ حفظ صحت مین منتقل کر دی جائین، عائشہ نے بھی محکمہ حفظان صحت مین جانے کی خواہش ظاہر کی اور کہا مین چونکہ جنگ کی صلاحیت نہین رکھتی اس لئے مین چاہتی ہون کہ حملہ آور

سپاہ کے محکمہ حفظانِ صحت مین داخل ہوجاؤن، مین نے اسمین کوئی حرج نہین پایا اور عارضی طور پر عائشہ کی خدمات منتقل کردینا۔

ڈاکٹر کا جواب سُنکر مین نے کہا۔ "بہن عائشہ سفری شفاخانہ کی ایک نرس ہو اس لئے آپ کو چاہئے کہ آپ فوراً اوسکو واپس بلائین اور اس کے واپس آجانے پر مجھے ٹیلیفون کے ذریعہ اسکی اطلاع دیدین"

ڈاکٹر میرے کمرہ سے ابھی باہر نہ نکلا تھا کہ مین نے ایسا محسوس کیا کہ گویا میرا دل سینہ سے نکلا جارہا ہے دونون ہاتھون سے مین نے سینہ کو تھام لیا اور دیر تک دبائے رہا، اب میرے آلام صرف اُن آتشین سوئیون کی چبھن تک محدود نہ تھے جو ہر وقت میری تکالیف کو زیادہ کرتی رہتی تھین بلکہ اب تو مین پھانسی کی اُس رسّی کے آخری حصہ کو بٹنے کا متوقع تھا جو عنقریب میری گردن مین ڈالی جائے گی اور اُس کے سہارے مین ہوا مین لٹکا ہوا نظر آؤن گا۔

اب خیابانہ کی مسجد کے چراغ مجھے خاموش اور گُل نظر آتے تھے اور جو چمک انھون نے میرے قلب مین پیدا کی تھی وہ جاتی رہی تھی اور اُس سفید عورت کی نسبت جسکو مین نے تین روز قبل رحمت و شفقت کا مجسمہ پایا تھا میری رائے بدل چکی تھی اب مین اُسکو ایک ایسا ضرر رسان وحشی درندہ خیال کر رہا تھا جس کے وہ تیز ناخن جو مجھ جیسے مسکین کے قلب کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لینے والے تھے، بلّی کے پنجون کی روئی جیسی نرم اُون کے اندر چھپے ہوئے تھے لیکن باین ہمہ کہ میری رائے بدل چکی تھی مین ایک مبہم خوف مین مبتلا تھا اور یہ عجیب خطرہ میرے قلب مین پیدا ہورہا تھا کہ کہین عائشہ اُن احکام کی اطاعت سے انکار نہ کردے جو سفری شفاخانہ کی طرف سے اُس کو دئے جائین گے پھر مین اپنے دلمین کہتا کہ اگر اُسنے احکام کو نہ مانا تو مین کیا کرون گا۔

اُسی روز شام کو پلٹن اُس گاؤن مین آکر ٹھہری جہان ہم ہوقت مقیم تھے اور سفری شفاخانہ کا عملہ اُس مقام پر قیام پذیر ہوا جہان پہلے پلٹن تھی اُس روز مین بعض نہایت اہم و ضروری کامون مین دیوانون کی مانند مشغول رہا اور آدھی رات تک فرصت نہ ملی نصف شب کے بعد ایک بجے کے قریب مین گھوڑے پر سوار ہوکر سفری شفاخانہ کی تفتیش کے لئے چلا اور پانچ منٹ مین اُسجگہ پہنچ گیا جہان فوجی سفری شفاخانہ تھا خیمون کے اندر داخل ہوکر مین نے ایک خادمہ عورت کو ایک چھوٹے سے خیمہ سے نکلتے ہوئے دیکھا اور اُس سے دریافت کیا۔

بیٹی کیا ہیں عائشہ یہان ہین۔

خادمہ نے جواب دیا " وہ شفاخانہ مین زخمیون کی مرہم پٹی کر رہی ہین "

ان الفاظ نے مجھے کافی تسکین بخشی اور مین نے یہ محسوس کیا کہ میرے گلے مین پھانسی کا جو پھندا پڑا ہے وہ کسی قدر ڈھیلا ہوگیا ہے مین فوراً واپس چلا آیا اور مزید تحقیقات کو ترک کر دیا، اسوقت مین اگرچہ کمرہ کے اندر بیٹھا ہون لیکن اُس آواز کو سُن رہا ہون جو واپسی مین سامنے کے پہاڑ کی چٹانون اور پتھرون پر سے گذرتے وقت گھوڑے کے قدمون سے پیدا تھی۔

دوسرے روز ہم کو یونانیون کی واپسی کا یقین ہوگیا اس خوشگوار یقین نے میرے دل و دماغ مین ایک نئی روشنی پیدا کی اور مین آلام قلب سے صحت و شفا کی نئی نئی اُمیدین باندھنے لگا میری قوت حافظہ یا قوت یادداشت نے عائشہ سے تعارف کی تاریخ اور آستانہ کے ایام صداقت کو میری نگاہون کے سامنے پیش کر دیا، پھر مجھے وہ باتین یاد آئین جو کسی شہر مین عائشہ سے ہوئی تھین اس کے بعد مجھے حشمت بک کا خیال آیا اور مین اُس حشمت بک کو جسکو کبھی جسیم دیو ہیکل سمجھتا تھا پر کاہ سمجھنے لگا۔

مین نے سمرنا کے راستہ کو اپنے سامنے کھلا ہوا پایا اور محسوس کیا کہ سمرنا کی راہ ہمارے لئے کشادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب مجھکو یقین ہوگیا کہ ہم سمرنا مین ضرور داخل ہوجائین گے اور یہ کہ پھر عائشہ میری ہوگی اور کوئی شخص اسکو پھر میرے ہاتھون سے چھین نہ سکیگا، مین نے یہ ارادہ کر لیا کہ مین عائشہ کو نقد جان دیکر خریدونگا اور اگر حشمت بک اس راہ مین میرا مزاحم ہوا تو اُسکو قتل کر دونگا پیاری! مین نہین کہہ سکتا کہ اسوقت میری اُمیدین کیونکر تازہ ہوگئی تھین اور اُس شخص کی طرح جو بستر موت پر پڑا ہوا اور موت کا انتظار کر رہا ہوا اور پھر یکایک زندگی کی اُمید نے اُس کے چہرہ پر رونق پیدا کر دی ہو میرے دل مین بھی اُمید کا چراغ روشن ہوگیا تھا میرے قلب مین جو قوت اور شباب کی تازگی پیدا ہوگئی تھی اُس کے مقابلہ مین مین دُنیا کو حقیر و ذلیل اور بازیچۂ اطفال سمجھنے لگا تھا۔

اتفاق سے دوسرے روز علی الصباح مجھے اپنی چچا زاد بہن کا ایک خط ملا جسمین اُس کی تصویر بھی تھی اس خط مین اُسنے جوشِ شباب کی پوری قوت سے میری طرف اپنے میلان کو ظاہر کیا تھا، اور تصویر جو اُسنے بھیجی تھی وہ تھی جو دلکش کے جنگل مین بلوط کے ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، تصویر مین اُس کے چہرہ پر تبسم تھا جو سعادت و ایمان کا ثبوت دے رہا تھا اور وہ گویا زبانِ حال سے اپنے شباب کی

نیت کا اندازہ کرکے بتلا رہی تھی کہ اس کو اپنی کامیابی کا پورا یقین ہے۔

خط اور تصویر کو دیکھکر مجھے وہ باتیں یاد آگئیں جو انگورہ میں ہوئی تھیں، پھر باہمی ملاقات، اور مفارقت و جدائی کا خیال آیا اور رنج و الم نے میرے قلب کو پژمردہ کردیا، حالت یہ تھی کہ وہ مجھ سے محبت و الفت کرتی تھی اور امیدیں باندھے بیٹھی تھی اور میں تردد و انتشار کے چٹیل میدان میں بھٹکتا پھر رہا تھا اور پھر یہ کہ میں تردد و اضطراب میں مبتلا تھا اور اپنے قلب میں محبت کے جذبات کو پاتا تھا لیکن یہ امر میرے امکان سے خارج تھا کہ میں عائشہ کو بھی ایسے ہی اضطراب و انتشار کے چٹیل میدان میں بھٹکتا ہوا خیال کرلوں، میں انھیں خیالات میں تھا کہ میری قوت واہمہ نے حسرت یک کہ میری نگاہوں کے سامنے لا کھڑا کیا اور دائمی عذاب و ناامیدی کے مجسمہ کو بھی۔

یہ حالت میری قوت برداشت سے باہر تھی اس لئے لازم تھا کہ میں عائشہ کے سامنے بیٹھ کر رو برو اس کا تصفیہ کرلوں اور اسکو بتلاؤں کہ میں کس قدر تکالیف اور رنج و غم برداشت کررہا ہوں تاکہ وہ میری داستان غم سنکر آخری فیصلہ صادر کرسکے اور مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میری زندگی کا کتنا حصہ باقی ہے۔ سارا دن میں نے اسی تردد و اضطراب اور انتظار میں گذارا آخر آفتاب غروب ہوگیا اور تیز ہوا اور سردی نے دنیا پر قبضہ کرلیا۔

عشا کے وقت میں سفری شفاخانہ کی طرف روانہ ہوا عائشہ اسوقت اپنے خیمہ میں فوجی چارپائی پر آرام کررہی تھی، میں نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور فوراً وہ تخت سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا اور جونہی میری اور اس کی آنکھیں ملیں مجھے اس امر کا یقین ہوگیا کہ وہ میرے اسوقت آنے کا مطلب سمجھ گئی ہے اور غالباً اسی وجہ سے اسنے یہ دریافت نہیں کیا کہ میں کیوں آیا ہوں کرسی میرے بیٹھنے کے لئے اسنے بچھادی اور خود تخت پر بیٹھ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ میں کیا کہتا ہوں۔

اسوقت عائشہ کے چہرہ پر تکدر اور تکان کے آثار نمایاں تھے، میں نے کرسی پر بیٹھتے ہی فوجی لہجہ میں اسکو مخاطب کرکے کہا "عائشہ تم نے جو الفاظ اسوقت کہے تھے جبکہ ہم عسکی شہر کے شفاخانہ میں تھے میں اُن کو دوبارہ سننے اور مکرر کہلوانے کے لئے آیا ہوں"

عائشہ۔ (طمانیت کے ساتھ فوجی لہجہ میں) احسان عسکی شہر میں ہم جس حالت میں تھے وہ حالت اب بالکل بدل گئی ہے اب ہم ایک دوسرے کے مخلص اور سچے دوست ہیں اور پھر رفیق طریق احسان

تم جس معاملہ پر اسوقت گفتگو اور بحث کے لئے آئے ہو اُسکا وقت گذر چکا ہے۔
میں۔ عائشہ یہ کیوں۔
ان الفاظ کے جواب میں جب عائشہ نے پھر اپنے پہلے الفاظ کو دہرایا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ کسی دوسرے شخص سے محبت رکھتی ہے۔
میرے ان الفاظ نے عائشہ کو غضبناک بنا دیا اور اُسنے تند لہجہ میں کہا۔
کیا تم نے مجھ میں کوئی ایسی بات پائی ہے جس سے تم کو یہ خیال قائم کرنیکا موقع ملا ہے، میں نے چند منٹ تک اُس کے جواب پر غور کیا اور کوئی بات مجھے ایسی نظر نہ آئی جس سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہو اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی لیکن میرا قلب سخت تکلیف برداشت کر رہا تھا، اور میں اُس سے عاجز آگیا تھا۔
میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی جو جنون سے مشابہ تھی یعنی یہ کہ میں اسوقت حشمت بک کا ذکر کروں لیکن میں اس خوف سے خاموش رہا کہ اگر میں اپنی خیالی قرارداد کا ثبوت نہ دے سکا تو بڑی خفت ندامت ہوگی، آخر میں نے کہا۔
عائشہ تم نے جو الفاظ اسوقت کہے ہیں کیا میں انکو آخری فیصلہ سمجھ لوں۔
عائشہ۔ احسان میرے خیال میں اس بحث کو ختم کر دینا چاہئے آؤ باہر چلیں مجھے اسوقت حشمت بک کے پاس اُس کے بازو کی مالش کے لئے جانا ہے آؤ دونوں ساتھ چلیں راستہ میں باتیں ہونگی لیکن یہ باتیں گذشتہ زمانہ کے واقعات سے متعلق نہ ہونگی بلکہ ان حیرت انگیز امور کی نسبت جو آیندہ وقوع میں آنے والے ہیں۔
عائشہ کے حکم کی میں نے فوراً تعمیل کی اور کھڑا ہو گیا گویا کہ میں اُس کے ارادہ کی تابع ایک مشین ہوں میں نے محسوس کیا کہ اسوقت میں پتھر کی طرح منجمد اور بے حس و حرکت ہوں، عائشہ نے کپڑے پہنے، اور دونوں روانہ ہوئے، عائشہ اندھیرے میں باتیں کرتی چلی جا رہی تھی اور میں خاموش تھا، میں نے اپنے انجام کو معلوم کر لیا تھا اور پھر جو کچھ مجھ کو کرنا تھا اُس کا بھی میں نے ارادہ کر لیا تھا میرا ذلیل قلب کسی ایسے معجزہ کا منتظر تھا جس کے ذریعہ سے نجات حاصل ہو سکے، راستہ بھر میں اپنے دل سے باتیں کرتا اور یہ کہتا رہا کہ جب تک پھانسی کی رسی ڈھیلی ہو کر میری گلو خلاصی نہ ہو جائے گی ہم ہرگز ہرگز

کانون تک نہ پہنچ سکے، میں انہیں خیالات وافکار میں تھا کہ یکایک عائشہ نے کہا۔

آج صبح میں سفری شفاخانہ کے بعض کاموں کو انجام دینے کے لئے ڈھونڈتی میں گئی تھی اور تمہارے کمرہ میں بھی..............

مین۔ ہاں۔

عائشہ۔ تمہارے کمرہ میں۔ میں نے اس لڑکی۔ کی تصویر دیکھی جو تم سے محبت کرتی ہو۔

مین۔ اچھا۔

عائشہ کے الفاظ سنکر میں نے محسوس کیا کہ میرا دل دھڑک رہا ہے اور قلب میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ پھر عائشہ نے کہا۔

تم اُس سے شادی کیون نہیں کر لیتے۔

مین۔ عائشہ شاید تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں نے شادی نہ کی تو تم کو پریشانی اور تکلیف ہوگی۔

عائشہ۔ نہیں... نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہو۔

مین۔ عائشہ میں یقین دلاتا ہوں کہ کبھی تم کو پریشان نہ کرونگا اور نہ کوئی تکلیف پہنچنے دونگا میں تمہارا مخلص دوست اور خادم رہونگا جیسا کہ ایام جنگی شہر سے قبل تھا۔

عائشہ۔ احسان زمانہ تمام باتون کا فیصلہ کردیگا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ عائشہ نے یہ الفاظ کیون کہے آخر ہم ایک دروازہ پر پہنچے جس کے سامنے آگ جل رہی تھی، میں اور عائشہ آگ کی روشنی میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوگئے اور خاموش ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، میں نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھیں خون کبوتر ہو رہی ہیں اور وہ ایک خاص انداز سے میری آنکھوں کو غور سے دیکھ رہی ہے، میں نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا لیا گویا میں عائشہ سے یہ کہہ رہا ہوں عائشہ ضبط سے کام لو۔

مؤذن نے گانون کی مسجد کے منارہ پر کھڑے ہو کر حزین و غمگین آواز میں اذان شروع کی مؤذن کی آواز کو سن کر میں نے معلوم کر لیا کہ وہ استنبول کا رہنے والا ہے سپاہی آگ کے سامنے سے گانون کی طرف جارہے تھے اور ہم خاموش ایک دوسرے کو کھڑے دیکھ رہے تھے گویا ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں یا دو دیو۔

دیر تک ہم دونوں آگ کے سامنے کھڑے رہے یہاں تک کہ آگ بجھ کر راکھ ہوگئی، مؤذن دیر تک ٹھہر ٹھہر کر اذان دیتا رہا آخر یہ کہ وہ بھی خاموش ہوگیا اسوقت میں نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور میں بھی بے اختیار رو رہا ہوں میں نے کہا۔

عائشہ تم رو رہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ کیوں ۔ ۔ ۔ ۔ کیوں رو رہی ہو۔

عائشہ نے سر اٹھایا، راکھ کے ڈھیر کی روشنی میں گھڑی دیکھی اور پھر بلند آواز میں مجھ کو مخاطب کر کے کہا۔

احسان بہت دیر ہوگئی اچھا اب تم جاؤ، فی امان اللہ۔

یہ کہکر وہ حشمت بیگ کے خیمہ کی طرف روانہ ہوگئی جو ہمارے بائیں جانب خیموں کی طویل قطار میں تھا۔

احسان نے اپنی داستان ختم کر کے سگرٹ سلگایا۔ کمرہ کے باہر مرغ آمد سحر کے نعرے لگا رہا تھا اور بعض نوجوان گھوڑے یا بچھیرے ہنہنا رہے تھے، احسان نے جو اسوقت دو سو برس کا بوڑھا معلوم ہوتا تھا میری طرف دیکھا اور کہا۔

پیامی! میرے کام کا وقت آگیا میرے دوست اب تم سو جاؤ صبح کو میں تھیں اس افسر کی خدمت میں پیش کروں گا جو میری جگہ آئے گا پھر میں اس رجمنٹ میں چلا جاؤں گا جہاں میں متعین کیا گیا ہوں۔

میں نے کہا۔ احسان مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

احسان۔ خیر۔ شاید پیامی تم بھی میری طرح اپنے آپ کو تیز آگ میں جھونکنا چاہتے ہو ہاں اس آگ میں جو اس آتشین پیراہن سے جسکو تم پہنے ہوئے ہو زیادہ گرم اور تیز ہے۔

آخر ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور احسان نے اس فوجی لہجہ میں جس سے میں آگاہ تھا، کہا "پیامی تم سو رہو میں اب کام کرونگا۔"

دیر تک میں لیٹا لیٹا احسان کو میز پہ جھکا ہوا کام کرتے دیکھتا رہا اور پھر بچھیروں، گھوڑوں، اور مرغ کی آوازوں کو جو آفتاب کی سرخ سرخ کرنوں کی شعاعوں میں گونج رہی تھیں سنتا سنتا سو گیا۔

. . . .

(۱۱) کالا پٹا
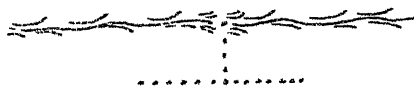
۱۷ر دسمبر ۱۹۲۱ء

بہت سے دن گذر گئے اور میں بستر مرض اور شکستہ قوت ہوں میرے جسم کا نصف حصہ گویا بے جان ہو چکا ہے اور صرف ایک دماغ ہے جس میں زندگی کی علامتیں پائی جاتی ہیں، ڈاکٹر کی نگاہوں اور حرکات سے میں نے محسوس کیا ہے کہ اب عمل جراحی (اپریشن) میں صرف دو روز باقی رہ گئے ہیں اور میں اس سے بہت خوف زدہ ہوں میرا خیال ہے کہ جب ڈاکٹر میرے دماغ پر عمل جراحی کر چکیں گے تو وہ سر کے سوراخ سے میرے قلب پر نظر ڈالیں گے اور ان اسرار سے جو میرے قلب میں محفوظ ہیں آگاہ ہو جائیں گے، وہ جب میرے قلب کو دیکھیں گے تو یقیناً ان ضعیف الایمان لوگوں کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل جائیں گے۔

اہا یہ نوجوان تو دیوانہ نکلا۔

بہت ممکن ہے کہ جب یہ لوگ میرے دماغ اور قلب کی عزت کو برباد کر چکیں تو بے پروائی کیساتھ ایک کو دوسرے کی جگہ رکھدیں یعنی دماغ کو قلب کی جگہ اور قلب کو دماغ کی جگہ اور اسکا ان کو خیال بھی نہ ہو کہ میرا قلب محبوب کی ملکوت ہے یعنی آنسوؤں اور رنج و غم کی ملکوت اور محبت و آگ کی ملکوت اگر انھوں نے اس ملکوت کو تباہ کر دیا تو میرے پاس کیا رہجائیگا، صرف دو ناتوان بازو اور نصف حصہ جسم، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ میرے مفلوج جسم کے اوپر سے آتشیں پیراہن کو بھی اتار لیجائیں، اگر انھوں نے ایسا کیا تو پھر وہی لمحہ آخری لمحہ ہوگا اور اسی کا نام عدم ہے.........

چونکہ میری روح اس طرح پیراہن کو اپنے سے علیحدہ کر دیگی اور چونکہ میرے دماغ سے اس عزیز ملکوت کے آثار محو ہو جائیں گے وہی دن میری روح کا آخری دن ہوگا اور وہ دنیا سے رخصت ہو جائے گی، میرا دماغ مضمحل ہو جائیگا اور میں اس مٹی میں مل جاؤں گا جس کے نیچے ایک چھوٹے سے

سنگاذون کے مقبرہ مین جسکو مین اسوقت اپنی نگاہون کے سامنے دیکھ رہا ہون میرے دوستون کے اجسام دفن ہین۔

آہ اُس خوبصورت اور نوجوان افسر کا جسم جو بالکل شاہ آتینا کی اُس ڈھال کے مانند تھا جسپر آگ اثر نہ کرتی تھی آج کیونکر زمین کے اندر بیحس و حرکت پڑا ہے اور آہ بنت سمرنا کی وہ زمردین آنکھین جن سے اُسنے ستھالیہ کی پہاڑیون کو سمرنا کا راستہ دیکھنے کے لیے پاش پاش کردیا تھا کیونکر اُن کی وہ سبز آگ جو آنکھون کے حلقون مین بھڑکتی رہتی تھی بجھ گئی اور پھر کیونکر وہ گرم خون جو اُس کے سرخ سرخ ہونٹون مین دوڑتا رہتا تھا جم کر رہ گیا، دنیا مین اب میرا کون ہو کہ میرے مقطوع جسم کو اُن قلوب کے جذبات کی قبر بنا سکے جن کے نیچے میری دیرینہ آرزوئین پوشیدہ تھین۔

آج مین اسقدر سردی محسوس کر رہا ہون کہ میرے ہاتھ گویا برف بن گئے ہین اور میری بقیہ نصف رانین گویا پتھر ہو کر رہ گئی ہین یہ تیز ہوا جو سیاہ ٹیلہ سے شفاخانہ کے اطراف تک گرد کو زہر بنائے ہوئے ہے میرے قلب کے بھڑکتے ہوئے شعلون پر سے گذر رہی ہو اور میرے دل و دماغ مین یہ جذبہ پیدا کر رہی ہو کہ ایک دفعہ پھر مجھے وہ دن نصیب ہو جائے جو مین نے اس ٹیلہ پر جس پہ سرد ہوا آرہی ہے بسر کیا تھا تاکہ مین بھی اُس نعمت کو حاصل کرلون جسکو میرے اُن دوستون نے حاصل کیا تھا جو اسوقت بڑی بڑی چٹانون کے سایہ مین میٹھی نیند سو رہے ہین اور اُن کی آنکھین ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ہین۔

آج مین صرف اُن واقعات کو حوالۂ قلم کرونگا جو سیاہ ٹیلہ کے ایّام مین آخری دنون سے تعلق رکھتے ہین، اُن ایام مین جو کچھ وقوع مین آیا ہے مین ایک بات بھی اُسمین سے نہ چھوڑونگا اور سارا واقعہ شروع سے آخر تک لکھونگا، کیونکہ جرّاح کا وہ تیز نشتر اور چھری جو اس کے بعد میرے سر مین اپریشن کریگی میرے جسم اور سر کے درمیان جو سنہری تار دون کا سلسلہ ہو وہ اُن کو منقطع کردیگی اور یہ میری زندگی کا آخری دور ہو گا۔

احسان نے اپنا کام اُس افسر کے حوالہ کردیا جو اُس کی جگہ مقرر کیا گیا تھا اور مجھکو بحیثیت ایک افسر فرامین ہ کے اپنے ساتھ اُس رجمنٹ مین لے گیا جسپر اُسکا تقرر ہوا تھا، اُس روز سے جس روز کہ یہ تقررات عمل مین آئے ہین مین نے کبھی احسان کو ہنستا یا مسکراتا ہوا نہین دیکھا، احسان کی موجودہ حالت اور

اُفسردگی کی حالت مین چھوڑ کر اُسنے کوئچہ بنیا رہین اپنے قلب سے فولادی حجاب کو اُٹھا دیا تھا زمین و آسمان کا فرق پیدا ہوگیا تھا بلکہ یون کہنا چاہیے کہ اب احسان وہ احسان نہین تھا جس کی زبان سے مین نے اُسکی داستان غم پہاڑ کے اوپر سنی تھی۔

جب ہم سپاہ کے جدید دستہ مین منتقل ہوگئے تو احسان کی زندگی نے ایک عجیب صورت اختیار کر لی یعنی اُس کا یہ معمول ہوگیا کہ وہ دن کو سپاہیون مین گذارتا جدید سپاہیون کی بھرتی کے لئے لوگون کو انتخاب کرتا اور رنگروٹون کو روزانہ اُن گرد و غبار آلود راستون پر لیجا کر جو لشکرگاہ کے پشت پر میدان مین واقع تھے فوجی تعلیم و تربیت دیتا تھا مین اسوقت بھی گویا اُن سپاہیون کو دیکھ رہا ہون جو خاکی وردیون مین قواعد کر رہے ہین چونکہ مسافت بہت بعید ہے اس لئے وہ اسوقت مجھے چھوٹے چھوٹے نظر آ رہے ہین، احسان نیلے لباس مین اُن کے پیچھے ہے اور اپنے دونون بازوؤن کو تیزی سے حرکت دے رہا ہے گویا وہ ایک سارجنٹ ہے جو اُن سپاہیون کو فوجی قواعد سکھا رہا ہے۔

آفتاب غروب ہونے کے بعد احسان خیمہ مین واپس آجاتا رات بھر احکام لکھتا اور صادر کرتا رہتا تھا اور صبح تک برابر اس کام مین مشغول رہتا تھا مین جب اُس کو اس حال مین دیکھتا تو اپنے دلمین ہنستا لیکن میرا یہ ہنسنا رونے سے مشابہ ہوتا تھا بار بار میرے جی مین آتا کہ مین احسان کا نام "سیسہ کا سپاہی" رکھدون جن کا ذکر ہنڈرسن کے قصہ مین آیا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ سیسہ کا ایک کھلونہ جو سپاہی کی صورت مین تھا ایک گھر مین طاق کے اندر رکھا ہوا تھا اور باوجود اس کے کہ اُس کی ران مفقود تھی لیکن اُسکے اطوار سپاہیون کے سے تھے، ہنڈرسن نے اپنے قصہ مین لکھا ہے کہ اس سپاہی کو ایک نوجوان لڑکی سے عشق تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ خادمہ مکان کی صفائی کر رہی تھی کہ سیسہ کا یہ سپاہی انگیٹھی مین گر گیا اور جب اُسکو آگ سے نکالا گیا تو وہ پگھلکر قلب کی شکل ہوگیا تھا مین جس قدر احسان کی حالت پر غور کرتا ہون اُسکو سیسہ کے اس کھلونے سے مشابہ پاتا ہون احسان بھی اُس سیسہ کے سپاہی کی طرح اُس سبز آنکھون والی عورت پر عاشق ہے جو سفری شفاخانہ مین کام کر رہی ہے اور لشکرگاہ کے سامنے جو کالا پہاڑ کھڑا ہے اُسکے گرد کی گھمسان جنگ کی آگ مین کود پڑنے کے لئے مستعد ہے تاکہ جنگ کی یہ آگ اُسکو پگھلا کر قلب کی شکل مین بدل دے اور وہ زیر زمین مدفون ہوجائے، آہ اس فولادی محبوب سپاہی کی خواہش کسقدر عجیب و غریب ہے

ایک روز مین نے ارادہ کیا کہ مین عائشہ سے جا کر ملون مجھے اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ عائشہ احسان

سے محبت کرتی ہے اور اس یقین کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عائشہ نے احسان سے جو یہ عہد کیا تھا کہ وہ اُس سے نکاح کرے گی اس عہد کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ ایک سال کے اندر ہی اندر اس عہد کو توڑ دیگی پھر یہ کہ جب احسان اور عائشہ آخری مرتبہ ملے ہیں اور اُس بجھتی ہوئی آگ کے سامنے دونوں کھڑے تھے جو سکائوں کے دروازہ پر جل رہی تھی تو دونوں بے اختیار رو رہے تھے۔

مین نے جب عائشہ کے پاس جانیکا ارادہ کیا تو احسان سے مین نے اجازت چاہی اسوقت میری آواز مین معمولی تغیر تھا لیکن احسان اس سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا اور نہایت طمانیت کے ساتھ کلام کرتے ہوئے سرکاری لب لہجہ مین کہا۔

تم ایک گھنٹے کے لئے جہان چاہو جاسکتے ہو۔

اس کے بعد وہ سوار سارجنٹ سے جو نہایت جسیم و توانا تھا اور احکام حاصل کرنے کے لئے آیا تھا، مخاطب ہوا اور باتین کرنے لگا، مین کمرہ سے باہر نکلا اور اُس میدان کی طرف بڑھا جو اُس وادی مین شامل تھا جسمین سفری شفاخانہ کا کیمپ تھا مین خاموش چلا جا رہا تھا اور اُس گھاس کو جو میدان مین ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہی تھی مخاطب کرکے اُن الفاظ کی مشق کر رہا تھا جو مجھ کو عائشہ سے کہنے تھے اس وقت مین نہایت جوش اور اہتمام کے ساتھ احسان کی حالت اور اُس کے درد و الم کو بیان کر رہا تھا اور ظاہر کر رہا تھا کہ احسان کی خودرفتگی اب اس درجہ تک پہنچگئی ہے کہ وہ موت کے قریب تک پہنچ گیا ہے۔

مین اسی قسم کی باتین کرتا چلا جا رہا تھا اور خود ہی ان سے اتنا متاثر ہو رہا تھا کہ آنسو میری آنکھوں سے جاری تھے مین نے اپنے تاثر کو پیش نظر رکھکر دلمین کہا کہ جب مین عائشہ سے یہ باتیں کہون گا اور احسان کی حالت بتلاؤن گا تو وہ ان سے اس قدر متاثر ہوگی کہ بچون کی طرح رونے لگے گی اور مجھ سے یہ خواہش کرے گی کہ مین دونوں کے قلوب اور ہاتھوں کو ملا دینے کا ذریعہ بنجاؤن۔

جب مین اُن الفاظ کی مشق کرچکا جو مجھ کو احسان کی نسبت عائشہ سے کہنے تھے تو میرے دلمین پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ مین اُس سے یہ بھی کہون گا کہ مین بھی ....

جونہی یہ خیال میرے قلب مین پیدا ہوا میرا دل زور زور حرکت کرنے لگا اور مین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس خیال کو بس یہین ختم کردینا چاہئے۔

شام ہوگئی تھی اور وادی کے اندر خیموں مین چراغ روشن تھے جگہ جگہ سپاہیوں کی جماعتیں بیٹھی

تھیں اور انکے سیاہ حلقوں میں آگ جل رہی تھی یکایک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گھاس کو مخاطب کرکے جو الفاظ میں نے کہے تھے گھاس نے تاریکی میں غائب ہونے سے قبل اُن الفاظ کے جواب میں بعض عجیب غریب امور مجھکو بتلائے ہیں، میں اس عجیب تخیل پر ہنس پڑا اور مجھے "لانگ فیلو" کا قصہ یاد آگیا۔

"لانگ فیلو" کا قصہ عجیب غریب ہے جو آمریکہ کے ایام توحش میں وقوع پذیر ہوا ہے اُس زمانہ میں آمریکہ کی زمین خشک و غیر آباد تھی اور وادی سقایہ کے پہاڑوں کی طرح اُسمیں کثرت سے کالے کالے پہاڑ تھے جو لوگ اُن ایام میں وہاں بستے تھے اُن میں ایک حیادار اور غیرتمند نوجوان بھی تھا جو فاقہ اور کم غذائیت میں زندگی بسر کرتا تھا، اس نوجوان کا ایک دوست تھا جو طاقتور جسیم اور جنگ آزما تھا اُس کا دل سونے کی طرح پاک و صاف اور فولاد کے مانند مضبوط تھا جو شخص اُسکو دیکھتا تھا تعجب کرتا تھا یہ دونوں دوست ایک خوبصورت عورت سے محبت رکھتے تھے، اس ملک کی عورتیں طاقتور اور شجاع مردوں کو بہت دوست رکھتی تھیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خصوصیت امریکن عورتوں ہی کی نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں دنیا بھر کی عورتیں بہادر مردوں سے محبت کرتی رہی ہیں اور عورتوں کی یہی فطرت ہے۔

چھوٹے سے کاتب کو یہ حقیقت معلوم ہوگئی تھی وہ جب اپنی محبوبہ کے پاس جاتا تو خاموش اُس کے سامنے بیٹھا رہتا اسی طرح اُس کا بہادر و شجاع دوست بھی خاموش و خائف اپنی محبوبہ کے سامنے بیٹھا رہتا تھا اور یہ خاموشی اس وجہ سے نہ تھی کہ توحش کی فطرت کا اقتضا یہی تھا بلکہ اس کا سبب تھا کہ وہ اپنی محبوبہ کی خوبصورت آنکھوں سے خائف رہتا تھا، ایک روز اس بہادر نوجوان نے اپنے کمزور و نحیف دوست سے جو اُسوقت کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے میں محو و مشغول تھا کہا۔

دوست! آج تم اُس محبوبہ کے پاس جاؤ اور میرے عشق کی کیفیت سے اُسکو آگاہ کردو تم چونکہ نوجوان ہو اور لکھے پڑھے آدمی ہو اس لئے تم نہایت موثر الفاظ میں اُس سے میری حالت کو بیان کر سکوگے اور میری حالت کا نقشہ کھینچکر اُس کے سامنے رکھدوگے اور آخر اُسکو راضی کرلوگے۔

وہ نوجوان کاتب جو میری ہی طرح کاغذ و روشنائی کا مرد تھا اپنے دوست کی خواہش کے مطابق اُس عورت کے پاس گیا اور اُس کے سامنے اس طرح جوش و خروش سے اپنے دوست کے حالات اور داستان رنج و غم بیان کی جس طرح آتش فشاں پہاڑ پھوٹ نکلتا ہے یا تنور کے اندر شعلے بھڑکتے ہیں ہاں بالکل اُسی طرح جس طرح میں نے گھاس کو خطاب کیا تھا، نوجوان پُر اثر انداز میں اپنے دوست کی کیفیت

بیان کر رہا تھا اور وہ حسین عورت اپنی خوبصورت آنکھوں سے اُس کے قلب کی طرف دیکھ رہی تھی اور مبہم طریقہ پہ مسکرا رہی تھی آخر اُسنے ساری داستان سُنکر کہا۔

اچھا اب اپنی نسبت بھی کچھ کہو۔

یہ لانگ فیلو کا یہی وہ قصہ ہے جب مجھے اُسوقت یاد آگیا تھا لیکن میں ایسا بدباطن شخص نہ تھا کہ یہ خیال اپنے قلب میں پیدا ہونے دیتا بالاشبہ اگر ایسا خیال میرے دل میں پیدا ہوتا تو میں خوانین تھا اسی طرح میں نے اپنے قلب میں یہ خطرہ بھی نہ پیدا ہونے دیا کہ جب ہم تاریکی میں خیمہ کے دروازہ کے سامنے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہونگے تو عائشہ مجھ سے یہ سوال کرنے لگیگی۔

پیاری! ہاں اب اپنی نسبت بھی کچھ کہو

اس خیال نے میرے قلب میں نفرت پیدا کردی کیونکہ میں اس خیال کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اتنا بدباطن نہ تھا کہ ایسا خیال قائم کرتا، آخر میں تھوڑی دیر کے لئے سفری شفاخانہ کے خیمہ کے پیچھے گیا کہ جس تاثر نے مجھے بیچین کردیا ہے وہ رفع ہوجائے اور سکون و اطمینان مجھکو حاصل ہو جائے۔

اطمینان سے بیٹھکر میں نے اپنے دلمیں کہا اگر میرے جسم میں وزارت خارجہ کے ایک معمولی عہدیدار کی روح دس برس سے سرایت کئے ہوئے نہ ہوتی تو کبھی میں اپنا قصہ اس طریقہ پہ نہ لکھتا بلکہ میں یہانتک کہتا ہوں کہ عائشہ اور میرے درمیان جو رابطہ تھا وہ بہن بھائی کا سا ربط و تعلق تھا یعنی عائشہ میری بڑی بہن تھی اور میں اسکا چھوٹا بھائی، یا پھر یوں کہنا چاہئے کہ میں عائشہ کی پھوپی کا بیٹا تھا۔

جو ربط و تعلق میرے اور عائشہ کے درمیان اخوت کا تھا اُسپر مجھکو پورا اعتماد تھا اس لئے میں اس امر کا یقین رکھتا تھا کہ عائشہ میری باتوں کو سچائی کے ساتھ سنے گی مجھپر بھروسہ کریگی اور احسان کے پاس چلی جائے گی۔

آخر میں۔ عائشہ کے خیمہ کے دروازہ پہ پہنچ گیا اور الکحل و ٹنکچر آیوڈین کی بو میرے دماغ میں پہنچی خیمہ کے اندر بہت سی پالکیاں رکھی ہوئی تھیں جن کے اندر بعض وہ مریض اور مجروح تھے جن کی تیمارداری نگرانی عائشہ کے ذمہ تھی، عائشہ اسوقت خیمہ کی چوب کے ایک جانب بیٹھی ہوئی ایک جسیم سپاہی کے چہرہ پہ ٹھنڈا پانی ڈال رہی تھی خیمہ میں اندر کوئی نہ تھا میں نے سُنا کہ ایک مجروح سپاہی لکنت کے انداز میں

عائشہ کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہے۔ بہن عائشہ کیا یونانی یہاں سے بھاگے جارہے ہیں؟
عائشہ نے جواب دیا ہاں احمد وہ میدان چھوڑکر جارہے ہیں اور اُمید ہے کہ تین دن کے اندر علاقہ
اُن کے ناپاک قدموں سے پاک ہوجائیگا، تمہارے سینہ میں جو زخم آیا ہے وہ رائیگان نہیں گیا۔
دوسرا سپاہی۔ بہن عائشہ تھوڑا سا پانی دو۔
تیسرا سپاہی۔ میرے پاؤن میں بہت تکلیف ہے ڈاکٹر کب آئیگا۔
چوتھا سپاہی۔ آہ اماں . . . ہائے اماں۔
پانچواں سپاہی۔ بہن کیا تم مجھ کو ایک لیموں دے سکتی ہو۔
مین نے چاہا کہ سپاہیوں کی ان درخواستوں میں۔ میں بھی حصہ لوں چنانچہ میں نے کہا۔
عائشہ کیا تھوڑی دیر کے لئے تم میرے پاس آسکتی ہو۔
عائشہ۔ اہا، سپاہی تم ہو . . . . . تھوڑی دیر ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔
یہ کہکر عائشہ نے سارجنٹ مصطفےٰ کو حکم دیا کہ وہ مریضوں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرے اور پھر
فوراً میرے پاس آئی اور ہم دونوں خیمہ کے دروازہ پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوگئے، اسوقت
عائشہ کے چہرہ پر گہری فکر تھا اور آنکھیں اور اُن کے حلقے سیاہی مائل تھے اُسنے مجھ سے دریافت کیا۔
یونانیوں کی واپسی و پسپائی یقینی ہے کیوں سپاہی کیا میرا خیال غلط ہے۔
مین۔ عائشہ تمہارا خیال درست ہے۔
عائشہ۔ کل حشمت بک اور جمال کے دستے جنگ میں شریک ہونگے۔
مین۔ احسان کی رجمنٹ بھی۔
عائشہ۔ سپاہی کیا تم مذاق کررہے ہو۔
مین۔ عائشہ شاید تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ احسان کو رجمنٹ ۔ ۔ ۔ کی کمان دیدی گئی ہے۔
عائشہ۔ اب سے تین روز قبل میں احسان سے ملی تھی اُسنے مجھکو کوئی اطلاع نہیں دی اُسکا
لشکرگاہ کہاں ہے۔
مین۔ اسی میدان میں۔
عائشہ۔ (ہنسکر) تو اب یوں کہنا چاہیے کہ کل تینوں سمرنا کے راستہ پر روانہ ہونگے۔

اس کے بعد عائشہ نے دریافت کیا۔

پیامی کیا تم بھی کسی دستہ میں شامل ہو گئے ہو۔

میں ۔ احسان کا افسر اعلیٰ بنا دیا گیا ہوں۔

یہ سنکر حیرت سے عائشہ کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا۔

تو پھر تم بھی کل پروانوں کی طرح آگ کے گرد چکر لگاؤ گے۔ اب میں تنہا رہ گئی اور بجز میرے اب کوئی باقی نہیں رہا۔

عائشہ کے آخری الفاظ ختم نہ ہونے پائے تھے کہ خیمہ کے اندر سے یہ آواز سنائی دی۔

آہ میری بہن ۔۔۔ آہ میری بہن۔

عائشہ نے یہ آواز سنکر کہا۔

پیامی یہ آواز سارجنٹ حسن کی ہے جس کے بازو میں زخم آیا ہے اور بایں ہمہ کہ وہ زخمی ہے لیکن جبہۂ جنگ میں واپس جانے پر اصرار کر رہا ہے عسکی شہر میں بھی اس کے جسم کی اندرونی جھلی میں زخم آیا تھا، میں اس کی تیمار داری اور مرہم پٹی کر رہی ہوں اور اگرچہ زخم اچھا نہیں ہوا ہے لیکن وہ خیال کرتا ہے کہ میں اچھا ہو گیا ہوں اور اب کئی روز سے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں معرکہ جنگ میں شریک ہوں گا اور جب تک کم سے کم دو زخم نہ کھالوں گا واپس نہ آؤنگا۔

میں نے عائشہ کے پژمردہ چہرہ اور سکڑی ہوئی پیشانی پر نظر ڈالی اور حرارت و برافروختگی کی علامتیں محسوس کیں چند منٹ تامل کے بعد آخر میں نے کہا۔

عائشہ کیا تم اس سے پہلے کہ کل احسان جنگ میں شریک ہو اس سے ملنے کی خواہش نہیں رکھتیں، سقاریہ کی جنگ نے ہمارے بہت سے افسروں کو کھا لیا ہے اور وہ شہید ہو کر جنت کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔

میرے الفاظ سنکر عائشہ نے پشت پھیر لی اور دیر تک دور دور تا افق کی طرف دیکھتی رہی، پھر میری طرف متوجہ ہوئی، اسوقت چونکہ غضب کی تاریکی تھی اس لئے میں اس کے چہرہ کی حالت کو نہ دیکھ سکا البتہ یہ میں نے دیکھا کہ اسنے اپنے دونوں عریاں بازو میری طرف پھیلائے اور پرجوش لہجہ میں کہا۔ کل تم سب لوگ میدان جنگ میں جاؤ گے یعنی تم، جمال اور وہ اور شاید شادلیش (سارجنٹ

حسن بھی یہ امر کسی طرح قرین صواب نہین ہے کہ آجکل کسی کو جنگ مین شریک ہونے سے باز رکھا جائے کل
سارا لشکر سمرنا کی راہ مین آگے بڑھیگا اور مین بھی تمھارے ساتھ ہون گی، اچھا پیاری اب تم جاؤ مین ان
مین زخمیون کے پاس واپس جارہی ہون۔

مین نے کہا: عائشہ کیا مین تمھارا سلام احسان سے کہہ دون۔

عائشہ۔ ہان احسان سے میرا سلام کہنا مین دعا کرتی ہون کہ حضرت اسمٰعیل پاشا پر خدا فتح عطا فرمائے۔

رات بھر مین اس خیال مین محو رہا کہ عائشہ کی محبت ان ایک الہی محبت ہے جس کا تعلق ناممکن
ہے آدھی رات گذر جانے پر احسان جو تھوڑی دیر ہوئی خیمہ کو آیا تھا اپنے بستر پر دراز ہوگیا اسوقت غضب کی
سردی تھی، پہرہ دار خیمہ کے باہر برابر ادھر سے ادھر پھر رہا تھا اور ایک منٹ کے لئے بھی ٹھہرتا نہ تھا
تھا، مین نے اپنے دل مین سوچا کہ کیا مین عائشہ کے متعلق احسان سے گفتگو کرون اور عائشہ سے جو
باتین ہوئی تھین اُن سے اُس کو آگاہ کر دون لیکن جب مین نے احسان کے چہرہ کی حالت کو دیکھا
تو مجھے اُس سے گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی اُسنے ٹوپی کو میز پر ڈالدیا تھا اور سر کے نیچے کہنی رکھے خیمہ کی
چھت کو غور سے دیکھ رہا تھا، مین آدھے گھنٹہ تک بالکل خاموش رہا پھر جرأت کر کے گفتگو شروع کرنیکا
ارادہ کیا لیکن جونہین کہ بات کرنے کے لئے مین نے لب کھولے کہ مین نے احسان کو نیند مین یہ کہتے سُنا۔

بہادر جوانو، پہاڑی کی طرف فائر کرو۔ ہان پہاڑی کی طرف وہ دیکھو دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور
سراسیمہ بھاگا چلا جارہا ہے۔

احسان یہ الفاظ کہہ رہا تھا اور تند تند سانس لے رہا تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہانپ رہا تھا، مین نے
محسوس کیا کہ وہ خواب مین بندوق اُٹھائے سپاہیون کے ساتھ پہاڑی کی طرف جارہا ہے احسان نے
میرے قلب مین ایک عجیب غریب احساس پیدا کیا مین غور کرنے لگا کہ کل مین بھی آگ و خون کے
ایسے معرکون مین پہلی مرتبہ شریک ہونگا اور فریق ممتاز مین میرا بھی شمار ہوگا ہان سپاہیون کی اُس
جماعت مین۔ مین بھی گنا جاؤن گا جو موت کے روبرو کھڑی ہوتی ہے اور پھر اُسوقت عائشہ وغیرہ کی
نظرون مین پست درجہ کے آدمیون مین میرا شمار نہ ہوگا۔

صبح کو جب مین بیدار ہوا تو دیکھا کہ احسان خیمہ کی چوب سے پشت لگائے بیٹھا ہے اور قہوہ پی
رہا ہے۔ مین فوراً بستر سے اُٹھا اور اپنے قلب مین، مین نے وہ کیفیت سرور پائی جو عید کی صبح کو ہوتی

ہے اسوقت توپین آتشباری مین مصروف تھین اور خوفناک طریقہ پر گولہ باری جاری تھی، تمام لوگ خاموش تھے اور عام سکوت طاری تھا، احسان نے مجھ کو بیدار پاکر میری طرف دیکھا اور پہلی مرتبہ مجھ کو دیکھکر مسکرایا یہ مسکرانا اُس کا جس طرح پہلی مرتبہ تھا اُسی طرح آخری بھی تھا، احسان نے میری طرف دیکھکر کہا۔

پیارے آو یہ ہمارا اچھا پہرہ وار ہے۔

یونانی ہوائی جہازون کی پرواز کی آواز باہر سے آرہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان ہوائی جہازون نے لشکرگاہ کو معلوم کرلیا ہے، احسان جب خیمہ سے باہر نکلا اور مین نے دیکھا کہ وہ خیمہ کے باہر آسمان کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہے جس طرح بچے کھیل مین کنکوے کو اُڑتا دیکھتے ہین تو اُس کی جان کے خوف سے مین بے قرار ہوگیا۔

یونانی ہوائی جہازون نے چند گولے ادہر اُدہر گرائے لیکن کسی شخص نے ان کی پرواہ کی سپاہیونکی آمدورفت جاری تھی اُن کے ہاتھون مین خوان تھے اور سپاہ کو وہ کھانا پہنچا رہے تھے، اس کے بعد توپون کی آتشباری بڑھ گئی اور گولے ہمارے قریب آکر گرنے لگے، گولے زمین پر گرتے تھے اور زمین کے اندر دھنس جاتے تھے اور پھر زمین شق ہوجاتی تھی۔ احسان اسوقت بہت مضطرب پریشان تھا جنگ اُن پہاڑی دامنون سے جو ہمارے سامنے تھے "الکتہ الدعا" مقام تک جو ہم سے تھوڑے فاصلہ پر تھا پہنچ چکی تھی ہم دیکھ رہے تھے کہ سپاہ کے دستے متحرک افواج سے جُدا ہوکر اپنی خاکی وردیون مین آگے بڑھ رہے ہین اور جب وہ اُس میدان کے جو ہمارے سامنے تھا آخری خط پر پہنچ جاتے ہین تو تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے ہین پھر اُن مین جوش پیدا ہوتا ہے اور جرات اُن کی ہمت بڑھاتی ہے اور وہ آخری خط کو عبور کرکے آگے بڑھتے ہین یہان تک کہ وہ نظرون سے غائب ہوجاتے ہین کیونکہ آخری خط کے بعد آتشین خط یا محاذ جنگ تھا، مین اس ہولناک منظر کو دیکھ رہا تھا اور اپنے دل مین کہہ رہا تھا یہی وہ راستہ ہے جس سے ہم کو بھی گذرنا ہے لیکن گھنٹون اور منٹون کی آج کیا حالت ہے آج وہ گویا خاموش تھے یا اُن کی رفتار اتنی سست تھی کہ ایک ایک لمحہ گھنٹون، دنون، مہینون بلکہ سالون کے برابر معلوم ہورہا تھا، خاموشی کا یہ عالم تھا گویا وہ مجسم کھڑی ہے اور ہمارے گرد محیط ہے اور ہم اُسکو اپنے ہاتھون سے محسوس کر رہے ہین۔

جب سپاہ کھانا کھا چکی تو معرکہ کارزار مین گھُسنے کے لئے تیار ہونے لگی حشمت پاشا نے احسان کو اپنے پاس بُلایا اور دیر تک اُس سے مشورہ کرتا رہا، احسان ایک گھنٹے کے بعد جب واپس آیا تو اُسنے تمام ماتحت افسرون کو جمع کیا اور تمام ضروری ہدایات و احکام اُن کو دئے اور ہم پھر میدان جنگ مین جانے کے لئے تیار اور آگے بڑھنے کے لئے بالکل مستعد ہو گئے لیکن جمال کے ماتحت جو رجمنٹ تھی وہ ہم سے سبقت لے گئی ہم گھوڑون کی پُشت پر سوار کھڑے تھے اور جمال کی سپاہ ہمارے سامنے سے گذر رہی تھی جب جمال کی سپاہ کا آخری سپاہی اُس آخری خط سے گذر رہا تھا جو ہمارے سامنے میدان مین تھا تو احسان نے ہم سے اس امر کو مخفی رکھنے کی کوشش کی کہ وہ اسوقت سفری شفاخانہ کی جانب خاص توجہ سے دیکھ رہا ہے اُسنے جمال کے آخری سپاہی کو آخری خط سے گذرتے ہی اپنی نگاہون کو سفری شفاخانہ کی جانب سے ہٹایا اور ایسے لہجہ مین جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو چھپا رہا ہے کہا۔

جمال کا دستہ ہم سے سبقت لے گیا۔

مجھے اس امر کا یقین تھا کہ اگرچہ احسان میدان جنگ کی طرف بڑھنے کے لئے بالکل تیار ہو لیکن اُسکی نگاہین سفری شفاخانہ کے کیمپ سے جدا نہین ہوتین اور وہ پوری توجہ سے سفری شفاخانہ کی طرف دیکھ رہا ہے اور اس کا سبب مجھے معلوم تھا یعنی وہ اُس تکلیف اور درد مین مبتلا تھا جو میری ہڈیون، گوشت، قلب، اور دماغ مین ساری تھا بلکہ یون کہنا چاہئے کہ وہ آلام و مصائب جسکو ایک قلب برداشت کر رہا تھا یعنی وہ قلب جو فی الحقیقت ایک تھا لیکن دو جسمون مین منقسم تھا اور میرا خیال ہے کہ یہی وہ راز ہے جسنے مجھکو اور احسان کو یکجان دو قالب بنا دیا تھا۔

زمین پر پھر ایک موج پیدا ہوئی یعنی ہمارا لشکر حرکت مین آیا اور اپنے قدمون سے اُسنے زمین کی گرد اُڑانا شروع کی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا، لشکر کے دونون جانب فولادی چہرون والے افسر گھوڑون پر سوار تھے، جب ہماری سپاہ کا پہلا حصہ میدان کے آخری خط سے گذر کر میدان جنگ مین داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا اُسوقت ہم وادی کے قلب مین تھے پھر لشکر کا دوسرا دستہ آخری خط پر پہنچا احسان ہمارے ساتھ تھا اور نہایت مضبوطی سے استقلال و ثبات قدمی کے ساتھ گھوڑے کی پُشت پر بیٹھا تھا اور دائین بائین تیزی کے ساتھ سپاہ کی رفتار کو دیکھ کر احکام صادر کر رہا تھا، ہم سوارون کے دستہ کے پیچھے احسان کے گرد کھڑے تھے اور گولون کے پھٹنے کی آواز کے بعد دوسری آواز گھوڑون کے ٹاپون کی تھی جو فضا مین

گونج رہی تھی، کپتان محسن ایک جو رجمنٹ کے افسر کا اڈیکانگ تھا تیزی کے ساتھ اگرچہ اپنی خدمات کو بجا لا رہا تھا لیکن میری طرف سے غافل نہ تھا وہ بار بار میرے پاس آتا اور مجھکو بحیثیت میرے ایک احتیاطی (ریزرو) افسر ہونے کے سو لیتین بہم پہنچاتا تھا حالانکہ میں اسوقت ان باتوں کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا اور تیزی کے ساتھ سپاہ کو افسر کے احکام پہونچا رہا تھا۔

جسوقت ہم میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اسوقت میں نے محسوس کیا کہ احسان میں اب کوئی انسانی صفت باقی نہیں رہی ہے اسوقت اُس کو اپنے گرد و پیش کے آدمیوں کا مطلق کوئی خیال نہ تھا، اور وہ تیزی سے احکام صادر کر رہا تھا اُس کی نگاہ اگرچہ میری طرف تھی لیکن وہ مجھکو دیکھتا نہ تھا جس وقت آخری دستے نے آخری خط کو عبور کر لیا تو احسان نے مجھکو رجمنٹ کے افسر کے پاس بھیجا میں اُس مقام سے گذر رہا تھا اور میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ جیب سے رومال نکالکر میں سفری شفاخانہ کی طرف اشارہ کروں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور آخری خط سے گذر گیا، اسوقت میں اسقدر اپنے خیال میں محو تھا کہ مجھے کسی چیز کی پروا نہ تھی۔

آخر ہم اُس وادی میں داخل ہوئے جسکو چاروں طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے تھے وادی کے وسط میں کسی قدر بلندی پر راستہ تھا جس پر سے ہم نے دیکھا کہ سیاہ وادی میں کالے کالے خطوط کی طرح پھیلی ہوئی ہے گولہ باری جاری تھی اور گولے ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر گر رہے تھے اور جہاں وہ گرتے تھے غبار کی ایک چادر اُس کے اطراف میں فضا کے اندر پھیل جاتی تھی لوگ پہاڑی دامن میں جو وادی سے وابستہ تھا اس طرح پھیلے ہوئے تھے گویا وہ چیونٹیاں ہیں۔

جو خط ہمارے سامنے تھا وہ "لولادلی" تک چلا گیا تھا پھر "لولادلی" سے آگے بڑھ کر ایک چھوٹے سے درہ پر جاکر ختم ہو گیا تھا خط کے دائیں جانب "الکمتہ لبشرہ" اور بائیں جانب "آکام لولادلی" تھے گولے اُن کھیتوں میں گر رہے تھے جو درہ کے دائیں جانب تھے اور ایسے معلوم ہوتے تھے گویا وہ دھنکی ہوئی روئی ہے یا ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔

ہم اِن کھیتوں کے اندر سے گذرنے پر مجبور تھے آخر ہم کھیتوں میں اُس غبار کے درمیان داخل ہوئے جو ہمارے دائیں بائیں گولوں کے زمین پر گرنے سے اُڑ رہا تھا، گھوڑے بھڑک بھڑک کر گولوں کی آواز سے بھاگ رہے تھے اور سپاہی خاموشی اور سکون کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

گولے ہمارے دائیں بائیں گر رہے تھے لیکن ہم بے پرواہ آگے بڑھنے میں مشغول تھے، یہاں تک کہ وہ بلند چوٹیاں میناروں کی طرح نظر آنے لگیں جو اس کالے پہاڑ پر تھیں جو بولا آدلی کی پشت پر واقع تھا ہمارا فرض یہ تھا کہ ہم اس پہاڑ پر پہنچکر اسپر قبضہ کر لیں ہم میں سے ہر شخص کا ارادہ چونکہ فوجی نظام کے ماتحت افسر بالا کے ہاتھ میں تھا اسی وجہ سے کوئی شخص ہم میں سے اس امر کے لئے متفکر نہ تھا کہ کیونکر ہم ان آتشیں کھیتوں کو عبور کرینگے جن کے اندر ہم اسوقت جا رہے تھے بلکہ فوج کے ہر حصہ ہر جماعت اور ہر دستہ کا باہم ملنا - منتشر ہونا - اور ایک دوسرے سے ربط قائم رکھنا ان احکام کے ماتحت تھا جو افسروں سے مل رہے تھے، یہاں تک کہ ان احکام کے ماتحت فوجوں کے دستے میدان میں مخفی ہوجاتے تھے اور پھر یکایک نظروں سے غائب -

یہ مسافت ہم نے ایک گھنٹہ میں طے کی ہم راستہ کو طے کر رہے تھے کہ ایک موٹر بجلی کی مانند تیزی کیساتھ ہمارے پاس سے گذری یہ موٹر سپہ سالار عام کی جانب سے فوجی افسروں کے نام احکام لیجا رہی تھی، پھر ایک فوجی افسر آیا اور احسان کے قریب پہنچکر اسکو فوجی سلام کیا اور احکام پہنچائے جتنی دیر ان احکام کو سننے میں لگی اتنی دیر میں ہم نے بمشکل اپنے گھوڑوں کو آگے بڑھنے سے روکا، جب یہ افسر چلا گیا تو ہم پھر آگے بڑھے اسوقت احسان کے چہرے پر مسرت کی چمک تھی اسنے مجھکو مخاطب کر کے کہا -

پیامی! ہمارا حملہ چونکہ قلب جیش سے ہوگا اس لئے سب سے پہلی گولی ہماری جانب سے چلے گی -

میں نے کہا - اگر ایسا ہے تو ہمارے لئے آج کا دن عید کا دن ہے گویا ہم کو خوبصورت رومالوں اور مٹھائیوں سے خصوصیت بخشی گئی ہے -

میں گھوڑے پر سوار تھا اور تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ افسر کے احکام و ہدایات فوجی دستوں کو پہنچا رہا تھا یہ احکام آتشیں کھیتوں سے گذرنے کے متعلق تھے جن میں بیان کیا گیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو بہت کم نقصان اٹھا کر اس مرحلہ کو طے کر لیا جائے ہم ان بعض موانع کو جو راستہ کے دائیں جانب تھے دور کر کے آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ بولا آدلی کی چوٹیوں سے ایک گولہ سرخ میدان میں آگرا جس سے دو سپاہی شہید ہوئے، میرا خیال ہے کہ اس معرکہ کی قربانیوں میں یہ پہلی قربانی تھی، بہرحال جب ہم تنگنائے (درہ) کو طے کر چکے اور بولا آدلی کی پشت پر نشیب میں روانہ ہوئے تو ایک اور پہاڑی ہمارے سامنے آگئی اور ہم اپنے راستہ کو بدلنے پر مجبور ہوئے -

میں اُن لوگوں میں سے تھا جو بحری طوفان سے بہت ڈرتے ہیں، ایک مرتبہ جب میں مارسیلز سے جہاز پر سوار ہوا تو حسن اتفاق سے ہولناک آندھی نے جہاز کو طوفان میں ڈال دیا اور جہاز پانی کی موجوں میں اس طرح تھپیڑے کھانے لگا جس طرح کوئی چھوٹی سی کشتی بڑی بڑی موجوں کا شکار ہو اس حالت میں ۔ میں نے جہازران اور ملاحوں کے چہروں پر نظر ڈالی اور ان کو مطمئن پاکر اپنے دل میں کہا کہ جب تک ان لوگوں کے چہروں پر خطرہ کی علامتیں محسوس نہ ہونگی اُسوقت تک خوف کی کوئی وجہ نہیں ہے اس خیال کے بعد جسقدر آندھی تیز ہوتی گئی اُسی قدر میرا خوف کم ہوتا گیا کیونکہ میں جہازران اور ملاحوں کو خوش و مطمئن پاتا تھا اور اُن کی آواز میں طمانیت کا نغمہ میں سن رہا تھا آخر یہ کہ میرا خوف بالکل جاتا رہا یہی حالت اسوقت بھی میری تھی ۔

اسوقت بھی جبکہ خوفناک خاموشی اور سکون چھایا ہوا تھا اور سامعہ شکن توپیں گرج گرج کر آتشباری کر رہی تھیں میرے کان اُن جنگی احکام و ہدایات کی طرف لگے ہوئے تھے جو کپتان اور اُس کے ماتحت افسر فوجی دستوں کو دے رہے تھے اور اُن کی آواز انسانی آواز کے بجائے فولادی گونج سے زیادہ مشابہ تھی، میں ان دلیرانہ احکام اور پُرجوش آواز کو سنتا تھا اور عزم و ہمت کے مفہوم کو اُن میں پاکر مطمئن تھا اور مجھے اعتماد تھا کہ خطرہ کا وقت ابھی بہت دور ہے اور پھر میری یہ حالت اُس وقت تھی جبکہ ہم اپنے اُن بھائیوں کی نعشوں پر سے گذر رہے تھے جن کی ہم نے جماعت و جماعت پیادہ اور سوار اُس زمین میں تخم ریزی کی تھی ۔

جنگی حالات میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ جنگ کے اندر خوفناک چیز صرف خوف کی اصل شخصیت ہے جب تک سپاہ کا ہزیمت یا پسپائی کی مصیبت سے سامنا نہ ہو وہ خوف کو جانتی بھی نہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جنگ بذات خود ایک نہایت سادہ اور معمولی چیز ہے ۔

رات کی تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ۔ سردی کی شدت بڑھنے لگی اور تیز ہوائیں یا آندھی لشکر کی صفوں کے میمنہ و میسرہ میں چلنے لگی یہ آندھی ہمکو ایسی محسوس ہوتی تھی گویا موت ہمارے سروں پر گذر رہی ہے ۔

یکایک میری نظر ایک سپاہی پر پڑی جو لمبا کوٹ پہنے فرش زمین پر بھاری پتھر کی طرح پڑا تھا اُسکے پہلو میں سینہ کی زنجیری تھی جو شام کی خفیف روشنی میں چمک رہی تھی، لشکر کی صفوں کے پیچھے پالکیاں

زخمیون کو اُٹھانے اور لیجانے مین مصروف تھین، مین فوجی افسرون کی آوازون کو سُن رہا تھا جو تحت سپاہیون کو جنگی ہدایات دے رہے تھے رات کی تاریکی اور خاموشی مین یہ آوازین بالکل فولادی گونج سے مشابہ تھین برخلاف صبح کے کہ اسوقت آوازین اس قسم کی گونج نہین ہوتی۔

ہمارے اور دامن کوہ کے آخری خط کے درمیان ایک بہت بڑا سیاہ گڑھا تھا جو گولہ باری کی زد سے بالکل محفوظ تھا ہم نے اس گڑھے کو زخمیون کی مرہم پٹی کا مقام بنالیا اور رجمنٹ کے افسر کا مرکز بھی یہین منتقل کرلیا اور اب حقیقی حملہ یہین سے شروع کیا گیا۔

میرے دماغ مین رات کی تاریکی پھیلنے سے قبل جنگی صورت کی تصویر منقش ہوگئی یعنی یہ کہ آخری حملے کے بعد ہمارے اور کالے پہاڑ کے درمیان صرف ایک وادی رہ گئی تھی جو کسی قدر نشیب مین تھی یہ وادی اُن تمام گولون کا نشانہ تھی جو "اکام السمر" "اکام الوادی" اور کالے پہاڑ سے پھینکے جاتے تھے، ہماری اُس سپاہ کو جو دشمنون پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے والی تھی اس وادی سے گذرنا ضروری تھا اور حالت یہ تھی کہ وادی پر ہر طرف سے آتشباری ہو رہی تھی افسر سپاہ نے چاہا کہ تاریکی پھیلنے سے قبل وہ اس وادی کو اچھی طرح دیکھ لے چنانچہ اس خیال سے اُسنے ماتحت دستہ کو حکم دیا کہ وہ تھوڑی دیر پیشقدمی کو ملتوی رکھے یہ حکم دیکر افسر خود اور اُس کے اڈیکانگ ٹیلے پر چڑھے اور اُس کی چوٹی پر پہنچ گئے اسوقت شفق کی سُرخی زائل ہو رہی تھی اور سیاہی پھیلتی جاتی تھی اُدھر ہم ان کوششون مین تھے اور اُدھر یونانی یہ کوشش کر رہے تھے کہ رات کی تاریکی پھیلنے سے قبل وہ ہماری سپاہ کو وادی کیطرف بڑھنے اور وادی کو عبور کرنے سے روکدین چنانچہ اس خیال سے یونانیون نے وادی پر گولے برسانا شروع کئے یہ گولہ باری اتنی سخت تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دُنیا کی توپین گولہ باری کر رہی ہین۔

ٹھیک اُسوقت جبکہ یونانیون کی طرف سے شدید آتشباری جاری تھی مین نے غبار کے ایک بادل کو دیکھا جو اُس سارے راستہ پر چھایا ہوا تھا جسپر دو شخص سیاہ گھوڑون پر سوار آخری خط کی طرف جارہے تھے پھر مین نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا یہ کمانڈر ...... کمانڈر

جب غبار کا وہ بادل جو راستہ پر چھایا ہوا تھا دُور ہوگیا تو مین نے دیکھا کہ دونون گھوڑون مین سے ایک آخری خط پر اپنے دو قدمون پر کھڑا ہے اور اُس کا سوار اُسکو تھپک تھپک کر تسکین دے رہا ہے پھر مین نے دیکھا کہ اُس گھوڑے نے پُشت کی طرف مُنہ پھیرا اور ایک منٹ کے وقفہ مین وہ پہاڑی

میدان میں پہنچ گیا معاً میں نے احسان کی آواز سنی جو دور سے مجھکو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔
پیامی! محسن زخمی ہو گیا ہے فوراً شفاخانہ کے آدمیوں کو بھیجو۔
مختصر یہ کہ ہم کالے پہاڑ تک پہنچنے میں اس وقت تک کامیاب نہ ہوئے جب تک کہ ہم نے اسکی راہ میں کافی قربانیاں نہ دیں۔
احسان نے تحت رجمنٹوں کے افسروں کو بلایا اور اس امر میں ان سے مشورہ لیا باہمی گفتگو سے یہ رائے قرار پائی کہ کالے پہاڑ تک رات کی تاریکی میں پہنچ جانا چاہیئے۔ احسان چونکہ ٹیلہ کی چوٹی پر چڑھ کر وادی کی طبعی حالت دیکھ چکا تھا اور ان گولوں کی روشنی میں جو وادی کے اطراف میں گر رہے تھے وہ وادی کے راستوں کو معلوم کر چکا تھا اس لئے رات کی تاریکی میں وادی سے گذرنا کچھ دقت طلب نہ تھا۔
اس قرارداد کے بعد ہم تاریکی پھیل جانے کا انتظار کرنے لگے یہ وقت میں نے جنگ کا مفہوم معلوم کرنے کی کوشش میں گذارا دیر تک میں اس بات پر غور کرتا اور دل میں کہتا رہا کہ جنگ میں خوفناک چیز صرف خوف ہی ہے۔
تاریکی پھیل جانے پر پھر پیشقدمی شروع کی اور وادی میں داخل ہوئے اسوقت مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جنگ صرف افسر کے احکام پر موقوف نہیں ہے بلکہ بصیرت اور قوت کے دوسرے احکام ہیں جو جنگ کو معقول مدد پہونچاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آدھی رات تک ہم کالے پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے ہم نے دیکھا کہ کالا پہاڑ کسی جاندار چیز کی طرح مخروطی شکل میں ہمارے سامنے کھڑا ہے۔
نورانی جو روشنی میدان کی حالت معلوم کرنے کے لئے روشنی کے ٹھیکروں سے ڈال رہے تھے اس نے میدان جنگ میں ایک عجیب منظر پیدا کر رکھا تھا فریقین کی توپیں جوابی آتشباری میں مشغول تھیں، گولیوں کی بارش دونوں طرف سے جاری تھی اور طرفین کے پیدل سپاہیوں کے درمیان دستی گولوں کی جنگ شدت اختیار کئے ہوئے تھی غرض یہ وقت نہایت سخت اور انتہا درجہ کا نازک تھا وہ شکلیں جو پہاڑی پر چڑھ کر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہی تھیں کبھی توپوں کے ان گولوں کی سرخ روشنی میں نظر آنے لگتی تھیں اور کبھی نظروں سے پنہاں ہو جاتی تھیں جو انسانوں کے اجسام کی کاشت کو کاٹ رہے تھے اور ان کو پارہ پارہ کر کے درختوں کی ٹہنیوں اور شاخوں کی طرح زمین پر

بچھا دیا تھا غرض کہ جنگ شدہ کے ساتھ برابر جاری تھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہ ہوتی تھی۔

یونانی کالے پہاڑ پر پتھروں کے مضبوط مورچوں کے اندر تھے اور جوابی آتشباری میں پوری قوت سے کام لے رہے تھے باین ہمہ تھوڑی دیر میں ہماری پہلی رجمنٹ اُن کے قریب تک پہنچ گئی اور دوسری رجمنٹ پہلے سے بھی آگے بڑھ گئی لیکن دونوں رجمنٹوں کے افسر شہید ہو گئے بعض اوقات میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہمارے لشکر میں معنوی نقص پیدا ہو گیا ہے اور اس کے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور اس قسم کا خیال پیدا ہونے کی وجہ تھی کہ ہمارے لشکر کے نقصانات لشکر کی اصل تعداد کے نصف تک پہنچ گئی تھی آخر جب تاریکی اچھی طرح پھیل گئی تو توپیں خاموش ہو گئیں، میں نہیں جانتا کہ اسوقت ہمارا لشکر برابر آگے بڑھ رہا تھا یا کسی ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔

اس کے بعد چاند کی روشنی افق کی جانب سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ پھیلنے لگی اور تاریکی کی گہرائی میں داخل ہو کر حصۂ زمین کو منور کر دیا چونکہ گولیوں کی بارش شدت سے جاری تھی اس لئے احسان کی آواز بڑی مشکل سے سنائی دیتی تھی آخر یہ کہ احسان نے تیسری رجمنٹ کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسکو لے کر اس دشوار گذار راستہ سے جسپر بھیڑ بکریوں کے چلنے کے قابل بھی جگہ نہ تھی آگے بڑھا، احسان اپنے تمام ماتحت سپاہیوں کے آگے تھا اور اس قدر استقلال و ثبات قدمی کیساتھ پہاڑی ٹیلہ پر چڑھ رہا تھا کہ اس سپاہ کو جو اس کے پیچھے تھی اس کی تقلید کرنے میں کسی قسم کا تردد و تامل نہ ہو سکتا تھا، خاموشی چھائی ہوئی تھی اور بجز اس سپاہی کے کراہنے کی آواز کے جو راستہ میں زخمی ہو جاتا تھا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ گولیاں احسان کے سر کے قریب سے گذر رہی ہیں اور دائیں بائیں گولے آ کر گر رہے ہیں لیکن وہ بے پرواہ ہاتھ میں بندوق لئے برابر پہاڑی پر چڑھا چلا جا رہا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ہم پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور احسان بلند آواز میں چوٹی کے قریب کھڑا ایسے لب لہجہ میں یونانیوں کو گالیاں دے رہا ہے جس سے انتہائی بغض اور غیظ و غضب ٹپک رہا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یونانیوں کی اس جرأت سے بہت برافروختہ ہے کہ وہ اناطولیہ میں آ گئے اور اندرون اناطولیہ میں گھس کر ان کالے پہاڑوں تک پہنچے پھر میں نے سنا کہ احسان کی گالیوں کے جواب میں یونانی بھی اسکو گالیاں دے رہے ہیں اور جب یونانیوں نے دیکھا کہ احسان برابر اُن پر حملہ کر رہا ہے اور اُن کو گالیاں دے رہا ہے تو انھوں نے "تورکوس" "تورکوس" (یعنی ترک) کا شور مچایا

شروع کیا اور احسان کے حملوں کو دستی گولوں۔ بندوق کی گولیوں، پتھروں اور کیچڑ سے روکنا شروع کیا۔

رجمنٹ کے بچے کھچے افسروں میں سے بعض پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے اور یونانیوں کے مورچوں پر بڑھنے نے حملہ شروع کر دیا فریقین گتھم گتھا ہو گئے اور ایک نے دوسرے کی گردن کو پکڑ کر زور آزمائی شروع کی پھر اسپلے ہوئی اور تلواریں نکال لی گئیں دیر تک شمشیر زنی کا معرکہ جاری رہا اور یہ مقابلہ جاری تھا اور ادھر احسان سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

بہادر سپاہیو پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھو۔ ہاں پہاڑ کی چوٹی کی طرف تیزی سے بڑھو۔

روشنی کے طپنچہ سے روشنی پھیلانے والی گولی نکلی اور ساری پہاڑی کو اس نے روشن کر دیا اس روشنی میں ہماری سپاہ نے اپنے افسر احسان کو دیکھا کہ ایک پتھر پر بیٹھا ہے اور کوشش کر رہا ہے کہ اچک کر پہاڑ کی دوسری بلند چوٹی پر پہنچ جائے، سپاہی جوش میں بھرے ہوئے اپنے مجروح اور شہید بھائیوں کے جسموں پر سے گذر رہے تھے تاکہ آگے بڑھ کر یونانیوں کی گردنوں کو پکڑ لیں، ہماری سپاہ کے آدمیوں کو جو بہت تھوڑی تعداد میں تھے اسوقت اسکا خیال بھی نہ تھا کہ وہ دشمنوں کی گولیوں اور بندوقوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور بے جوش سے وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے میں اسوقت ایسا محسوس کر رہا تھا کہ گویا میں نشہ میں ہوں اور اپنے سپاہیوں کی طرح میں بھی یونانیوں کو گالیاں دے رہا ہوں اور بہت زور سے چلا رہا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ہم نے دیکھا کہ احسان سب سے اونچی چوٹی کی ایک چٹان پر کھڑا ہے چاند بلند ہو کر قبۂ آسمان میں پہنچ گیا تھا اور کائنات میں اُسنے سفید جال کا فرش بچھا دیا تھا احسان چٹان پر مطمئن کھڑا تھا کہ یونانیوں نے اپنی بندوقوں کی تال اُس کی طرف پھیری اور گولیاں برسانی شروع کیں احسان ان گولیوں سے محفوظ نہ رہ سکا اور زخمی ہو کر چوٹی سے گرا اور اُس جگہ آپڑا جہاں ہم کھڑے تھے گویا وہ ایک درخت تھا جسکو جڑوں سے کاٹ کر پھینکدیا گیا تھا، احسان کو گرتے دیکھکر ہمنے اپنے بازو پھیلائے اور جب وہ ہماری گود میں آگرا تو میں نے بلند آواز میں کہا۔

میرے بھائی احسان .... پیارے بھائی احسان۔

احسان نے میرے الفاظ سنے اور بے اختیار اُس کی زبان سے رباہ رباہ (یعنی رب میرے رب) کے الفاظ

سنبھل گئے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یونانیون نے اپنے مورچون کو خالی کر کے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسوقت گولیون کی بارش رک گئی تھی اور آتشباری موقوف ہو گئی تھی ہم نے احسان کو اپنے ہاتھون پہ اٹھا لیا اور سپاہیون نے اپنے بازوئن سے ہم کو مدد دی، سپاہی احسان کو میرے ساتھ اٹھائے لئے چلے جا رہے تھے اور بے اختیار بلند آواز سے کہتے چلے جا رہے تھے۔

اے جناب افسر! یا حضرت قائد؟

سپاہیون کی یہ حالت تھی کہ احسان کو دیکھنے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ زندہ ہے ایک دوسرے پہ گرے پڑتے تھے اور چارون طرف ایک حلقہ بنائے ہوئے تھے ان سپاہیون میں ایک سارجنٹ بھی تھا، جس کی بڑی بڑی اور ستڑی مونچھیں تھین چھوٹی چھوٹی آنکھین چہرہ بارود کی سیاہی مین آلودہ اور خون اسکے سر اور سینہ سے بہہ رہا تھا اُس نے احسان کو مجروح دیکھکر بلند آواز مین کہا۔

بھائیو میرے ساتھ آؤ ہم سب اپنے افسر کا انتقام ظالم یونانیون سے لین گے۔

ہم سب لوگ اللہ اللہ کرتے احسان کو ہاتھون پہ لئے پتھرون پہ چلے جا رہے تھے اور سپاہی دشمنون پہ گولیان برسا رہے تھے ہماری اللہ اللہ کی اور بندوقون کی آواز دیر تک فضا مین گونجتی رہی پھر بندوقون کی آواز کم ہوتی گئی اور آخر کچھ فاصلہ پہ جا کر بالکل منقطع ہو گئی۔ جب ہم احسان کو لے کر پہلی چٹان پہ پہنچے تو مین نے اپنی زمزمی سے پانی نکالا اور احسان کے ہونٹون کو تر کیا، مین نے دیکھا کہ زخم سینہ پر آیا ہے اور اُسکا کوٹ خون مین لتھڑا ہوا اور سر کاندھے کی جانب جھکا ہوا ہے، آنکھین تقریبًا بند ہین اور کبھی کبھی کراہنے کی حالت مین اُس کی زبان سے یا الٰہی یا الٰہی کے الفاظ نکل جاتے ہین۔

مجھے یاد نہین اور نہ مجھے اُسوقت یہ معلوم ہوا کہ کب ہم نے احسان کو اُس گڑھے مین پہنچایا جسکو ہم نے مرہم پٹی کا مرکز بنا رکھا تھا اور نہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ کب ہم نے اُسکو پالکی مین رکھا ہم کو پہاڑی میدان مین شفاخانہ کی ایک گاڑی ملی اور ہم نے احسان کو اُسمین رکھدیا اور اُسکو مخاطب کر کے کہا۔

احسان...... بھائی احسان...... بھائی احسان

احسان نے میرے الفاظ سنکر میری طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی لیکن درد کی تکلیف نے اُسکو مجبور کر دیا۔ جسوقت ہم احسان کو لے کر بڑے شفاخانہ مین پہنچے صبح کے چار بج رہے تھے، مین تو راتبھر کے

اندر داخل ہوا جہان ایک نوجوان ڈاکٹر اُن زخمیون کی جو خیمہ کے اندر پالکیون مین تھی دوبارہ مرہم لگا کر پٹیان باندھ رہا تھا مین نے اسکو مخاطب کر کے کہا۔

ہم رجمنٹ کے افسر احسان بک کو لائے ہین کیا بہن عائشہ یہان نہین ہین۔

ڈاکٹر نے فوراً شفاخانہ کے آدمیون کو آواز دیتے ہوئے کہا شادیش مصطفےٰ۔ اور تیار دارد؟ فوراً احسان بک کو بہن عائشہ کے خیمہ مین لیجاؤ ہمارے خیمہ مین بالکل جگہ نہین ہے۔

پھر ہمنے احسان کو فوجی پلنگ پر لٹایا تاکہ اسکو تکلیف نہ ہو اور عائشہ کے خیمہ مین لے گئے ڈاکٹر نے فوراً نہایت نرمی اور قابلیت سے احسان کا کوٹ اُتارا اسوقت تک احسان کی آنکھین کسی قدر کھلی ہوئی تھین ہونٹون کا رنگ بنفشی تھا اور چہرہ پر عجیب غریب تبسم گویا وہ ہم کو ایک دوسرے عالم سے جو ہم سے بہت فاصلہ پر ہے دیکھ رہا ہے مین نے ڈاکٹر سے پوچھا بہن عائشہ کہان ہے۔

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ عائشہ حفظان صحت کے دستہ کے ساتھ گئی ہے تم اطمینان رکھو عائشہ کی موجودگی کی ضرورت نہین ہے آدھ گھنٹہ کے بعد ہم تمام کامون سے فارغ ہو جائین گے۔

میرا ضبط و صبر رخصت ہو چکا تھا اسوقت مجھے سخت غصہ تھا اور مین عائشہ کو بہت برا بھلا کہہ رہا تھا اس لئے کہ اسوقت احسان کی حالت عائشہ کی موجودگی کو چاہتی تھی اور اُس کے پاس نہ ہونے سے وہ اس عزت سے محروم رہا جاتا تھا کہ آخری وقت مین عائشہ اُس کی آنکھون کو اپنے ہاتھ سے بند کرے آخر مین دو زانو احسان کے پلنگ کے برابر بیٹھ گیا اپنے سر کو مین نے پلنگ کے لوہے پر رکھ لیا اور بے اختیار رونے لگا آخر مجھے اس امر کا یقین ہو گیا کہ یہ نوجوان (احسان) اب چند ساعتون کا مہمان ہے اس خیال نے مجھے سخت صدمہ پہنچایا اور دنیا میری نگاہون مین تاریک ہو گئی احسان کے ہاتھ کو مین نے اپنے سرد ہاتھون مین لے لیا اور آہستہ آہستہ دبانے لگا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا احسان بھی میرے ہاتھ کو دبا رہا ہے احسان بار بار ادہر اُدہر دیکھتا تھا اور کان لگا کر کچھ سننا چاہتا تھا گویا وہ کسی چیز کا آرزومند ہے اور کسی کا انتظار کر رہا ہے مین نے اپنے دل مین کہا۔

آہ کاش اسوقت عائشہ کہین مجھے مل جاتی۔

جب مرغ سحر کی آواز آنے لگی تو مین نے سُنا کہ آیندگان و روندگان کے قدمون کی آواز بڑھ رہی ہے اور سپاہی زور زور سے باتین کر رہے ہین صبح کے وقت جو سکون چھایا ہوا تھا وہ زائل ہو رہا تھا اور کائنات مین

گونج بڑھ رہی تھی، ہوا اسوقت نہایت ہلکی تھی اور خوشگوار مین نے سُنا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔

یونانی کالے پہاڑ سے پسپا ہو گئے اور اب وہ ہر جگہ سے بھاگ رہے ہین۔

پھر مین نے ہولناک آواز مین کسی کو کہتے سُنا۔

پالکی کو اٹھاؤ اور ایک کنارہ رکھو۔

مین اُٹھا تاکہ واقعہ معلوم کرون اور کھڑے ہوکر دیکھا کہ لوگ ایک پالکی کو خیمہ کے اندر لا رہے ہین،

جونہین میری نظر پالکی پر پڑی بے اختیار مین چلا اُٹھا۔

آہ یہ تو عائشہ ہے . . . کیا عائشہ بھی زخمی ہو گئی۔

جسوقت مین نے یہ الفاظ کہے احسان کا ہاتھ میرے ہاتھون مین تھا اور مین اُسکو حرکت دے رہا تھا۔ پھر مین نے احسان کی سرد انگلیون کو دیکھا جو میرے ہاتھ کی گرفت مین تھین اور خیال کیا کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ گئی ہین، عائشہ کی پالکی پر جو لمبا کوٹ پڑا تھا مین نے اُسکو اٹھایا اور دیکھا کہ عائشہ کا دوپٹہ اُس کے سیر رہے اور اُس کے نیچے سیاہ بال رومال کے اندر بندھے ہوئے ہین اُس کی سفید قمیص خون مین بھری ہوئی ہے اور وہ بائین پہلو پر لیٹی ہوئی ہے اُس کی بائین بھون پر ایک خوفناک بہت بڑا زخم ہے جس نے بھون سے شروع ہوکر پیشانی کے ۲ ٹکڑے کر دئے ہین خون بہہ کر اُس کی بند پلکون پر گر رہا ہے اور پلکون کے اوپر آنکھ کے حلقون مین جم گیا ہے مجھے اسوقت اُسکا چہرہ بچون کی اُن مورتون سے مشابہ نظر آیا جو موم کی ہوتی ہین ہونٹ اسوقت بالکل ساکن تھے۔

محکمہ حفظان صحت کے سپاہی سے جو عائشہ کو لایا تھا جب مین نے دریافت کیا کہ عائشہ کیونکر زخمی ہوئی تو اُسنے ایسے لب لہجہ مین جس سے تاثر ٹپکتا تھا اور مترشح ہوتا تھا کہ عائشہ سے اُسکو محبت تھی اور اُس کی نظر مین عائشہ کی شخصیت عجیب غریب تھی میری طرف دیکھکر کہا۔

عائشہ گولہ کے ایک ٹکڑے سے زخمی ہوئی اور فوراً شہید ہو گئی اُسنے کام کرتے کرتے جب یہ سُنا کہ جناب قائد شہید ہو گئے ہین تو وہ محکمہ حفظ صحت کی پالکی لے کر دوڑی وہ تیزی سے جا رہی تھی کہ اُس کی نظر ایک زخمی سپاہی پر پڑی اور وہ فوراً ٹھہر گئی اور اُس کی مرہم پٹی کرنے لگی اسی حالت مین گولہ کا ایک ٹکڑا اُس کی پیشانی پر آکر لگا وہ گری اور ایک حرف بھی اُس کی زبان سے نہ نکلا کہ اُسنے اپنی جان۔ جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ مین نے سپاہی سے کہا کہ بیٹا عائشہ کو قریب لے آؤ۔

میں نے عائشہ کی پالکی کو احسان کے پلنگ کے قریب رکھدیا اور احسان کو مخاطب کر کے کہا۔

میرے بھائی ادھر دیکھو! احسان دیکھو عائشہ تمھارے پاس ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے الفاظ سنکر احسان نے حرکت کی لیکن جب میں نے احسان کے چہرہ پر جھک کر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ عائشہ کے پاس پہنچ گیا ہے اور اب دونوں ایک خیمہ کے اندر پہلو بہ پہلو سو رہے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ احسان اسوقت عائشہ سے خفا معلوم ہوتا ہے اُس کے چہرہ پر غصہ کی علامتیں تھیں اور وہ گویا عائشہ کو بُرا کہہ رہا تھا کیونکہ احسان کی پشت عائشہ کی طرف تھی اور عائشہ کا چہرہ اُس کی ... نگاہوں سے دور تھا اور اُس کے چہرہ پر رنج والم کے آثار تھے۔

عائشہ کا چہرہ اسوقت اُس بچے کی مانند تھا جو اپنے کسی قصور پر نادم ہو اور معصومیت کی جھلک اُسکے چہرہ سے نمایاں ہو جو خون عائشہ کے زخم سے بہ کر اُس کی غلافی آنکھوں پر جم گیا تھا وہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سرخ آنسو ہیں اور عائشہ اِن آنسوؤں سے احسان کو راضی کر رہی ہے۔ پھر یکایک میرے قلب میں یہ خیال گذرا کہ عائشہ پالکی سے اُٹھ کر احسان کو گلے لگا لے گی اور اپنے ہاتھوں کو اُس کی گردن میں ڈال دے گی اور جس بوسہ کا آغاز عکہ شہر میں ہوا تھا اُس کا بقیہ حصہ وہ اسوقت احسان کو عطا کریگی، میں نے دونوں کو مخاطب کر کے دردناک لہجہ میں کہا۔

بلاشبہ تم دونوں نے شادی کر لی ہے اور تم سما میں داخل ہو گئے ہو۔

اُسوقت میرا خیال واقعی یہ تھا کہ دونوں نے شادی کر لی ہے اس خیال نے مجھ پر جو کچھ اثر کیا اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ میں فوراً خیمہ سے باہر چلا گیا۔

صبح کے وقت میں نے دونوں کی نعشوں کو سرخ جھنڈوں کے سایہ میں دفن کرنے کے لئے دوسرے شہداء کے ساتھ گاڑی میں رکھا اور گاؤں کے چھوٹے سے قبرستان کی طرف لے چلے حتیٰ کہ دونوں کی نعشوں کو پہنچا کر دونوں کو سپرد خاک کر کے میں خاموش کھڑا تھا اور نعشوں کو ورم آلود آنکھوں سے جو رونے سے سرخ ہو گئی تھیں دیکھ رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اپنے فرض سے آج میں سبکدوش ہو گیا اور کیونکہ یہ احساس ہو رہا تھا میں ہی وہ شخص تھا جس نے عائشہ کو احسان کی زوجیت میں دیکر عائشہ کا ہاتھ احسان کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور اب وہ دونوں زرد مٹی کے نیچے پہلو بہ پہلو سو رہے ہیں اور دنیا کے مصائب سے بچ نکلے ہیں۔ جب ہم دفن کر کے لوٹے تو میں نے محسوس کیا کہ میرے قویٰ کی قوت زائل ہو چکی ہے اور میں

زمین پر گر رہا ہوں، حشمت بیگ نے فوراً مجھ کو تھام لیا اور میں اُس کے سہارے کبھی آگے اور کبھی پیچھے چلنے لگا۔ حشمت بیگ اپنے فولادی ہاتھوں سے مجھے پکڑے ہوئے تھا اور میں اُس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جن سے شعلے نکل رہے تھے اور غور سے وہ میری طرف دیکھ رہا تھا آخر اُسنے مجھ سے ہاں اُس پیامی سے جو اپنے وجود سے غائب تھا کہا۔

پیامی بیکسا تم بحیثیت احکام پہنچانے والے افسر کے میرے پاس رہو گے ہم پڑاؤں کو دھکیلتے ہوئے آگے پیچھے ہونگے، یہاں تک ہم سمرنا یاں عائشہ کے شہر میں پہنچ جائیں گے۔

ایک گھنٹہ بعد میں نے دیکھا کہ میں موضع "بصری" میں ایک مکان کے کمرے کے اندر جمال اور حشمت بیگ کے درمیان بیٹھا ہوں جمال رو رہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے بھائی میرے بھائی میرے ہوش اُڑ گئے، ٹھیک ٹھکانے آ گئے تھے اور میں بالکل اچھا تھا، میں نے حشمت بیگ کی طرف دیکھا وہ حجاب جو حشمت بیگ کی روح پر پڑا ہوا تھا دور ہو گیا تھا اب میں حشمت بیگ کے مافی الضمیر سے واقف ہو گیا وہ چاہتا تھا کہ مجھ سے پہلے وہ عائشہ سے جا کر مل جائے لیکن اس سے اُسکو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ کیا اسوقت عائشہ اور احسان پہلو بہ پہلو نہیں سو رہے ہیں آہ میرے رب میں اسوقت اپنے دل میں احسان سے سخت بغض پاتا ہوں اُسنے محض اس لئے کہ عائشہ عالم اخروی میں اُس سے آ کر مل جائے کالے پہاڑ پر حیرت انگیز اور تعجب خیز کام کئے اور آخر اپنی جان دیدی۔ اُس کا دعویٰ کیا ہوا کہ وہ سمرنا میں سب سے پہلے داخل ہوگا؟ وہ تو سمرنا کی راہ میں پانچ قدم سے زیادہ نہیں چلا اور پھر اس طرح مر گیا جس طرح جانور مر جاتے ہیں۔

اسوقت میرے قلب میں ایک نہایت اچھا خیال پیدا ہوا جس سے میرا دل زور زور سے حرکت کرنے لگا، میں نے اپنے دل میں کہا میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ سمرنا میں سب سے پہلے داخل ہوں اور پھر سمرنا سے واپس ہو کر "کوکجہ بنیار" میں عائشہ کی قبر پر جاؤں گا اور اُسکو خبر دوں گا کہ سب سے پہلے سمرنا میں۔ میں داخل ہوا ہوں مجھے اس امر کا یقین ہے کہ عائشہ نے احسان سے اس امر کا وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ سب سے پہلے سمرنا میں داخل ہوا تو وہ اس کے صلہ میں اُس سے نکاح کر لے گی، عائشہ کا یہ وعدہ اسوجہ سے نہ تھا کہ وہ احسان سے محبت رکھتی تھی۔ نہیں۔ اُس نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی وہ صرف اُس شخص سے محبت کرنا چاہتی تھی جو سب سے پہلے سمرنا میں داخل ہو خواہ وہ کوئی ہو پھر مجھے یاد آیا کہ حشمت بیگ بھی اس فکر میں ہے اور سمرنا میں سب سے پہلے داخل ہونے کی جدوجہد کر رہا ہے حشمت بیگ

کی کوششوں کا خیال کرکے میں ہنس پڑا اور کہا۔

میں حشمت تک یہ سبقت لیجاؤنگا اور مجھ سے پہلے کوئی سمرنا کے ساحل پر سرخ جھنڈا نصب کریگا۔

---

۲۷ دسمبر ۱۹۲۱ء - وقت صبح

آج صبح میرے اور ڈاکٹر کے درمیان جھگڑا ہوگیا کیونکہ وہ منع کرتا تھا کہ اب میں لکھنا پڑھنا ترک کردوں دیر تک اس امر پر مناقشہ جاری رہا پھر ڈاکٹر کی ہدایت سے شفاخانہ کے لوگوں نے میرے سر پر ایک سرد رومال باندھ دیا اور مجھے میرے بستر پر لٹا دیا یہ ساری تیاریاں اپریشن کی ہیں جو کل کیا جائیگا، اگر عمل جراحی کامیاب رہا اور میں بچ گیا تو ایسی زندگی سے کیا فائدہ جبکہ دنیا میں میرا کوئی شناسا باقی نہیں رہا ہے۔ جمال کو میری دونوں ٹانگوں کے ساتھ زمین میں دفن کیا جاچکا ہے اور حشمت کو میں نے اپنے ہاتھوں سے کوکچہ بنیار میں دفن کیا ہے اور وہ ہمیشہ سمرنا کی راہ میں رہیگا۔......

اور تم اے میری عائشہ ہاں تم میری طرف دیکھو میں اسوقت بھی دو مضبوط بازوؤں کا مالک ہوں اور میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک میرے جسم میں ایک عضو بھی صحیح وسالم باقی رہیگا اسوقت تک میں سمرنا کے لیے لڑونگا۔

میری عائشہ! اپنی آنکھوں سے ان خونیں آنسوؤں کو پونچھ ڈالو، اگر تمھاری خوشی اسی میں ہو تو تم بے تکلف احسان سے محبت رکھو کیونکہ یہ بدنصیب نوجوان تم سے بہت محبت رکھتا ہے، احسان نے ہاں اُس غم نصیب نوجوان نے متواتر دو سال تک اپنے جسم پر آتشین پیراہن کو پہنے رکھا ہے اور آخر تمھارے بازوؤں کے درمیان سمرنا کی جانب اُترا ہے افسوس جیسے نوجوان کے لئے یہ سعادت کافی ہے اب رہا میں! میرے جسم سے کبھی آتشین پیراہن نہ اُتریگا میں ہمیشہ اس آتشین قمیص کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی ابد تک اپنے جسم پر رکھونگا میں اس آتشین پیراہن کو بہت محبوب رکھتا ہوں ہاں اس پیراہن کے اندر جو سوزش والم ہے اُس سے مجھے بہت محبت ہے

عائشہ! اپنے قدموں میں بالشت بھر زمین میرے لئے بھی رکھنا تاکہ میں تم دونوں کی قربانی کروں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تاکہ میں تمھارے پاس ہوں۔ عائشہ اگر تم پسند کروگی اور مجھے اجازت دوگی تو میں احسان کے قدموں میں پڑا رہونگا اور جب تک وہ تمھارے ساتھ رہیگا اُس کے قدموں میں پڑا سوتا رہونگا۔

عائشہ؟ مین وہ درد والم محسوس کر رہا ہون کہ جب سے خدا نے کائنات کو پیدا کیا ہو اسوقت سے کسی شخص نے محسوس نہ کیا ہوگا۔

۲۷ دسمبر ۱۹۲۱ء - وقت شام

آج صبح مین نے اپنے خادم سالم کو تمام امور کے متعلق وصیت کردی ہو مین اسوقت ایسا محسوس کر رہا ہون گویا میرے سینہ کے اندر کسی میت کے سر کے چپٹے ہوئے بالون کی ایک لٹ رکھی ہو۔

مین نے اپنی وصیت مین لکھدیا ہے کہ میری قبر انھین دونون کے قدمون مین بنائی جائے کیا میری یہ خواہش اُن لوگون کی خیانت تو نہین ہو آپکا کیا خیال ہو؟

میرے بھائی ہان میرے پیارے احسان تم غصہ نہ ہو تمھارے سینہ سے عمر بھر مین صرف ایک مرتبہ خون بہا ہے لیکن میرا سینہ تو ہمیشہ خون کا فوارہ رہا ہے۔ ہان اب بھی میرے سینہ سے خون بہ رہا ہے اور قبر کے اُس طرف (عالم آخرت مین) بھی میرے سینہ سے خون جاری رہیگا . . ہان مٹی کے اندر اور تمھارے قدمون کے نیچے بھی جاری رہیگا اور اَبد تک جاری رہیگا۔

میرے بھائی احسان؟ تم خفا نہ ہو اوہر دیکھو مین تم دونون کے قدمون مین آکر سوؤنگا اور تم ہان تم ...... ہان عائشہ اور تم دونون پہلو بہ پہلو خواب اَبدی کا لطف اُٹھا رہے ہوگے۔

دیکھو ...... دیکھو ...... عائشہ وہ اپنی پالکی سے اُٹھی ہو اور احسان کی گردن مین اپنے بازو کو حمائل کر دیا ہے اور احسان کو ایسا بوسہ دیا ہے جسکی کوئی انتہا نہین ہو ...... اب وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونگے .... ہان کوئی حرج نہین ہو انھون نے ایک عمر اس بوسہ کی آرزو مین بسر کی ہو اور برسون تک اسکا انتظار کیا ہو۔

خاتمہ
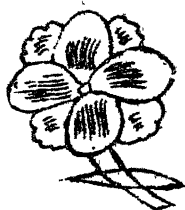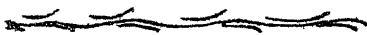
دو ڈاکٹر جب انگورہ کے شفاخانہ سے باہر نکل رہے تھے تو اُن میں سے ایک نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا۔

احتیاطی افسر پیامی آفندی نے اپنی یادداشتوں میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے اُن کی کافی تحقیقات کر لی گئی ہے۔ دوسرے نے دریافت کیا۔

اور اس تحقیقات کا نتیجہ کیا نکلا

پہلے ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ترکی سپاہ کی کسی رجمنٹ کسی پلٹن اور کسی دستہ میں عائشہ نامی نرس کا وجود نہیں پایا گیا اور نہ کسی رجمنٹ افسر احسان نام کا پتہ چلا۔

دوسرا ڈاکٹر۔ کیا پیامی آفندی کے کچھ عزیز و اقارب بھی ہیں۔

پہلا ڈاکٹر۔ ہاں اس کا ایک پھوپھی زاد بھائی جمال نامی تھا جو جنگ میں مارا گیا اور کہا جاتا ہے کہ جمال کی ایک بہن تھی لیکن نہ تو اسکا پتہ چلا اور نہ کسی کو اسکا نام معلوم ہوا۔

دوسرا ڈاکٹر۔ پھر۔

پہلا ڈاکٹر۔ پھر یہ کہ پیامی آفندی نے جو قصہ لکھا ہے وہ خیالی ہے جو اس گولی کے اثر سے جو اسکے دماغ میں پیوست ہو گئی تھی دماغ میں پیدا ہوا تھا۔

اس کے بعد دیر تک دونوں ڈاکٹروں میں طویل علمی بحث جاری رہی اور آخر دونوں نے اتفاق رائے سے اس مرض کا نام مشکل لاطینی زبان میں وضع کیا جو پیامی آفندی کو لاحق ہوا تھا اور جس کے اثر سے متاثر ہو کر اُسنے آتشیں پیراہن کی کیفیت بیان کی تھی۔

انگورہ۔ ۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء

خالدہ ادیب